نام نیک رفتگاں ضائع مکن
قاضی عبدالودود
کچھ
غالب
کے بارے میں
حصہ اول
خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری
پٹنہ

تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر :

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں :

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۵ء
دو حصوں کی قیمت : ڈھائی سو روپے ۲۵۰/-

پاکیزہ آفسیٹ پریس، شاہ گنج، محمد پور، پٹنہ ۶ میں طبع ہوئی۔

پیشگفتار

قاضی صاحب کے کارناموں کو ان کی خواہش کے مطابق یکے بعد دیگرے پیش کرنے کا منصوبہ بن گیا جس میں اوّلیت مختصر مستقل بالذات تحریروں کو دی جانی تھی۔ ان میں بحیثیت محقق محمد حسین آزاد، عبدالحق اور غالب کا جائزہ تھا؛ کلام دلدار اور دیوان رضا عظیم آبادی کی تدوینات تھیں؛ اور ایک منتخب مجموعہ 'اثبات بہار' کی ترتیب تھی جس میں انکی ہر نوع کی ایک تحریر شامل رہے۔ بحیثیت محقق محمد حسین آزاد والا جائزہ اور دیوان رضا کی تدوین، مکتبہ جامعہ کے لائق سربراہ شاہد صاحب کی جانسوزی سے جنوری ۸۴ء میں قاضی صاحب کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھیں۔ 'اثبات بہار' کی وہ صرف پہلی کاپی دیکھ پائے (کہ یہ ابھی کتابت کی منزلوں سے گزر رہی تھی)۔ رہے نام ذات حق کا! اور رہے نام حق کی جستجو کرنے والے بے لاگ محقق کا جس نے سچ کی تلاش میں، سچ سننے، سچ دیکھنے اور سچ کہنے کی ایک بار قسم کھائی تو موت تک اس کو نبھا دیا!! سچ، صرف سچ، اور سچ کے سوا کچھ بھی نہیں!!

O

قاضی صاحب شاعر غالب کو جتنا بڑا مانتے تھے، محقق غالب کو اتنا ہی چھوٹا جانتے تھے اور پھر بھی اس لاگ اور لگاؤ میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ اسی لیے تو قاضی صاحب نے اپنے پیچھے جو سرمایہ چھوڑا ہے اس کا لگ بھگ ایک چوتھائی کسی نہ کسی طرح غالب سے کوئی تعلق ضرور رکھتا ہے۔ غالب انھیں اتنا عزیز تھا کہ اس کے تعلق سے ہر وہ چیز جو غالب کے مطالعہ میں ذرا سی بھی مدد دے سکتی، وہ اسے اپنی یادداشت میں پرو لیتے اور پھر رفتہ رفتہ یہ اتنا بڑا سرمایہ ہوتا چلا گیا کہ اس سب کو انھوں نے **جہان غالب** کے عنوان سے مختلف رسالوں میں شائع کرایا۔

غالب سے تعلق رکھنے والے قاضی صاحب کے تمام وہ مضامین، جو **جہان غالب** کے علاوہ لکھے گئے، اس مجموعہ کی شکل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

○

میرزا غالب قاضی صاحب کے پسندیدہ شعرا میں سے تھے بلکہ شاید یوں صحیح ہو کہ سب سے زیادہ پسندیدہ شاعر! کہتے تھے کہ ایک زمانہ میں نصف سے زیادہ دیوان حفظ تھا۔ آخر میں بھی دس پندرہ غزلیں پوری یاد تھیں۔ ذہین آدمی تھے ' ذہین شاعر کو ایسا پسند کرنا کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔ اور غالب بڑے شاعر تو تھے! اردو کا بھرم جن شعرا کے دم قدم سے قائم ہے ان میں ابھی تک غالب سرِفہرست ہی آتے ہیں۔ یوں بھی کہ وہ اپنے ہی بڑے ' بعد کے آنے والے شاعروں کا انسپریشن بھی بنتے رہے ہیں۔

○

غالب کی عظمت کا ایک پہلو تو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اردو کے کتنے ہی معیاری شعری اور نثری مجموعوں کے نام غالب کے کسی نہ کسی شعر میں مستعمل ترکیب سے ماخوذ ہیں۔ یہ بات غالب کی عظمت کے اعتراف سے قطع نظر اس بات کی بھی دلیل ضرور ہے کہ اس ترکیب، یا زیادہ صحیح، غالب کے اس ترکیب کے استعمال میں اتنی وسعتِ ظرف ضرور تھی اور ہے کہ وہ نت نئے موقعوں پر استعمال کی جاتی رہے پھر غالب کے مصرعوں اور شعروں کو کتنی متنوع جگہوں پر کیسے خوبصورت پیرایوں میں نثر نگار استعمال کرتے رہے ہیں جو ان حصوں کو اتنا دل آویز بنا دیتے ہیں کہ مستعملہ شعر یا مصرع ہٹا کے پڑھا جائے تو بالکل بے جان ہو کے گر پڑیں۔ یہ بھی اس امر کی

پانچ

دلیل ہے کہ اس مخصوص شعر میں ایسے امکانات چھپے ہوئے تھے کہ وہ اس نئے موقع پر بھی بخوبی استعمال میں آسکا۔

لیکن اس بات کا ایک پہلو اور بھی ہے جسے اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے!

وہ یہ کہ، ممکن ہے یہ غالب کی عظمت کی دلیل نہ ہو بلکہ استعمال کرنے والے کے حسنِ ذوق اور حسنِ اسلوب کا ایک مزید (DIMENSION) ہو! کہنے اور سُننے والے کے درمیان ایک رشتۂ ارتباط اور رشتۂ تفہیم قائم ہے: ایک ہی زمانے اور قریب قریب ایک ہی ذوق کے حامل ہیں دونوں؛ ایک سے مسئلوں سے دوچار ہیں۔ اب ایسے میں اگر کسی شعر کا برمحل استعمال ہو جاتا ہے تو وہ اس شعر کی خوبی دوسرے درجے پر ہے، پہلے درجے پر استعمال کرنے والا آتا ہے۔

یوں استعمال میں آنے کو تو، یہ خالص غزل کا شعر ہے:
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
لیکن دسیوں بار میں نے اسے اتنے مختلف التوع مواقع پر ایسی مناسبت کے ساتھ استعمال ہوتے دیکھا ہے کہ غالب کے بھی کم ہی اشعار اس کیفیت کو پا سکے ہیں۔ اور اس شعر میں تو پھر ایک انداز تھا جس نے اُسے وسعتِ ظرف بخش دی لیکن یہ شعر:

وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں مری مان جائیے
اللہ! تیری شان کے قربان جائیے

اور یہ مصرع اپنی ادھوری صورت میں:

سینہ کس کا ہے! (مری جان جگر کس کا ہے)

(جس کا پہلا مصرع یوں ہے: تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے؟)
ایسے اچھے موقعوں پر آیا ہے کہ غالب بھی حسرت کھینچیں استعمال میں آنے کی بات زیادہ آگے چلے تو پھر داغ کو اردو کا سب سے عظیم شاعر قرار دینا پڑے گا، جس کے شعر سیاسی اور سماجی مسائل پر کتنی ہی جگہ ایسے بے اختیار انہ یاد آجاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے اصل میں انھیں موقعوں کے لئے کہے گئے تھے۔ جب کہ داغ بے چارے کے تصور میں بھی نہ ہوگا کہ اس کے خالص عاشقانہ (اور حسرت کی اصطلاح میں فاسقانہ!) شعر کے اتنے عظیم پہلو بھی نکل آئیں گے۔

اسی مندرجہ بالا بحث کا ایک پہلو غالب۔ کہ اشعار کے بجنوری معنی (اور شاید حالی معنی بھی!) ہیں، جن میں اونچے سے اونچا فلسفہ اور بلند سے بلند خیال تہ در تہ غالب کے دو مصرعوں میں سمویا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ بجنوری غالب سے زیادہ ذہین، تربیت یافتہ، اور پڑھے لکھے آدمی تھے؛ اور یہ کہ غالب کے شعر کے پردے میں اکثر انھوں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

یہ نکتہ کچھ اہلِ ایمان کو گراں گزرے گا لیکن کہوں گا ضرور (مثال سے مقابلہ مقصود نہیں ہے) کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں مولانا آزاد نے جو کچھ کہا ہے اس سے دس گنا تم میں میں بھی اس کے مطالب بیان کر سکتا ہوں! لیکن کیا یہ سب، اور وہ سب، واقعی الحمد کے مطالب ہوں گے یا ابو الکلام اور عابد رضا بیدار کی ترجمانی! اسی طرح ہر اشعار کی بات ہے۔ اور اس لئے یہ غور طلب امر ہے کہ کیا واقعی ان اشعار کے اتنے ہی مطالب ان شاعروں کے ذہن میں رہے ہوں گے! اور کیا، یہ شاعر سے زیادہ خود غزل کی صنعت کی خوبی نہیں ہے!! اور کیا اس میں اس شعر کو استعمال کرنے اور ترجمانی کرنے والے کا ذرا سا بھی رول نہیں ہوتا اور وہ محض ایک واسطہ ہوتا ہے شاعر کا شعر آپ تک پہنچا دینے کا!!!

○

کچھ باتیں صفائی کے ساتھ مان لینی چاہئیں تاکہ بعد

کے آنے والے الجھاؤ پریشان نہ کریں:

یہ کہ، غالب کی اہمیت، مقبولیت یا عظمت جو کچھ بھی اور جس درجہ کی بھی ہے وہ تو سے پچانوے فی صدی اس کے اُردو کلام کی وجہ سے ہے۔ یہ نہیں کہ فارسی کلام کم پایہ ہے؛ بلکہ بس یہ کہ فارسی ذوق کی بتدریج کمی کے سبب نہ تو وہ عوام تک پہنچ سکا نہ خواص تک۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ فارسی کلام پڑھا ہی نہیں گیا، یا یہ کہ وہ اس کی عظمت کا باعث نہیں ہے؛ بلکہ صرف اتنا کہ اس کی عظمت کو استوار کرنے میں اُسے بنیادی درجہ حاصل نہیں ہے، صرف قائم شدہ نقش کو مزید مستحکم کرنے کا رول اُسے ملتا رہا ہے۔ اور یہ فارسی ذوق کی کمی کی کچھ آج ہی کی بات نہیں؛ حالی کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی، لوگ اُردو غالب کو پڑھنا پسند کرتے تھے؛ شرحیں بھی اُردو کلام ہی کی سامنے آتی رہیں، اور مقالوں میں بھی اسّی فی صدی سے زیادہ غالب کے اردو کلام ہی کی تشریح و توضیح ہوتی رہی۔

یہ کہ، خطوط بھی غالب کی عظمت کے ستون نہیں؛ بس اس کے اشعار کو سمجھنے میں مددگار، اس کے ماحول میں پہنچنے کا ذریعہ، اس کے صاحب طرز ہونے کی دلیل ہیں؛ اور سب سے بڑھ کے اس کے بھرپور آدمی ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں؛ زندگی کے ہر پہلو سے لطف اندوز ہونے والی شخصیت کے ترجمان! جو کسی بھی جگہ نہ اپنے زمانے سے ستیزہ کار رہے نہ اپنی ذات سے!! ان خطوط نے اردو کلام کہنے والے غالب کو سمجھنے میں مدد دی ہے، اور عظمت کے نقش کو اور گہرا کر دیا ہے۔ بنیادی درجہ بہرحال انھیں حاصل نہیں ہے۔

اور آخری بات یہ کہ اگر وہ واقعی بڑا شاعر ہے، تو کس قسم کی عظمت ہے اس کے شعر میں؟ عظیم سعدی یا رومی کی عظمت — ہومر یا شکسپیر کی عظمت — اس سے کمتر درجے کی حافظ والی عظمت — یا اپنے ماحول اور غزل کی صنف میں دوسرے تمام ہم عصروں سے نکلتی ہوئی قدآور شخصیت والی عظمت!

○

عظمت کے لفظ سے بدکنے یا اس پر بپھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا استعمال ہمیشہ اور ہر جگہ اضافی طور سے ہوتا رہا ہے۔ یہی اضافی استعمال یہاں بھی ہے۔ عظمتِ مطلق بھی کہیں نہ کہیں پہنچ کے شاید پھر اضافی بن جائے، تاہم اس کے لئے خالص دنیاوی پیمانہ تو بہت سادہ طور سے ایک ہی ہو سکتا ہے کہ: وہ جس کے نام اور کام سے میں اور آپ واقف ہیں، لیکن جو میرے آپ کے نام سے متعارف نہیں ہے، وہ "مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے" جواہر لال اور خلج، خلاً سب سے اوپر کے حلقہ میں، لتا اور دلیپ کمار ایک اور حلقہ میں، پٹودی اور حسین ایک اور حلقہ: یہاں بیکراں وسعت ہے ادب کی طرح محدود پن نہیں۔ پھر ادب بھی کسی عالمی زبان کا نہیں، اردو زبان کا ادب، جو مشرق کی ترقی پذیر زبانوں میں شاید سب سے کم عمر زبان ہے؛ کمپنی کے ملازموں کی تعلیم کے سلسلے میں بعض مبارک و محمود کوششوں کے ماسوا عہدِ جدید سے قبل جس کے ترجمے تک کسی بیرونی زبان میں نہ ہو سکے، الّا ماشاء اللہ! اور اب بھی علوم اسلامیہ کے ماہروں نے ایک اقبال میں دلچسپی لی، اور برادری کے ناتے سوویت حلقہ نے ترقی پسندوں کو متعارف کرا دیا؛ باقی اب بھی کیا ہے۔

تو غالب کی عظمت کو ان سب محدود حالات کی روشنی میں سمجھنا ہے؛ اسی لئے میں نے عظمتِ اضافی کی بات رکھی ہے۔

سات

○

عظمت کا یہ لفظ اضافی کے ساتھ ساتھ نسبتی بھی ہے:
غالب پسندوں کے مختلف LAYERS ہیں اور
ہر LAYER پر، مثال کے طور پر وہ غزل جسے میں غالب
کی بہترین غزل قرار دیتا ہوں، ایک ہی طرح اس کے مرتبہ
کی تقدیر ہو، یہ قطعی ضروری نہیں ہے۔ بعض اُسے ادنیٰ درجہ
دیں گے، بعض اوسط، اور بعض اعلیٰ۔ اسی نسبتی اضافیت
کا ایک دوسرا پہلو نادان دوستی بھی ہے جس کی تشریح کی
ایسی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

ایک جگہ غالب اس لئے عمدہ شاعر ٹھہرے گا کہ اس
نے ایسے ایسے شعر کہے ہیں:

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

ایک سطح پر وہ اس لئے اہم شاعر ٹھہرے گا کہ اس
نے عامۃ الورود باتوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ شعر میں
ڈھال دیا ہے اور، بقولے، نفسیاتی ژرف نگاہی وغیرہ
کا ثبوت دیا ہے۔

ایک سطح پر اس کے فن کی تعریف ہو گی جس میں
کہیں پہلوداری پر زور دیا جائے گا کہیں سہل ممتنع پر:

موت کا ایک دن معیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ایک طبقہ ان کی اس بلند خیالی بلکہ نازک خیالی کی
داد دے گا کہ:

ہے پرے سرحدِ ادراک سے مسجود اپنا
قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما جانتے ہیں

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا، تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ایک سطح پر اس کی مشکل پسند طبیعت کو سراہا
جائے گا کہ:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

میں عدم سے بھی پرے ہوں، ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

یا تو ناسخیت کو:

شوق ہر رنگ رقیبِ سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

ایک طبقہ ایسے اشعار پر کھلکھلا اٹھے گا کہ غالب
تو یہ ہے:

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منھ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

ایک جگہ اس کی طرح دار ترکیبوں کی داد دی جائے گی:

ع مانعِ وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے
ع خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا
ع سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا
ع جاں دادۂ ہوائے سرِ رہ گذار تھا

ایک جگہ اس کے اسلوبِ بیان کے ان پہلوؤں اور ان
مضامین کی تعریف ہو گی جو فارسی کے کلاسیکی شعرا کا عطیہ
ہیں ؎؛ دوسری جگہ اس کے پیترے کے آرٹ کی مداحی ہو گی جو

اس میں شک نہیں خاصا لطف دیتا ہے:

ع ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پر بھی راضی کہ کبھی ....

ع واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

(کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار ہے

لیکن کیا یہ ساری خصوصیات کہیں یکجا اور کہیں فرداً فرداً غالب کے پیشرو مصحفی، غالب کے معاصر ذوق اور مومن، اور غالب کے بعد آنے والے داغ میں نہیں مل جاتیں؟ تو پھر غالب کی عظمت کے ستون کہاں ہیں؟ یا کہیں بھی نہیں؟؟

اس کی عظمت کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ غزل کی تہذیب کا بھرپور نمائندہ، اردو سماج کی فکری سطح کو بلند کرنے والا، اشیاء اور مسائل پر غور کے لئے کچھ نہ کچھ جگر کاوی کرنے والا —— اور نتیجہ میں، اردو شاعری کو سوچنے والا ذہن عطا کرنے والا شاعر ہے: وہ جو اردو تہذیب کی تاریخ میں پہلی بار تذبذب اور تشکیک سے دوچار ہوا، اور روایات کے گھور اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کے آگے بڑھا۔ اس نے یہ شعر محض تفریحاً نہیں کہے تھے:

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

کیوں نہ دوزخ کو بھی جنّت میں ملالیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مَرے بُت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

'ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر' وہ شاید عمر بھر اس مرحلہ سے دوچار رہا!

دوسرے یہ کہ اس نے خالص عشقیہ شاعری بھی کی ہے تو بڑے درجہ کی۔ بڑی عشقیہ شاعری اور بڑی فکریہ شاعری کی سرحدیں کہیں نہ کہیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں: ایک میں جذبہ نسبتاً حاوی رہتا ہے، دوسرے میں فکر، لیکن میل دونوں جگہ دونوں کا ہوتا ہے:

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

ع قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

ع ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی، ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

تمثال جلوہ عرض کر اے حسن کب تلک
آئینۂ خیال کو دیکھا کرے کوئی

خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

اور تیسرے یہ کہ محض فن کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہاں بھی غالب نے اسلوبِ شعر کو اتنے گوناگوں تجربوں سے متعارف کرایا ہے جو کسی ایک جگہ، تنہا کسی ایک

[1] یگانہ (غالب شکن) اور عندلیب شادانی (تحقیقات) نے ایسے اشعار کی ایک طویل فہرست دی ہے جو عرفی، نظیری، سعدی، خیام، اور بعض کم معروف شعرائے فارسی سے بھی ماخوذ ہیں۔ یہاں انھیں دہرانا ضروری نہیں۔

شاعر کے یہاں نہیں ملتے۔

اور ان تینوں امور سے ہٹ کے، اپنی جگہ پر، اس کی عام مقبولیت بھی اس کی عظمت کی بنیاد نہ سہی اس کا اہم ستون تو یقیناً بن ہی جاتی ہے، وہ جو عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی سے بھی زیادہ عام زندگی کا حصہ بن گیا ہے:

ع ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

ع ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ع آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

ع یار سے چھیڑ چلی جائے اسد

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ع کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

ع آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

ع ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

ایسے کتنے ہی شعر اور مصرعے ہیں جو خطوں میں، باتوں میں، تقریروں میں ہر سطح کے لوگ بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ غالب ہماری روزمرہ کی زندگی کا ایک جزو سا ہو گئے ہیں اور کتنی ہی متوقع اور غیر متوقع جگہوں پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ مولانا آزاد اور رشید صدیقی غالب کے اشعار کو سلیقہ سے استعمال کرنے میں خاصے معروف ہیں لیکن یہی دو نہیں، اردو کے کم طرح دار ادیب ہوں گے جنھوں نے کسی نہ کسی جگہ غالب سے کسبِ فیض نہ کیا ہو۔ غالباً رتن ناتھ سرشار سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے جنھوں نے اپنی اولیں تصنیف (تقریظ قندیل حرم) میں غالب کے انتقال کے ۴ سال بعد غالب کے اشعار استعمال کیے۔ پھر مولانا آزاد اور مولانا محمد علی نے الہلال اور ہمدرد میں بلا مبالغہ سیکڑوں بار ان کے اشعار کو رنگ رنگ سے اپنی نثر میں سمویا۔ اور رشید صدیقی نے تو گویا غالب کو اپنی تحریروں کی رگوں میں دوڑتا لہو سا لیا۔ بعد میں آنے والوں نے گنجہائے گرانمایہ، زود پشیماں اور محشر خیال کے بعد کی نسل نے، جو اقبال کے اثر سے کسی طرح بچ نکلے، نقش فریادی، ناخن کا قرض، گل نغمہ، شہر آرزو، کاغذی پیرہن، نمرود کی خدائی، کہتے ہیں جس کو عشق، قسم کے اپنے مجموعوں کے نام رکھ کر غالب کے فیضان کا اعتراف کیا!

یہ دونوں امور غالب کی اثر پذیری سے ہٹ کے ایک اور پہلو کو بھی پیش کرتے ہیں: یہ کہ، غالب نے ہماری تہذیب کے رچاؤ کے اتنے متنوع پہلوؤں کو اپنی شاعری میں سمیٹ لیا ہے کہ کہیں نہ کہیں، زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ پر، اگر غالب سے ہماری تھوڑی بہت بھی شناسائی ہے تو، یہ ناممکن ہے کہ ہم اس سے کبھی بھی ٹکرائیں نہیں! ایک شریف، بردبار، علم مجلسی سے واقف، شستہ، شائستہ، ہر رنگ میں وا، متین و ثقہ حلقوں میں سنجیدہ، ٹھٹھول بازوں میں سوا ٹھٹھول باز، زندگی کے رس کو پوری طرح نچوڑ کے پی جانے اور اس سے ستیز نہیں ساز کر لینے والی بڑی متوازن بے ابال، اپنے سے ہم آہنگ شخصیت کا ہیولیٰ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی موڑ پر ابھر آتا ہے: یہ میں ہوں! مرزا نوشہ! اسد اللہ خاں غالب۔ مجھے نہیں پہچانتے؟ نہ سہی، میرے جگر کے ٹکڑوں کو تو پہچانتے ہو، وہ تمہیں مجھ تک لے آئیں گے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے عوامی یا عوام پسند یا مقبول عام اشعار کسی بھی شاعر کو عظمت کا تاج نہیں پہنا سکتے، لیکن جب یہ شعر اردو سماج کی رگوں میں دوڑتے پھرتے خون کا درجہ لے لیں تو اس بات کا ثبوت تو ہے ہی کہ شاعر عوام کا حصہ بن چکا ہے۔ اور کیا یہ عظمت کا ایک پہلو نہیں ہے؟

اور دانشوروں نے اس کے اشعار کو اپنی تحریروں

ہی کا نہیں افکار کا بھی جزو یقیناً بنایا ہوگا۔ عبارتوں میں غالب کی پیوندکاری اور اہم مجموعوں کے اس سے ماخوذ نام، بات یہیں پر ختم نہیں کر دیتے: یہ اشعار کسی تیسرے درجہ کے مردہ سماج کو بھی زندگی کی حرارت بخش سکتے ہیں! غالب کے فوراً بعد جو اردو سماج بنا وہ تو پھر بڑا زندہ، توانا، سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو سے سرشار، ماضی پر مغرور حال سے گریزاں اور مستقبل میں یکین سماج تھا۔ سرسید اور حالی، آزاد اور اقبال، محمد علی، انصاری و اجمل خاں، ذاکر حسین اور رشید صدیقی، سہیل اور اصغر، فیض و فراق، مودودی اور دریابادی، اہم اکابر میں سے کون ہے اپنی ذہنی زندگی کے تشکیلی دور میں جس نے غالب سے کسب فیض نہیں کیا۔ ان سب کے یہاں اس کے شواہد موجود ہیں۔ ان بڑے سماجی اور ذہنی معماروں کا معمارِ اعلیٰ کیا آپ کے خیال میں عظیم نہیں ٹھہرے گا؟

مجھے اصرار ہے کہ ان کی، اور پھر اب موجودہ نسل کی فکر کے اجزائے ترکیبی میں اس قسم کے اشعار کی تہ میں کام کرتی ہوئی سوچ بھی شامل رہی ہے میں بجنوری کی مانند ان کی وضاحتیں نہیں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان اشعار میں ایسے ذاتی معنی موجود ہیں کہ انھیں کسی بیرونی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف انھیں پڑھے دے رہا ہوں: (یا زیادہ سے زیادہ غالب ہی کے یہ چار شعر پہلے سنا دوں گا جس سے شاید یہ بات واضح ہو جائے کہ غالب کے پاس اپنی ذاتی پونجی بھی تھی:

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے)

یہ ہیں وہ شعر جن میں مرکزی خیال آرزوئے نایافت، دل کو خوں کرنے کی فرصت کی خواہش، خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکنے کی تمنا، رونقِ ہنگامہ، انجمن آرزو، شوق فضول اور جراَتِ رندانہ سے عبارت ہے:

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول و جراَتِ رندانہ چاہیے

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے ابھی یاں کہ مجھے کام بہت ہے

ہاں اہلِ طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

گیارہ

اور، مزید وضاحت کے لئے میں تینوں قبیل کی ایک ایک نمائندہ غزل پیش کر رہا ہوں۔ پہلی غزل میں غالب کے عوام پسند پہلو بڑی وضاحت اور رنگارنگی کے ساتھ ایک جگہ آ گئے ہیں اور اسی لئے اس غزل کے بیشتر حصے، مصرعے یا شعر خاصے مقبول بھی ہیں:

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

تو اگر بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں، رکھئے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

دوسری غزل میں ان کے عشقیہ انداز کی بہت اچھی ترجمانی ہو گئی ہے:

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی!

اور، اردو شاعری کا سوچتا ہوا ذہن پوری طرح اس ایک غزل میں نمودار ہوتا ہے جس میں اس کی فکر کا بنیادی خیال بھی بار بار پلٹ پلٹ کر آتا ہے؛ اور، پھر، کچھ دوسرے اہم ترین پہلو بھی:

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں، کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

تب نازِ گراں مائگیِ اشک بجا ہے
جب لختِ جگر دیدۂ خوں بار میں آوے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیِ پُرخار میں آوے

غارت گرِ ناموس نہ ہو، گر ہوسِ زر
کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے

تب چاکِ گریباں کا مزا ہے دلِ ناداں
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

آتش کدہ ہے سینہ مرا، رازِ نہاں سے
اے وائے! اگر معرضِ اظہار میں آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

(ع۔ ب)

فہرست

حصہ اوّل

حصہ دوم:

کچھ غالب کے بارے میں

حصہ اوّل

قاضی عبدالودود

کتب خانۂ خدابخش اور غالب

خدابخش خاں نے محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب (مطبوعہ ص ۶۲۹ تا ص ۶۳۱) میں غالب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ حذفِ بعض عبارات کے بعد درج ذیل ہے:

"چندے[1] در کلکتہ ہم قیام داشت، روزے در یک مشاعرہ عزیزے اعتراضے بارد بر شعر مرزائے مزبور وارد کرد۔ مثنوی بادِ مخالف در جواب ہماں اعتراض است۔ باآنکہ بکدامی کارہائے دنیا تعلق نداشت مگر باغایت عزت و تمکنت میزیست۔ در شعر فارسی در عصرِ وے دیگرے مثل وے نبودہ۔ دیوان بزبان اُردو ہم دارد، در شعر اُردو ہم روش شعر فارسی نگذاشتہ۔ بہرحال ہرچہ از میرزاست، خیلے خوب است... دستنبو... محض بزبان فارسی بلاآمیزش کدامی الفاظ عربی نوشتہ[2]، بایں قید ایں رسالہ ہم خوب نوشتہ۔ میرزا محض روش شعرا میزیست و اقدام باقداحِ راح میکرد۔ در آخر عمر ثقل سماعت ہم داشت۔ عمر طویل کرد۔ در سنہ ۱۲۹۴ھ[3] در دہلی وفات یافت۔"

اسی کتاب میں کلیات میر مطبوعہ کا ذکر ہے، اس میں غالب کے متعلق مرقوم ہے:

---

[1] خدابخش خاں نے غالب کے چچا کا نام نصر اللہ بیگ کی جگہ نصیر اللہ بیگ لکھ دیا ہے۔
[2] غالب چاہتے یہی تھے، لیکن ناواقفیت کی وجہ سے متعدد عربی الفاظ ان کے قلم سے نکل گئے۔
[3] صحیح ۱۲۸۵ھ

"غالب کہ در عصر خود در شاعری نظیر خود نداشت فرمودہ ۔ قطعہ[1]

میر کے شعر کا کیا حال کہوں میں غالب | اس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں
ریختے کا وہ ظہوری ہے بقول ناسخ | آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں"

کتب خانۂ خدا بخش میں غالب کی ایک رنگین تصویر ہے، جو سید محفوظ الحق مرحوم کے اخلاف سے خریدی گئی ہے۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی مجھ سے کہتے تھے کہ یہ تصویر انھوں نے کلیات نظم فارسی کے ایک قلمی نسخے سے نکال کر مرحوم کو دی تھی یہ آج کل کتب خانۂ دانش گاہ ڈھاکہ میں ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے شورش ۵۷ء سے کچھ قبل کا لکھا ہوا ہے۔ ظاہرا یہ تصویر وہی ہے جو کلیات کے اس نسخے میں ہے، جو نولکشور نے پہلی بار چھاپا تھا، فرق صرف رنگ کا ہے۔ اسے تسلیم کرنے میں قباحت یہ ہے کہ نولکشوری نسخہ قلمی نسخے کے کئی سال بعد طبع ہوا ہے۔ تصویر کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات اس وقت نہیں کہی جا سکتی۔ ممکن ہے آیندہ کہی جا سکے۔

اس کتب خانے میں ایک لفافہ ہے جس پر مکتوب الیہ کا نام اور پتا خود غالب کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں جو خط تھا، وہ غائب ہے لیکن، اس کی نقل نسخات صفیر میں ہے، اور مآثر غالب میں لفافے کے عبارات کے ساتھ موجود ہے۔

کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین نسخہ جو باقی ہے، اسی کتب خانے میں ہے۔ اس پر جو مقالہ میں نے لکھا ہے، اس کی طرف میرے اس مقالے میں جو اردوے معلیٰ شمارۂ اول میں چھپا ہے، اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب کا جو دوسرا نسخہ یہاں موجود ہے، اس پر میرا مفصل مضمون اردوے معلیٰ کے شمارۂ مذکور میں شائع

---

[1] یہ اشعار غالب کے ہیں، مگر نسخۂ حمیدیہ کی اشاعت سے قبل عام طور پر ان کے وجود کا علم نہ تھا۔ خدا بخش نے یہ اشعار کہاں دیکھے، اس کا پتا نہیں۔

ہو چکا ہے۔ کلیات نظم طبع دہلی یہاں نہیں لیکن جو نسخہ لکھنؤ میں پہلی بار چھپا تھا، اور جس کا ذکر تصور کی بحث میں آچکا ہے، موجود ہے۔

پنج آہنگ طبع ثانی، کلیات نثر فارسی طبع اوّل، مہر نیمروز طبع اوّل، قاطع برہان طبع اوّل اور اردوے معلّی طبع اول کے نسخے یہاں موجود ہیں۔

دیوان اُردو کے دو قلمی نسخے اس کتب خانے میں ہیں۔ ایک کا آغاز دیباچۂ نثر (فارسی) سے ہوتا ہے اور اس کے آخر میں نیّر کی لکھی ہوئی فارسی تقریظ ہے۔ اس کا کاتب گوبند لعل ہے اور ۱۲۶۰ فصلی میں اس کی کتابت ہوئی تھی۔ دوسرے کا آغاز غزلوں سے اور خاتمہ قصیدے کے اشعار پر ہوتا ہے — یہ ناقص الآخر ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا کاتب کون تھا، اور کب لکھا گیا تھا قیاس ہے کہ کتابت شورش ۵۷ء سے پیشتر کی ہے۔

دیوان غالب اردو کے ان نسخوں میں سے جو غالب کے دوران حیات میں طبع ہو چکے تھے، یہاں دو موجود ہیں: نسخۂ مطبع احمدی، نسخۂ مطبع نظامی۔ مقدم الذکر کے یہاں دو نسخے تھے، جن میں سے ایک کا باوجود تلاش اس وقت پتا نہ ملا، اس کے آخر میں جناب قاسم حسن خاں و برادر زادۂ خدا بخش خاں منتظم کتب خانہ کے قول کے مطابق غالب کا ایک قطعہ ہے جو محمد بخش خاں پدر خدا بخش خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ قطعہ وہی ہے، جو عماد الملک بلگرامی کی روایت پر غالب سے منسوب کیا گیا ہے، مگر نہ دیوان کے ان نسخوں میں ہے جو غالب کی زندگی میں چھپے تھے اور نہ کسی قلمی نسخے میں ہے جو اس وقت تک دستیاب ہوا ہے۔

●●

"اردوے معلیٰ" فروری ۱۹۶۱ء

مقالۂ افتتاحیہ

بین الاقوامی غالب سمینار

اولڈس ہکسلے کے ایک ناول میں دکھایا گیا ہے کہ مشاہیر کے مداح جو حالاتِ زندگی قلمبند کرتے ہیں، ان میں بہت سی اہم باتیں جن کے بغیر، ان کی شخصیت کے متعلق صحیح رائے قائم ہی نہیں کی جا سکتی، قلم انداز کر دی جاتی ہیں۔ بہت سے نامور اشخاص پر غالب کا یہ شعر بتبدیلِ بعض الفاظ منطبق کیا جا سکتا ہے:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ　　دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھُلا

بعض اوقات کچھ راز کی باتیں منظرِ عام پر بھی آ جاتی ہیں، مثلاً یہ بات کہ ورڈسورتھ کی ایک ناجائز اولاد تھی، اس کی موت کے بہت بعد، مشہور ہوئی۔ بودلیر نے کہا تھا کہ اے خدا، مجھے اس کی جرأت دے کہ میں اپنے آپ کو اسی طرح دیکھوں، جیسا میں ہوں، اور واقعی اس کے لیے بڑی جرأت کی ضرورت ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ ایسے لوگ جو چاہیں کہ ان کی اصلی شکل دوسروں کو بھی نظر آئے، اور بھی کم ہیں۔ بہتوں نے اپنے حالاتِ زندگی خود لکھے ہیں، ان کی اکثریت صرف وہ باتیں منظرِ عام پر

لانا چاہتی ہے جو اس کے متعلق پڑھنے والوں کو اچھی رائے قائم کرنے میں مدد دے سکیں، بہتیرے بے تکلف ہر قسم کی غلط گوئی سے کام لیتے ہیں، کچھ ظاہر میں بڑے صافگو نظر آتے ہیں، مگر ہوتا یہ ہے کہ عموماً صرف ایک قسم کے معاملات کے بیان میں، یہ لوگ صافگوئی سے کام لیتے ہیں، اور یہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جنھیں عام طور پر لوگ چھپاتے ہیں، مثلاً جنسی بیراہ روی: مگر یہی لوگ دوسری قسم کے معاملات کے ذکر میں ان باتوں کو جو ان کے خلاف پڑتی ہیں، چھپاتے ہیں، اس کی ایک مثال فرینک ہیرس کی اپنے متعلق کتاب ہے، جس نے جورج برنرڈشا کو بھی متاثر کیا تھا۔ ہیرس کی موت کے بعد یہ راز کھلا کہ اس نے لندن میں ایک قحبہ خانہ کھول رکھا تھا، جس کا کتاب میں اشارۃً بھی ذکر نہیں۔ غالب نے اپنی مینخواری کا ببانگ دہل اعلان کیا ہے، اور اس کے اظہار میں انھیں باک نہیں کہ انھوں نے ایک "ڈومنی کو مار رکھا" تھا، کیا اس کی بنا پر ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ غالب ان نادرالوجود اشخاص میں سے ایک ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی وہ اپنی اصلی شکل میں نظر آئیں؟ بودلیر کا ہموطن روش فوکو ہوتا، تو وہ یہ جواب دیتا کہ رندمشربی کا اقرار صرف اس لیے ہے کہ سادہ لوحوں کو یہ باور کرایا جائے کہ غالب "کوئی کام چھپا کر نہیں کرتے تھے جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا، جو خلوت میں کرتے تھے وہی جلوت میں کرتے تھے، پس اگر ان میں کوئی عیب تھا تو وہی تھا جس کو ہر کس و ناکس جانتا تھا، مخفی عیبوں سے وہ پاک تھے۔"

(واوین کے اندر کے الفاظ حالی کے ہیں)

مشاہیر کو ناموری کی جو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، اس کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ ان کے متعلق حکایتیں اختراع کی جائیں۔ یہ ان کی زندگی میں بھی ہوتا ہے، اور

ان کی موت کے بعد بھی۔ ہسکت پیرسن نے شا کے حالاتِ زندگی پر کتاب لکھنی چاہی تو بعض حکایات کے متعلق ان سے دریافت کیا کہ یہ کہاں تک صحیح ہیں، انھوں نے ان میں سے کئی کو بالکل بے اصل قرار دیا، کئی کی نسبت یہ کہا کہ ان کی اصلی شکل کچھ اور ہے۔ معدودے چند حکایات کی صحت کا اقرار کیا، اور باقی کے متعلق یہ بتایا کہ حافظے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ صحیح ہیں یا غلط۔ غالب کے بارے میں بھی بہت سی حکایتیں گڑھی گئیں، اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ایک فرید آبادی مقالہ نگار نے مدت ہوئی مرقع عالم ہردوئی میں لکھنؤ کے مشاعرے' اور مردہ بلی کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، وہ بے شبہ اختراعی ہے۔ شاد عظیم آبادی نے ناطق گرانی کے اعتراض کو جس شکل میں پیش کیا ہے؛ وہ اپنے وجود کے لیے ان کے تخیل کی رہینِ منت ہے۔ غالب کو ناموری کی قیمت اور طرح بھی ادا کرنی پڑی ہے، لوگ غالب میں وہ خوبیاں پانے لگے ہیں جو انھیں خود عزیز ہیں، غالب کے نزدیک ان کی کچھ اہمیت ہو' یا نہ ہو۔ علیٰ ہذا، لوگ خواہ مخواہ غالب کو اپنا ہمعقیدہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

شاعری فنونِ لطیفہ میں سے ہے' اور بعض اصحاب کا خیال ہے کہ کسی نظم کے متعلق یہ جاننا مطلقاً ضروری نہیں کہ کس نے کہی، کب کہی، کن حالات میں کہی اور کہنے والا کیسا تھا، شعر کے حسن و قبح کا فیصلہ ہمارا وجدان کرسکتا ہے' یہ کافی ہے۔ کچھ لوگ صرف تحقیق ہی کو نہیں، تنقید کو بھی بیکار سمجھتے ہیں، شعر خود بتا دیتا ہے کہ اچھا ہے یا بُرا، کسی کی نشاندہی کی حاجت نہیں۔ اس جگہ کوئی طویل بحث چھیڑنی منظور نہیں، اور بے دلیل فرض کرلیا جاتا ہے کہ تحقیق و تنقید دونوں کی ضرورت ہے۔

غالب اور ان کی نظم ونثر

غالب کیسے راوی تھے؟ غالب نے خود جو اپنے صفات بیان کیے ہیں، یا جو ان کے مداحین نے لکھے ہیں واقعی ان میں تھے، تو وہ تمام خوبیاں جو ایک راوی میں ہونی چاہییں، مع شئ زائد ان کے یہاں موجود ہیں۔ وہ "نہایت راست گفتار اور صادق اللہجہ" تھے، ان پر ٹھیک اعتراض ہوتا تو بے تامل قبول کرتے تھے، مخالفین کے باب میں ان کا مسلک "عفو و درگذر تھا۔" جیسی طبیعت میں دراکی اور ذہن میں جودت اور سرعتِ انتقال تھی؛ اسی طرح ان کا حافظہ بھی قوی تھا" ایک ٹیڑھی رائے غالب کے ذہن میں آتی تھی تو اس کے سارے بل نکل جاتے تھے، گویا وہ ایک نلکی تھی جس میں ٹیڑھی چیز آکر سیدھی ہو جاتی تھی۔ غالب حق پرست و انصاف پسند تھے ان کی تقریظوں میں کتابوں کے متعلق بہت کم ہوتا اور جو ہوتا اصلیت سے خالی نہ ہوتا۔ نظم و نثر کے سمجھنے میں وہ ایک مستثنیٰ شخص تھے۔ "فارسی زبان اور فارسی الفاظ و محاورات کی تحقیق، اور اہلِ زبان کے اسالیب بیان پر مرزا کو اس قدر عبور تھا کہ خود اہلِ زبان میں بھی مستثنیٰ آدمیوں کو ایران کے مستند شعراء کی زبان پر اس قدر عبور ہوگا"

یہ سب صحیح ہے تو صورتِ حال یہ ہونی چاہیے: ان کے یہاں کوئی بات خلافِ حقیقت نہ ہو، اعتراضات ہوں تو صحیح ہوں، شعر کا انتساب غلط نہ ہو، اور اس کا جو متن ان کے یہاں ملتا ہے، درست ہو، بیان ایسا ہو کہ غلط فہمی کا مطلق اندیشہ نہ ہو۔ اگر بطورِ شاذ غلطی ہو گئی ہو، تو اس کا اعتراف علی الخصوص اس صورت میں کہ اس کی نشاندہی کی گئی ہو، ان کے

یہاں ملنا چاہیے۔ بیانِ ذیل سے معلوم ہوگا کہ حقیقت کیا ہے:

(۱) قاطع برہان (= قاطع) کی اشاعت اول کی "تقریظ" میں غالب نے لکھا ہے کہ اگر منشی نولکشور دکان بے رونق کے خریدار نہ ہوتے، تو اس کتاب کا مسودہ ضائع ہو جاتا، اور یہ منطبع نہ ہوتی، لیکن جب اسے دوبارہ چھپوانا چاہا تو سیاح کو تحریر کیا "میرے پاس روپیہ کہاں جو... دوبارہ چھپواؤں؟ پہلے بھی نواب مغفور (یوسف علی خاں والی رامپور) نے ۲۰۰ روپے بھیج دیے تھے، تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا، اب بھی وعدہ کیا تھا کہ اپریل کی وجہ مقرری کے ساتھ ۲۰۰ پہنچیں گے، آخر اپریل ۱۸۶۵ء خال میں مر گئے، اپریل کا روپیہ رئیسِ حال (کلب علی خاں) سے... پایا... کتاب کا روپیہ نہ پایا، یاد دلاؤں گا، مگر اس مرحوم کا وعدہ سررشتۂ دفتر سے نہ تھا جو از روی دفتر اس کی تصدیق ہو" یہ دراصل سیاح کو نہیں، ان کے مربی غلام بابا خاں کو مطلع کرنا ہے، غرض یہ کہ وہ یوسف علی خاں کی مثال کی پیروی کریں۔ ایک دوسرے خط میں یہ موجود ہے کہ غلام بابا خاں اشاعتِ ثانی کی ۲۰۰ جلدیں خریدیں، دفتر سے اس کی تصدیق بھی نہیں ہوتی کہ اشاعتِ اول کے لیے ۲۰۰ روپے رامپور سے ملے تھے۔ اس کا انطباع یوسف علی خاں کی زندگی میں ہوا تھا، یہ بالکل ناممکن ہے کہ روپے وصول کر لینے کے بعد وہ "تقریظ" میں یہ لکھتے کہ منشی نولکشور اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو کتاب نہ چھپ سکتی۔

(۲) غلام امام شہید کی جو قدر حیدرآباد میں ہوئی وہ غالب کو سخت ناگوار گزری، اور انھوں نے ذکا کو لکھا: "شہید وہاں... سخن ناشناسوں کو زورِ طبع دکھا رہے ہیں" "مدعی (مراد از شہید) اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہمفن جان کر

حسد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیر جیسا محتسب .. کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے، اور کاذب کو سزا دے؟" شہید و غالب کے مشترک دوست بیخبر کے نام کے خط میں اس سے قطعاً انکار ہے کہ شہید کے متعلق کوئی توہین آمیز بات انھوں نے ذکا کو لکھی تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذکا کو صرف شہید کے وطن کے بارے میں اطلاع دی تھی۔

(۳) "کلکتہ گیا، نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی، دفتر دیکھا گیا، میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا، ملازمت ہوئی سات پارچے اور جیغہ سرپیچ اور مالای مروارید یہ تین رقم خلعت ملا، زاں بعد جب دلّی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملا۔" یہ ایک خط اسی ذکا میں ہے جو ہنگامۂ ۵۷ کے بعد کا ہے، کلکتہ سے جو خطوط غالب نے بھیجے، ان سے صرف یہ ثابت ہے کہ گورنر جنرل کے ایک دو درباروں میں شرکت کی، رسمی طور پر دوسرے شرکا کی طرح غالب گورنر جنرل کے سامنے پیش بھی کیے گئے ہوں گے۔ اس کے علاوہ "ملازمت" کا ثبوت نہ ان خطوط سے ملتا ہے، نہ دفتر سرکاری سے۔ ملنا درکار، یہ بھی ثابت نہیں کہ انھوں نے اس کی استدعا کی تھی، غالب نے خلعت کی خواہش ظاہر کی تھی، مگر کلکتہ میں نہ ملا، بعد کو دہلی میں خلعت پایا۔

(۴) فرہنگِ جہانگیری میں ایک لغت ہوس بواو مجہول بمعنی "ہوا و ہوس" درج ہے اور سند میں ابن یمین کا ایک شعر دیا ہے، جس میں ہوس بطور قافیہ آیا ہے، اس شعر کے ساتھ اسی شاعر کا ایک اور شعر اسی کے ساتھ کا ہے جس کا قافیہ خروس ہے۔ یہ دونوں کلیات ابن یمین (نسخۂ کتبخانۂ خدا بخش) کی غزل کے ہیں، مگر اس میں "ہوس" کی جگہ ایک اور لفظ ہے،

اور شعر کی صحیح شکل یہی ہے، نہ جانے مؤلف فرہنگِ مذکور کو شعر کی غلط شکل کہاں ملی۔ برہان قاطع میں لغت زیرِ بحث ہے، اور اس کے مولف نے اپنی عام روش کے مطابق اس کی سند نہیں دی۔ محرق قاطع برہان۔ یں ہوس قافیے والا شعر بطور سند پیش ہوا، تو غالب نے لطائفِ غیبی میں لکھا کہ یہ ایک سہ بیتی قطعے کا شعر ہے 'بواو مجہول نہیں، بفتحۂ ہا و واو ساکن ہے'، قطعے کے دوسرے قوافی فردوس و قوس ہیں، مگر اس وقت یاد نہیں آتا۔ قاطع برہان کی اشاعت ۲ میں بھی غالب نے اس سہ بیتی قطعے اور ان ۳ قوافی کا ذکر کیا ہے۔ یہ قطعہ نہ کلیات مذکور میں ہے، نہ کسی مجموعۂ قطعات میں جو میری نظر سے گزرا ہے۔ یہ شاعر اپنے قطعات کے لیے مشہور ہے، غالب شاید یہ سمجھے کہ صرف قطعہ ہی کہتا ہوگا، اس کی فکر انھیں نہ ہوئی کہ قطعہ ہی سہی، اگر کسی نے پیش کر دیا، اور اس میں فردوس و قوس بطور قوافی نہ ہوئے، تو لوگ میری نسبت کیا رائے قائم کریں گے۔

(۵) غالب نے قاطع برہان میں ذال فارسی سے متعلق ایک بات لکھی تھی، جو کسی قدر اختلاف کے ساتھ فرہنگِ جہانگیری میں بھی ہے۔ اس فرہنگ کی یہ عبارت آغا احمد علی احمد نے موید برہان (رد قاطع برہان) میں اس طرح نقل کی تھی کہ اس کے آغاز سے معاً قبل یہ بتایا تھا کہ یہاں سے فرہنگ کی عبارت شروع ہوتی ہے، اور اس کے انجام کے معاً بعد یہ لکھا تھا کہ اس کی عبارت ختم ہوئی۔ غلط فہمی کی مطلقاً گنجائش نہ تھی، لیکن غالب بڑی شد و مد سے تیغِ تیز (رد موید برہان) میں آغا پر غالب سے ایک نئی بات چرا لینے کا الزام لگاتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کسی فرہنگ پیشیں میں یہ بات مندرج نہیں۔ عبارت جس طرح موید برہان میں

منقول ہے، ٹھیک اسی طرح فرہنگ جہانگیری میں ہے جس نے عہد جہانگیر میں کتابی صورت اختیار کی تھی، آغا نے شمشیر تیز تر (رد تیغ تیز) میں غالب کی زیادتی دکھائی ہے۔

(۶) تیغ تیز: "مولوی جی (مراد از آغا احمد علی احمد) .. ایک فقرہ لکھتے ہیں "غم گفتار پارسی زبان خورد" اور یہ .. درفش کاویانی کا ہے .. مگر اس طرح .. "غم تباہی آیین گفتار پارسی خورد" مولوی نے بمعنی کر کے لکھا .. اتفاق ای اگر سرقہ ہے تو چاہیے سراسر فقرہ بے تغیر لفظ لکھنا اچکاپن اور اٹھائی گیراپن ہو" اول تو یہ کہ غالب کی عبارت محض معمولی ہے، اس میں کوئی خاص نکتہ بھی نہیں جس کا سرقہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو عبارت پیش کی ہے اس پر غالب کے الفاظ "سراسر فقرہ بے تغیر لفظ" عائد نہیں ہو سکتے، تیسرے یہ کہ آغا کی عبارت موید میں مختلف طور پر ہے، اور اس پہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ آغا نے شمشیر تیز تر میں غالب کو غلط گوئی کے لیے ملامت کی ہے۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ درفش کاویانی قاطع برہان ی اشاعت ۲ کا لقب ہے، اور عبارت طبع ۱ میں بھی تھی۔

(۷) غالب تیغ تیز میں آغا پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں کہ "دیدۂ عیب ساز" خود انھوں نے لکھا ہے؛ مگر موید برہان میں صراحتہً مرقوم ہے کہ یہ برہان قاطع میں آیا ہے۔

(۸) خط اسمی شیو نرائن ۱۰ جنوری ۱۸۶۲ء "غور کرو میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم (کذا) نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا، اور میں نے نظر تمھاری ناخوشی پر بکھر اس سے پھیر لیا۔" خط اسمی سیاح ۱۸۶۰ء "دیوان کا چھاپا کیسا، وہ شخص ناآشنا موسوم بہ عظیم الدین .. آدمی نہیں بھوت ہے،

پلید ہے، غول ہے، قصہ مختصر سخت نامعقول ہے، مجھ کو اس کے طور پر انطباعِ دیوان نامطبوع ہے، اب میں اس سے دیوان مانگتا ہوں اور وہ نہیں دیتا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان شیونرائن کی دلجوئی کے لیے نہیں، کسی اور وجہ سے واپس لینا چاہتے تھے۔

(۹) خط اسمی شیونرائن ۱۰ جنوری ۱۸۶۲ "رامپور سے وہ دیوان صرف تمھارے واسطے لکھوا کر لایا۔۔ یہ تمھارا مال ہے" لیکن ۱۸۶۰ء کے خط میں انھیں کو اصل حقیقت بتا چکے تھے کہ دیوان ضیاءالدین احمد خاں کے لیے ان کی فرمایش پر لکھوایا اور رامپور سے انھیں دہلی بھیجا گیا تھا۔

(۱۰) اشعار کے غلط انتساب اور انھیں اپنی شکل میں نہ پیش کرنے کی متعدد مثالیں غالب کے یہاں ملتی ہیں؛ نظامی کے ایک شعر کا جامی کے نام سے لکھنے کا اقرار حالی کو بھی ہے، (رجوع بہ غالب بحیثیت محقق)

(۱۱) ہاکنس سے پہلی ملاقات کے بعد غالب نے محمد علی خاں کو لکھا ہے "قصیدہ۔۔ مطبوع طبع نکتہ دانش گشت۔ انجمنیان با من حکایت کردند کہ این داور فریدون فرتا امروز بہیچ یک از اعیان دہلی التفات و اختلاط نکرد (اس سے یہ مراد کہ غالب کے ساتھ جو التفات و اختلاط رہا اس وقت تک اعیانِ دہلی میں کسی کے ساتھ نہ ہوا تھا)۔ آری خلاف واقع نیست چہ روز نخستین ملازمت تا یک ساعت نجومی بخواندن قصیدہ و پرسیدن اخبار کلکتہ و باز جستن وجہ تظلم، ملتفت ماند، مختصر مفید، بزعم خویشتن سخن فہم ہست، چہ خوش بودی اگر لختی معاملہ فہم و اداشناس نیز بودی" کیا اس عبارت کا پڑھنے والا یہ باور کر سکتا ہے کہ غالب نے پہلی ملاقات کے بعد چیف سکرٹری کے نام کے خط میں شکایت کی ہوگی کہ

ہا کنس جس طرح ملے وہ میرے مرتبے کے بالکل شایاں نہ تھا، اور اس سے میرے احساسات کو سخت ٹھیس لگی ۔"

(۱۲) غیاث الدین رامپوری مولف غیاث اللغات سے غالب بہت بیزار ہیں، ان کی توہین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، اور غیاث اللغات کو وہ ایک نہایت لغو چیز سمجھتے ہیں۔ یہ اغلاط سے خالی نہیں، لیکن اسے کسی طرح ناقابلِ اعتنا نہیں کہہ سکتے، چنانچہ ایرانِ حال کے محقق بزرگ قزوینی نے اسے "فرہنگِ نفیس" کہا ہے، اور یہ چند سال قبل ایران میں بھی طبع ہوئی ہے۔ صاحب مؤید برہان نے ایک لفظ کی بحث میں لکھ دیا تھا کہ بظنِ غالب اس کتاب نے غالب کو گمراہ کیا ہوگا۔ غالب بپھر پڑے مولف اور اس کی کتاب پر لعنت بھیجنے کے بعد فرماتے ہیں: رامپور میں وہاں کے "صاحبزادگانِ عالیتبار اور رؤسای نامدار" سے ملاقاتیں رہیں تو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک گمنام مکتبدار ملّا تھا جو نہ رئیس رامپور کا روشناس تھا، نہ اکابرِ شہر کا آشنا"۔ اس سے قطع نظر کہ علم کے لیے رئیس کی روشناسی اور اکابرِ شہر کی آشنائی ضروری نہیں، غیاث الدین کلب علی خاں اور ان کے والد یوسف علی خاں کے استاد تھے۔ اور رامپور میں ان کی بڑی عزت تھی۔ یہ امیر مینائی کی انتخاب یادگار سے ثابت ہے۔ شاگردی کا اقرار خود کلب علی خاں کی طرف سے سمجھنا چاہیے، امیر مینائی نے نہ صرف اس کتاب میں، بلکہ ایک خط میں بھی لکھا ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ ہے ان کے حکم کے مطابق ہے۔ غالب اگر ۲ بار رامپور نہ گئے ہوتے، اور غیاث الدین کے متعلق وہ بات کہتے جو اوپر منقول ہے، تو کہا جا سکتا تھا کہ انھیں غلط اطلاع ملی، یہ بات حد درجہ خلافِ قیاس ہے کہ رامپور کے صاحبزادگان

عالیتبار اور روسای نامدار سے یہ معلوم ہوسکتا

(۱۳) محمد علی خاں کے پاس غالب کا ایک قصیدہ مدح معتمد الدولہ آغا میر کا تھا، غالب نے ممدوح کو بدلنا چاہا تو انھیں لکھا کہ اس شخص کی تعریف میرے بزرگوں کے لیے شرمناک ہے، آپ اسے کسی کو نہ دکھائیں لیکن اس کی مدح کی نثر پنج آہنگ میں ہے اور اس کی تمہید میں صراحتہ مرقوم ہے کہ طبیعت نے قصیدہ لکھنے سے گریز کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ مدحیہ نثر لکھنا اور اسے شائع کرنا باعث عار نہیں۔

(۱۴) غالب کے ایک خاص شاگرد میکش کی رسائی لکھنئو میں قطب الدولہ کے یہاں ہوگئی، غالب کو اس کا امکان نظر آیا کہ قطب الدولہ کی وساطت سے واجد علی شاہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کرکے صلہ وصول کیا جائے مگر وہ چاہتے تھے کہ کم از کم ۵ ہزار ملیں، چونکہ خود صلے کی رقم مقرر کر دینا دستور نہیں، انھوں نے یہ دکھانا چاہا کہ یہ دربار اودھ کا معمول ہے کہ مجھے قصیدے کا صلہ اس قدر ملے۔ نصیر الدین حیدر کی مدح کے قصیدے کی نسبت قطب الدولہ کو لکھتے ہیں.. از عہد اورنگ نشینی نصیر الدین حیدر .. بسیغۂ صلۂ مدح زلہ خوار خوان عطای آن سلطنتم۔ قصیدۂ من بوساطت روشن الدولہ پیشگہ سلطان .. گذشتہ و پنج ہزار روپیہ مرحمت گشتہ" اس کے صراحتہً یہ معنی نکلتے ہیں کہ غالب نے صلہ پایا' ورنہ "زلہ خوار خوان عطا" مہمل ہوجاتا ہے۔ صلہ یابی کی امید منقطع ہونے لگی تو غالب نے عالم یاس میں میکش کو لکھا کہ میری یہ قسمت کہاں کہ صلہ ملے "نصیر الدین حیدر مدح شنید و زر بخشید' روشن الدولہ و منشی محمد حسن پاک بخوردند و بیشتری بمن نرسید" لیکن یہ بھی داستان محض ہے، نصیر الدین حیدر

تک قصیدہ پہنچا ہی نہیں۔ اس صورت میں صلے کا کیا سوال ہے۔ کلیات کے ایک سے زیادہ قدیم نسخوں میں قصیدۂ مذکور کا عنوان یہ ہے:" نگارش پذیرفتن مدح شاہ اودھ در جریدہ و بورق یادگار ماندن مدح بممدوح نارسیدہ، از عالم مستی بوی بادۂ ناکشیدہ" اس داستان میں بعد کو غالب نے یہ اضافہ کیا کہ اس سلسلے میں ناسخ سے مراسلت ہوئی، اور انھوں نے وعدہ کیا کہ روپے روشن الدولہ کے حلق سے روپیہ نکال لینگے مگر اسے کیا کیجیے کہ اس کے بعد ہی نصیر الدین حیدر فوت ہو گئے۔ غالب یہ بھی فراموش کر گئے کہ عہد روشن الدولہ میں ناسخ کا وہ اثر نہ تھا کہ ایسا وعدہ کر سکتے۔

(۱۵) امجد علی شاہ کی مدح کے قصیدے کے متعلق غالب نے قطب الدولہ کو لکھا تھا کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ ۵ ہزار صلہ اور اسی قدر بطور زاد راہ غالب کو بھیجا جائے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس پر عمل ہو، وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ روپیہ نہ پانا اسی لیے نہ لکھا کہ امجد علی شاہ واجد علی شاہ کے باپ تھے؛ اور ان کی موت کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا، غالب سمجھے ہوں گے کہ اگر تحقیق ہوئی تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس قصیدے کے بارے میں غالب نے ایک اردو خط میں لکھا ہے کہ متوسط نے نوید دی کہ قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا، مگر پھر خاموش ہو گیا، بعد کو خبر ملی کہ اس کی رسائی بادشاہ تک ہوئی ہی نہیں۔ اس سلسلے میں خط اسمی قطب الدولہ کی عبارتِ ذیل توجہ طلب ہے " نواب صاحب (قطب الدولہ) بآئینِ شایستہ (قصیدہ را) بنظرگہ خاقان (واجد علی شاہ) .. گذرانند و حال ثناگستری و سخنوری من و نوازش و بخشش فردوس منزل (نصیر الدین حیدر)

بعرض خسرو سپہر بارگاہ رسانند۔ اگر بخت نارسائی کند و عطیہ بقدر جاہ و دستگاہ شاہ نباشد، باری ہم بدان مایہ بخشش کہ از عہد فردوس منزل معمول است، قناعت میتوانم کرد"

(۱۶) غالب کسی امر کے متعلق تخمینی طور پر ایک سے زیادہ مقامات میں کچھ لکھتے ہیں تو ان کے بیانات عموماً متفاوت ہوتے ہیں، جناب عرشی نے اپنے مرتبہ دیوان اور مقدمۂ مکاتیب غالب میں آغاز شعر گوئی اور یوسف علی خاں سے تعلقات کی ابتدا کے بارے میں ان کے مختلف اقوال جمع کر دیے ہیں۔ انسان کسے قبول کرے اور کسے رد۔ ان کا ایک بیان بھی اس قسم کا ہو تو لازماً صحیح نہیں، مثلاً کلکتہ جانے کا سنہ ۱۸۳۰ لکھا ہے۔

(۱۷) "با این ہمہ کوشش کہ در جدا کردن راستی از کاستی مرا بود، نوشتہ ام مگر از بسیار اندکی، چنانکہ بی مبالغہ گویم از صد یکی" ایک مقالہ نگار نے دکھایا ہے کہ غالب کے اعتراضات کم و بیش ۴۰۰ ہیں اور برہان قاطع میں کم و بیش ۲۰ ہزار لغات ہیں، اگر غالب کا بیان صحیح ہے تو اغلاط کی تعداد کم و بیش ۴۰ ہزار قرار پاتی ہے !

(۱۸) "درنامآوران پارس از۔۔ جاماسپ تا۔۔ پنجمین ساسان و درواپسیان تا۔۔ آذر کیوان، و در سخن گستران ایران آن بسخن جہانگیران کہ پس از آن روشن ضمیران (اس میں آذر کیوان بھی داخل)۔۔ تا۔۔ قاآنی۔۔ ہیچ کس فرہنگ طراز نگشتہ" (دیباچۂ جدید قاطع برہان اشاعتِ ثانی) دبستان مذاہب غالب کی نظر سے گزری تھی اور اس میں آذر کیوان کا سالِ وفات ۱۰۲۷ھ مرقوم ہے، وقتِ تحریر ممکن ہے کہ سنہ یاد نہ ہو، مگر یہ متیقن ہے کہ وہ اسے قدما میں نہیں سمجھتے تھے، لیکن قلم سے الفاظ ایسے نکلے کہ وہ

رودکی سے بھی زماناً مقدم ہو گیا، جس کا زمانہ خود ان کے قول کے مطابق مأۃ ثالثہ ہے۔ (لطائفِ غیبی لطیفہ ۱۱)

(۱۹) قاطع برہان کی اشاعتِ اول میں غالب نے برہانِ قاطع منطبعہ کا ذکر کیا ہے؛ مگر صراحت نہیں کی کہ کس مطبع کے چھپے ہوئے نسخے سے بحث ہے۔ اشاعت ثانی میں انھوں نے جس مطبوعہ نسخے کا ذکر کیا اس کے متعلق صراحت کردی کہ مطبع حکیم عبدالمجید کا ہے۔ یہ دیکھ کر میں خود سمجھنے لگا تھا کہ اشاعتِ اوّل کی تحریر کے وقت یہی نسخہ ان کے پیشِ نظر تھا۔ جناب عرشی کے ایک مقالے سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ افضل المطابع کا نسخہ تھا جو غالب کے یہاں سے لوہارو گیا تھا، اور وہاں سے رامپور پہنچا۔ بعد کو رامپور میں یہ نسخہ خود میری نظر سے بھی گزرا۔

(۲۰) قاطع کی اشاعتِ اول کی بحث دیباچہ میں غالب نے لکھا تھا کہ مصححین نے جابجا برہانِ قاطع کے اغلاط حواشی میں دکھائے ہیں، اور یہ سب عربی سے متعلق ہیں۔ اعتراض ہوا کہ مصححین کے اعتراضات دربارۂ فارسی اپنے اعتراضات کی حیثیت سے پیش کیے ہیں تو "ہمہ در اغلاطِ لغاتِ عربی" کو "اکثر در لغاتِ عربی" بنا دیا اور مختلف مقامات میں اس پر اظہارِ مسرت کیا کہ "جلیل القدر" فضلا جو حاشیہ نگار ہیں، میرے ہمخیال ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثریت کا فارسی سے علاقہ ہے، اس لیے اکثر در لغاتِ عربی، بھی غلط ہے۔

(۲۱) لطائفِ غیبی کو حالی نے تصانیفِ غالب میں شمار کیا ہے، اور بعض کے سوا سب کا اس پر اتفاق ہے کہ غالب کا لکھا ہوا ہے، لیکن یہ سیاح کی طرف منسوب ہے۔ لطائفِ غیبی محض رسمی تحریر نہیں، اس میں غالب کی

غیر معتدل مدح اور صاحبِ محرقِ قاطع برہان (= محرق) کی مذمت ہے۔ اس میں خلاف واقعہ یہ لکھا ہے کہ سیاح نے کشمیر و کابل و قندہار کا سفر کیا ہے، حالانکہ اشاعتِ لطائفِ غیبی کے وقت تک سیاح کشمیر نہیں گئے تھے، اور کابل و قندہار تو اس کے بعد بھی نہیں گئے۔ سیاح کی طرف سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن یمین کا سہ بیتی قطعہ جس کا ذکر آچکا ہے، نظر سے گزرا۔ عبدالصمد ایک فرضی شخص کے متعلق بھی فرضی باتیں سیاح کی جانب سے لکھیں۔

(۲۲) سوالات عبدالکریم میں صاحب محرق کی بری طرح تنقیص کی ہے، اس پر اتفاق تھا کہ غالب کے قلم سے ہے، گو منسوب یہ عبدالکریم ہے، لیکن ابھی حال میں ایک مقالہ نگار نے دعویٰ کیا ہے کہ عبدالکریم ٹونکی کا لکھا ہوا ہے، اس دعوی کی بنیاد اتنی کمزور ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے آخر میں ایک استفتا ہے اور مجیبوں میں غالب بھی ہیں، یہ ثابت ہے کہ یہ استفتا خود غالب نے بعض اصحاب کو بھیجا تھا۔ ایک "نہایت راست گفتار" شخص کے لیے یہ زیبا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

(۲۳) غالب نے اپنے متعدد قصائد کے ممدوحین کو بدل دیا ہے: اور ان میں سے بعض کے زمانۂ تصنیف کے متعلق غلط اطلاع دی ہے۔ اس قسم کے منظومات کی بحث الگ آئے گی۔

(۲۴) غالب نے عمر بھر میں پہلی بار قاطع برہان میں اپنے ایرانی استاد کا ذکر کیا، اور بہت سی باتیں اس کی زبانی لکھیں، یہ یا تو محض بے بنیاد ہیں یا غلط۔ لطف یہ کہ بقول حالی خود مقر تھے کہ لوگ مجھے بے استاد کہتے تھے میں نے ایک فرضی استاد گڑھ لیا۔ اس کے لیے میرا مقالہ متعلق عبدالصمد جو احوال غالب میں شامل ہے دیکھا جائے۔

(۲۵) غالب نے پہلے اپنے کو ترک ایبک افراسیابی النسل کہا اور بغیر اس کے کہ اس کی تردید کریں، سلجوقیوں کی ہمگوہری کا دعویٰ کیا، اس کے بعد اپنے کو سلجوقی کہا؛ اور بالآخر سنجر و برکیارق کی اولاد ہونے کے مدعی ہوئے۔ غالب نے بتایا ہے کہ ایبک ترکوں کا ایک قبیلہ تھا۔ اور حالی نے نیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہند میں فارسی شاعری کا آغاز ایک ترک لاچین امیر خسرو سے ہوا، اور خاتمہ ایک ترک ایبک غالب پر ہوا، مگر غالب و نیر و حالی یہ سب اس سے بیخبر ہیں کہ اس نام کا کوئی قبیلہ تھا ہی نہیں۔ ہمگوہری سے اس کا انکار لازم آتا ہے کہ سلجوقی تھے، اور سلجوقی نہ تھے، تو سنجر و برکیارق کی نسل سے بھی نہ تھے؛ مزید یہ کہ یہ دونوں ملک شاہ کے بیٹے ہیں، ان دونوں کی اولاد سے ہونا کیا معنی؟ ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے اس خیال سے مجھے اتفاق ہے کہ غالب اوزبک تھے۔ ہند میں اس کے ساتھ خوشگوار تصورات وابستہ نہیں؛ ذہن ایبک کی طرف گیا، جو اور کچھ نہیں تو اس کا قافیہ ہو سکتا تھا۔

(۲۶) غالب نے اپنے دادا کے متعلق لکھا ہے کہ معین الملک کے عہد میں ہند آئے، اور یہ بھی کہ شاہ عالم کے زمانے میں آنا ہوا، دونوں باتیں صحیح نہیں ہو سکتیں۔

(۲۶) قاطع برہان اشاعت ۱ و ۲ "یکصد و چند لغت ہمہ از ہفت .. مرکب ساخت .. مرا سرکنایہ از ہفت سپہر و ہفت ستارہ و ہفت پردۂ چشم و ہفت کشور، کمتر معقول و بیشتر نامعقول" تیغ تیز "مولوی جی .. نظائر کا حوالہ دے کر ہفت، کشور وغیرہ کی صحت میں غلو کرتے ہیں .. غالب نے ان الفاظ کو کب غلط لکھا ہے جو تم ان کی صحت کے گواہ گزرانتے ہو؟ ایک لفظ

ہے سو لغت بنانے کا عذر کہاں، بس لکھ دیا کہ "عبارت دانای تبریز ہمہ معقولست و قول معترض نا مقبول" کمتر معقول و بیشتر نا معقول" کہا جائے تو بھد ذہنی ضروری ہو جاتی ہے، اس پر اعتراض نا معقول ہے - یہ اعتراض عجیب ہے کہ سو لغت بنائے؛ یکصد و چند کیا معنی ہزار ایک سے ہزار لغت بن سکتے ہیں، سوال غلط یا صحیح ہونے کا ہے اور غالب نے کسی ایک کو بھی غلط ثابت نہیں کیا۔ "یکصد و چند" میں مبالغہ ہے، لغات زیر بحث کم و بیش ۶۰ ہیں۔

(۲۷) قاطع برہان اشاعت ۲ "در برہان قاطع.. در معرض بیان ہای ہوز با فای سعفص صد لغت رقم کرد، و باز در ملحقات ہمان صد لغت باز آورد" تیغ تیز (ان مرکبات کے بارے میں جن کا ایک جز ہفت ہے) دوبارہ ملحقات میں انھیں سو لغت کے لکھنے کا تو مولوی جی جواب دیں۔ "در برہان.. آورد" کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ فصل ہا مع الفا میں سو لغت ہیں اور یہی ملحقات میں ہیں، حالانکہ مانی الضمیر کچھ اور ہے۔ اس جگہ تعداد بھی 'یکصد و چند' کی جگہ یکصد ہو گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملحقات میں ایسے مرکب جن کا ایک جز 'ہفت' ہے صرف ۲ ہیں، 'ہفت خم اور ہفت کہلہ' اور یہ دونوں صرف ملحقات میں ہیں: ہفت خم = ہفت آسمان، ہفت کہلہ = یار و مصاحب کہنہ و کتاب کہنہ و شراب کہنہ و جام کہنہ و شمشیر کہنہ و چینی کہنہ" یار وغیرہ وہ معانی نہیں جو قاطع میں زیر بحث ہیں۔

(۲۸) تیغ تیز ہفت بالفتح ایک لفظ ہے ثنائی؛ اس میں سے ایک سو کئی لغت پیدا کیے.. برہان قاطع میں بھی لکھے اور پھر.. ملحقات میں بھی رقم

فرمائیے۔ مولوی .. اس لفظ کے باب میں ایک صفحہ پورا سیاہ کرتے ہیں
ہف صرف برہان قاطع میں ہے ملحقات میں نہیں، اس سے کوئی مرکب
نہیں پیدا ہوا، موید برہان میں ایک صفحہ نہیں' اس کا بہت مختصر حصہ
ایک یا دو سطریں اس کے بارے میں ہیں۔

(۲۹) قاطع پہلی بار چھپی تو غالب پر بہت لے دے ہوئی، غالب نے
اشاعتِ ثانی میں ایک نیا دیباچہ بڑھایا جس میں مخالفین کی توہین اور
اپنی ستائش کے بعد فخریہ کہا " حاشا کہ در ہیچ محل از عقیدۂ خویش رجوع
کردہ باشم" لیکن آویزہ و افسوس کے متعلق سیاح کی زبان سے اپنی غلطی
کا اعتراف کر چکے تھے، اور نامۂ غالب میں بھی ان کے قلم سے نکل چکا
"آویزہ و افسوس کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اُس
اقرار اور .. میانداد خاں (سیاح) شرمسار ہے" دونوں اشاعتوں کے
مقابلے سے واضح ہے کہ نہ صرف ان دونوں بلکہ بعض دیگر لغات کے
متعلق بھی انھوں نے رای بدلی تھی۔ وہ غلطی کی اہمیت کم کرنے کے لیے
کس قدر اہتمام کرتے ہیں اس کا اندازہ لطائفِ غیبی کی بحث افسوس و فسوس
کے دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔

(۳۰) غالب نے نہ قاطع برہان میں نہ اس کے قبل کبھی یہ لکھا کہ فارسی
لغات کی کتابیں ہندوستانیوں کے سوا کسی نے نہیں لکھیں، بلکہ انھوں نے
قاطع کی اشاعت ا میں فرہنگوں سے استناد کیا ہے' اور متعلقہ عبارات
قاطع اشاعت ۲ میں بھی ہیں، لیکن جب فرہنگوں کی مدد سے ان کے
اعتراضات کی تردید ہونے لگی تو انھوں نے یہ دعویٰ کیا۔ اسدی و قطران
کی فرہنگوں اور بہت سی دوسری ایرانیوں کی لکھی ہوئی فرہنگوں کے نام

مقدمۂ فرہنگ جہانگیری میں ہیں؛ اور مویدِ برہان میں بھی ان کا ذکر ہے۔
غالب نے تیغ تیز میں اوروں سے تو یکقلم قطع نظر کی، ان دونوں کی بحث چھیڑی، مگر بحث میں قطران کو یکسر قلم انداز کیا، اور فرہنگِ اسدی کے وجود سے اس بنا پر انکار کیا کہ فارسی زبان میں لغات کے اشکال و معانی میں اختلافات پائے جاتے ہیں، اگر اسدی کی فرہنگ ہوتی، تو یہ صورتِ حال نہ ہوتی، "لیس فلیس" اظہار رائے بیکار ہے۔ غالب کے ہاتھ کی تحریر دل میں جو قاطع کی اشاعتِ اول کے انطباع کے بعد کی ہے، سروری واوحدی مولفین فرہنگہای فارسی کے ایرانی ہونے کا انکار ہے، مگر یہ تحریریں شائع نہیں ہوئیں۔ ان دونوں کے ایرانی ہونے میں مطلقاً شک کی گنجایش نہیں۔

(۳۱) قاطع کی بحث آذر میں ہے کہ فارسی میں حروف "قریب المخرج" نہیں، لیکن بحث راستاد میں ہے "در دو حرف قریب المخرج بر افکندن احد المتجانسین رسم است"

(۳۲) برہان قاطع کے مقدمے میں ہے کہ مولف کو دعوای تحقیق نہیں، اس نے اسناد طول سے بچنے کے لیے ترک کیے؛ قاطع میں اس پر سخت اعتراض ہے کہ سندیں نہیں دیں۔ مگر خود قاطع میں جہاں برہان قاطع پر اعتراض کیے ہیں، سندیں برای نام ہیں، اور بعض ہندوستانی فرہنگوں سے بھی استناد ہے، بعد کو اپنے مخالفین پر اس کے لیے معترض بھی ہوئے۔ اس کے باوجود، سوالات عبدالکریم و تیغ تیز میں جو استفتا ہیں، ان میں بجز ایک ایرانی بھی نہیں، سب ہندوستانی ہیں۔ اور اس کی قباحت غالب کو نظر نہیں آتی۔

(۳۳) تومن کی جمع تومنات ہے، تومن بقول بعض ترکی ہے (برہان قاطع)۔

"مگر در گمان جامع عربیت کہ جمع آن تومنات آورد" (قاطع)۔ فارسی میں بکثرت فارسی، ترکی مغلی الفاظ کی جمع مستند ایرانیوں کے یہاں ات کے ساتھ آئی ہے، انصاف پسند شخص اس بنا پر کہ برہان قاطع میں اس کی جمع تومنات درج ہے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ "درگمان جامع عربیت"

(۳۳) عبارت برہان قاطع "بازی چہارمست از جملہ ہفت بازی نرد کہ آن فارد، زیاد، ستادہ، خانہ گیر، طویل، ہزاران، منصوبہ باشد" (متعلق خانہ گیر)۔ اس فرہنگ کی بحث ہزار و ہزاراں میں صراحتہً مرقوم ہے کہ بازی چہارم نرد کو کہتے ہیں۔ عبارت قاطع "صاحب برہان قاطع در شرح لفظ خانہ گیر میفرماید کہ" آن فارد... منصوبہ باشد، کیست"؛ معنی این فقرہ را خاطر نشان من کند؟" ہفت بازی نرد" ہو اور اس کے بعد سات ہی نام، تو پھر سمجھ میں نہ آنے کی کیا بات ہے؟ ایسا ہی شک ہو تو ہزاراں کی بحث اسے دور کر سکتی تھی۔ غالب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ ہزاراں نہیں، ہزار چاہیے۔ ان کے مخالفین نے ہزاراں کی سند پیش کی ہے مگر غالب نے اعتراض واپس نہیں لیا۔

(۳۴) غالب نے برہان پر اعتراض کیا تھا کہ اس نے آہنگیدن کا ماضی آہنگ لکھا ہے، موید برہان میں ہے کہ اگر واقعی برہان نے یہ لکھا ہے تو غلط ہے۔ غالب تیغ تیز میں فرماتے ہیں کہ صاحب موید برہان نے دو صفحے سیاہ کیے مگر میرے فقرے (آہنگ کے ماضی ہونے سے متعلق) کا جواب کہاں؟ جواب موید برہان میں موجود ہے۔

(۳۵) یادگارِ غالب کی ایک بحث کا عنوان 'محققانہ نظر' ہے جس میں حزیں کے شعر ذیل میں، باوجود اس کے کہ غالب حزیں کو "بہت بڑا استاد" جانتے تھے،

ایک "ہنوز" کو "زائد اور بیہودہ" قرار دینے پر داد دی ہے۔

"زترکتازی آن نازنین سوار ہنوز زسبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز"

ظاہراً کسی شخص نے یہ شعر لکھ بھیجا تھا، ہنوز کا دوبارہ آنا ایسی غلطی ہے جو مبتدی سے بھی نہیں ہونی چاہیے، غالب کو شعر کی وہ شکل جو پیش کی گئی تھی قبول کرکے اسے موردِ اعتراض بنانے سے قبل یہ دیکھ لینا تھا کہ واقعی حزیں نے اس طرح لکھا ہے یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ۲ مختلف اشعار کے دو مصرعے ہیں، زسبزہ الخ مقطع کا مصرع آخر ہے، اور اس کا پیش مصرع یہ ہے "تیغبازی چشمی مراز خاک حزیں" واضح رہے کہ حزیں غالب کے نزدیک اتنے بڑے شاعر ہیں کہ انھوں نے آرزو وغیرہ کو ملامت کی ہے کہ وہ ان پر معترض ہوئے، بغیر اس کے کہ کسی ایک اعتراض کو بھی غلط ثابت کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔

(۳۶) غالب نے یہ لکھنے کے باوجود کہ ترک و مغل مختلف ہیں، اور انھیں ایک سمجھنے والا خرد سے بیگانہ ہے، اپنے کو مغل بچہ کہا ہے۔

(۳۷) غالب نے اپنی تاریخِ ولادت ۸ رجب ۱۲۱۲ھ لکھی ہے؛ لیکن انھوں نے اپنے کلیاتِ فارسی میں اپنا جو زائچہ دیا ہے اس کے مطابق ۸ رجب ۱۲۱۱ھ مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ء ہے جناب سید محمد حسین رضوی نے اپنے مقالے میں دکھایا ہے کہ زائچہ صحیح ہے تو کوئی دوسری تاریخ ممکن نہیں۔ جناب مالک رام، زائچے کو ناقابلِ اعتنا قرار دیتے ہیں، جناب عرشی نے غالباً مقالۂ مذکور کی اشاعت سے قبل یہ رائے قائم کی تھی کہ صحیح ۸ ار رجب ۱۲۱۲ھ۔

۱۔ غالب کی کل نظم و نثر ہمارے سامنے نہیں آئی، کچھ چیزیں امید ہے کہ آیندہ ملیں، کچھ اندیشہ ہے کہ ضائع ہو گئیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض

منظومات جنھیں ہم ناپید سمجھتے ہیں، بدلے ہوئے روپ میں ہمارے پیشِ نظر ہوں۔ ذیل میں ایک نامکمل فہرست ایسی نظم و نثر کی پیش کی جاتی ہے جس کے متعلق ثبوت موجود ہے کہ معرضِ تحریر میں آئی تھی، مگر اب تک منظرِ عام پر نہیں آئی: (۱) بانک کے بارے میں ایک فارسی رسالہ جس کا ذکر باغ دودر کے ایک خط میں ہے (۲) ایک ناتمام اردو قصے کے چند اجزا بروایت حالی، غالب کے بعض خطوط میں ہے کہ ریڈ صاحب کی فرمایش ہے کہ اردو میں ایک قصہ لکھوں (۳) بیان متعلق زبان اردو جو محکمۂ تعلیم کے ڈائرکٹر کی فرمایش سے وجود میں آیا تھا، اس کا ذکر بعض خطوط اور جلوۂ خضر میں ہے (۴) 'سنین فارسی' کے متعلق 'دو ورقہ' جو غالب نے خلیفہ احمد علی احمد کو بھیجا تھا (مکاتیب غالب) (۵) خطوط بنام باقر (مقدمۂ دیوان باقر) (۶) مجموعۂ خطوط بنام سخن دہلوی جو ابو الکلام آزاد کی نظر سے گزرا تھا (۷) قصیدہ جو دورانِ ہنگامۂ ۵۷ء میں غالب نے دربار بہادر شاہ میں پڑھا تھا، انگریزوں کے ایک طرفدار کے بیان کے مطابق، غالب اس سے منکر ہوں گے، میری رائے میں بالکل قرینِ قیاس ہے کہ اس زمانے میں بطور تہنیت کچھ کہہ کر سنایا ہو (۸) احمد بخش خاں، امراؤ بیگم، ذوالفقار بہادر اور ان کے حلقے کے اشخاص کے نام کے خطوط، یہ ثابت کہ ان لوگوں کو خطوط لکھے تھے، مگر ان کے نام کا ایک خط بھی اس وقت تک نہیں ملا۔ ایسے لوگ اور بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے نام کے خطوط بھی ناپید ہیں، جن سے اس قسم کے تعلق کا اب تک ذکر نہیں آیا۔ (۹) کچھ لوگوں کے نام کے خطوط ملتے ہیں، لیکن یہ ثابت ہے کہ ایسے کل خطوط ہمارے سامنے نہیں، یہ لوگ فضلِ حق، جانی بانکے لال

وغیرہ ہیں۔ اس گروہ کے نام کے ایسے خطوط بھی ناپید ہوں گے جن کے وجود کا ثبوت موجود نہیں (۱۰) قطعہ جو قطب الدولہ کو بھیجا گیا تھا۔ (باغ دودر)

۲۔ مجعولات کی نامکمل فہرست (۱) بیاضوں کے حوالے سے آسی کی پیش کردہ غزلیں (مقالۂ جناب جلیل قدوائی) (۲) نادر خطوط مرتبۂ رسا ہمدانی کے خطوط اسمی کرامت حسین (مقالات جناب مالک رام و قاضی عبدالودود) (۳) خط اسمی شوخی رامپوری پیش کردۂ رسا ہمدانی (ماہنامہ ندیم گیا) (۴) دیوانِ سخن میں جو تحریر منسوب بہ غالب ہے۔ اسلوب کی شہادت سے قطع نظر، غالب سخن سے شخص کی اس طرح تعریف نہیں کرسکتے جیسی اس تحریر میں ہے۔ (۶[1]) میں جس مجموعے کا ذکر ہے اگر وہ مل گیا تو اس میں جعلی خط کا نہ ہونا باعثِ تعجب ہوگا (۵) خط اسمی شاد عظیم آبادی، اس صدی کے اوائل میں ایک ماہنامے نے شائع کیا تھا، اس کی فارسی غالب کی فارسی نہیں (۱) خط اسمی صفیر بلگرامی جس میں سروشِ سخن کا ذکر ہے میں نے اپنے مقالے (۲[2]) میں اس سے بحث کی تھی اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ جعلی ہے مگر صفیر کے زمانے کا خط نہیں، بعد کو ثابت ہوا کہ یہ خط خود صفیر نے پیش کیا تھا۔

۳۔ غالب نے لطائفِ غیبی بنام سیاح لکھی، حالی نے اس کا شمار تصانیف غالب میں کیا ہے۔ سوالات عبدالکریم کے متعلق یہ خیال کہ یہ عبدالکریم ٹونکی کا لکھا ہوا ہے، ناقابلِ قبول ہے، خود غالب اس کے مصنف ہیں۔ غالب نے بہادر شاہ کی طرف سے ایک فارسی مثنوی لکھی تھی جس میں تشیع سے انکار تھا۔ اسعد الاخبار میں پنج آہنگ طبعِ اول کا منظوم

---

[1] مجموعہ خطوط بنام سخن دہلوی جو ابوالکلام آزاد کی نظر سے گزرا تھا۔ [2] مقالے متعلق نادر خطوط غالب۔

اشتہار چھپا تھا۔ یہ حکیم غلام نجف خاں کے نام سے تھا، لیکن قرینہ ہے کہ خود غالب کا لکھا ہوا تھا۔ پنج آہنگ و اردوئے معلّٰی میں بعض خطوط ہیں جو غالب نے دوسروں کی طرف سے لکھے تھے، ان مجموعوں میں ان خطوط کا شمول غالب کی مرضی سے ہوا ہوگا، مآثر غالب کے ایک خط میں اس قسم کا خط شامل ہے۔ ناظم کے دیوان میں غالب کا کلام معتدبہ مقدار میں ہوگا۔ ثاقب مرتب مکاتیب امیر مینائی کا قول ہے کہ انھوں نے حالی سے سنا تھا کہ مطلعِ ذیل غالب نے ناظم کو دیا تھا، لیکن ناظم کے یہاں نہیں ملتا:

خوشی جینے کی کیا مرنے کا غم کیا ہماری زندگی کیا اور ہم کیا

دیگر تلامذہ کو بھی غالب نے شعر دیے ہونگے۔

۴ـ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری بڑی شد و مد سے اس کے منکر تھے کہ 'تکیہ' غزل والی ردیف غالب کی نہیں، مگر مقالۂ ڈاکٹر وحید قریشی سے اس کا طبعزاد غالب ہونا ثابت ہے۔ دیوان معروف میں غالب کی ایک غزل (ردیف کہوں یا نہ کہوں) کا خمسہ ہے، بعض اصحاب بلا وجہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غزل کسی دوسرے شخص کی ہے۔ قادر نامہ بے شبہ غالب کا ہے، اس سے بھی بعض اصحاب نے انکار کیا ہے۔

۵ـ بروزِ حشر الٰہی چو نامۂ عملم کنند باز کہ آن روز باز خواہ من است
بکن مقابلہ آن راز سرِ نوشت ازل اگر زیادہ وکم باشد آن گناہ من است

کلیات، سبد چیں طبع اول، باغ دودر میں نہیں ہے، سبد چیں مرتبۂ جناب مالک رام میں بحوالۂ تذکرۂ خوشیہ درج ہے، بعض اصحاب نے اسے مہ لقا حیدر آبادی سے منسوب کیا ہے، تذکرۂ مخزن الغرائب (نسخۂ کتبخانۂ خدا بخش)

بنام توفیق کشمیری'، یہ قطعہ ان دونوں میں سے کسی کا ہو یا نہ ہو، تذکرۂ مذکور کے زمانۂ تصنیف کے پیشِ نظر غالب کا نہیں ہو سکتا۔' کا امتیاز' ردیف کی غزل علیگڑھ میگزین کے غالب نمبر مرتبۂ ڈاکٹر مختارالدین احمد میں بنام غالب اکبر آبادی درج ہے، لیکن غزل اسی تخلص کے ایک دوسرے شاعر کی ہے۔ لطائفِ غیبی مصنفۂ انتظام اللہ شہابی میں جو اشعار منسوب بہ غالب ہیں، اور دیوان غالب یا کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں، غالب کے نہیں۔

۶۔ مجھے یاد آتا ہے کہ کسی نے غالب کا شعرِ ذیل میر کی طرف منسوب کیا ہے۔

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا[۱]

۷۔ غالب کے متعدد قصیدے اوّلاً کسی کی مدح میں تھے، بعد کو تدرے تغیر کے ساتھ، ممدوح دوسرا ہو گیا، مثلاً:
کلیات کا وہ قصیدہ جس کی ردیف رفتم ہے اور جس کے قوافی پریشاں، حیراں وغیرہ ہیں، نصیرالدین حیدر اور ان کے وزیر روشن الدولہ کی مدح میں ہے، لیکن 'نامہ ہای فارسی کے ایک خط اسمی محمد علی خاں میں ہے کہ مدح معتمدالدولہ کا قصیدہ آپ کے پاس ہے (غالباً اس میں نصیرالدین حیدر کی بھی مدح ہو گی)' یہ میرے خاندان کے واسطے باعثِ ننگ ہے، بزرگ خود کی غلطی کی پردہ پوشی کرتے ہیں، جب تک میں اس قصیدے میں ترمیم نہ کر لوں، اسے کسی کو نہ دکھائیں، میں چاہتا ہوں کہ اسے ہمایوں جاہ نواب مرشد آباد کو پیش کروں۔ ظاہرا اس کی کوئی صورت نہ نکلی،

---

[۱] 'بھی تھا' ردیف والی غزل کا ایک شعر فرہنگ آصفیہ میں مصحفی کے نام درج ہے۔ غالب کے دیوان اردو کے قدیم ترین نسخے کی ایک غزل "دل بیتاب کے سینے میں دم چند رہا الخ" تذکرۂ گلشن ہمیشہ بہار و گلشن بیخار سے مؤخر میں میرامانی اسد کی طرف منسوب ہے۔

اور بعد کو ترمیم کے ساتھ، یہ قصیدہ اس شکل میں آگیا جو کلیات میں ہے۔
کلیات کا ایک، قصیدہ مدح "سر چارلس تھیافلس مٹکف" میں ہے، مصرع اوّل "یافت آیینۂ بختِ تو ز دولت پرداز" نامہ ہای فارسی کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاکنس رزیڈنٹ دہلی کی مدح میں لکھا گیا تھا۔ بعد کو جب اس نے پنشن والے مقدمے میں غالب کے خلاف رپورٹ بھیجی، اور یہ تحریک کی کہ جھوٹا الزام لگانے اور فضول مقدمہ دائر کرنے کی انھیں سزا دی جائے، تو غالب اس سے متنفر ہو گئے؛ کلیات کا ایک قطعہ ہے جس کا مصرع اوّل یہ ہے " ایا ستمزدہ غالب ز ہاکنس مسگال"
کلیات کا ایک قصیدہ وزیر محمد خاں والی ٹونک کی مدح میں ہے، لیکن بعض قلمی نسخ اس پر مشعر ہیں کہ نواب رفیع الدین خاں بہادر مخاطب بہ شمس الامراء کی مدح میں تھا، نسخۂ پٹنہ (سال اتمام کتابت ۱۲۵۷ھ کا ایک شعر ہے)

شمس الامرا کز اثر نسبت نامت   خور قبلہ بُد اورنگ نشینانِ عجم را

کلیاتِ مطبوعہ کا ایک قصیدہ مدح ملکہ وکٹوریا کا ہے جس کی بیتِ اول یہ ہے:

در روزگارہا نتواند شمار یافت   خود روزگار انچہ درین روزگار یافت

یہ دستنبو طبع اول میں بھی شامل ہے؛ اور جس زمانے میں یہ رسالہ چھپ رہا تھا یا اس کی طباعت کا آگرہ میں نظم ہو رہا تھا غالب نے لکھا تھا کہ ان دنوں ایک قصیدہ مدح ملکہ میں موزوں ہوا ہے، اسے دستنبو کے ساتھ چھپنا چاہیے۔ یہ قصیدہ جیسا کہ بعض مجموعۂ اشعار غالب سے ثابت ہے، انطباعِ دستنبو سے کئی سال قبل اس موقع پر کہا گیا تھا جب بہادر شاہ نے ایک سخت مرض میں مبتلا ہو کر غسلِ صحت کیا تھا۔

کلیات کا ایک قصیدہ مدح مہاراجہ الور میں ہے، مصرعِ اول "گرد آورد بشکل فرس بادرا بہار" یہ دراصل لارڈ ہارڈنگ کی آمد دہلی کے موقع پر کہا گیا تھا۔

کلیات کا قصیدۂ مدح وکٹوریا "شکر کہ آشوب برف و باد سر آمد الخ" اصل میں مرزا غلام فخر الدین ولیعہد بہادر شاہ کی ستائش میں تھا۔

ان قصیدوں کے متعلق تو ثابت ہے کہ ان کے اولین ممدوح وہ نہیں جو کلیاتِ مطبوعہ میں نظر آتے ہیں، بخوبی ممکن ہے کہ ایسے اور قصائد بھی ہوں ۔۔ باغ دودر کے ایک خط میں ہے کہ امجد علی شاہ کی مدح کا قصیدہ کلیات میں ہے جو دور دور پہنچ چکا ہے اور لوگوں کی نظر سے گزر چکا ہے، یہ ننگ کس طرح گوارا کروں کہ اس کا ممدوح بدل دوں، یہ دولتِ دنیا نہیں جو میری دسترس سے باہر ہے، یہ شعر ہے جو "گنج در گنج" مجھے مبدءِ فیاض سے ملا ہے، دوسرا قصیدہ لکھوں گا، مگر کوئی قصیدہ اگر کسی ایک شخص کے نام طبع نہیں ہوا، اس سے قطع نظر کہ کسی خطی نسخے میں وہ کس طور پر ہے، انھیں اسے کسی اور کے نام کر دینے میں تامل نہ تھا۔ صرف ایک قصیدہ ہے جس کی نسبت ان کا صریح اعتراف موجود ہے کہ پہلا ممدوح کوئی اور شخص تھا۔ ایک خط میں یوسف مرزا کو لکھتے ہیں "جہاں پناہ (واجد علی شاہ) کی مدح کی فکر نہ کر سکا، یہ قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزرا نہ تھا، میں نے اسی میں امجد علی شاہ (پدر واجد علی شاہ) کی جگہ واجد علی شاہ کو بٹھا دیا، خدا نے بھی تو یہی کیا تھا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے ۔۔ میں نے اگر باپ کا قصیدہ بیٹے کے نام کر دیا تو کیا غضب ہوا۔ پھر کیسی حالت اور کیسی مصیبت میں" یہ معلوم نہیں کہ یہ کونسا

قصیدہ ہے، غالب نے قطب الدولہ کی وساطت سے جو قصیدہ بھیجا تھا اس کی ردیف اس سے قطع نظر کہ ممدوحین کے بدل جانے سے قصیدوں میں ترمیم کرنی پڑی ہے، ان کے منظومات میں اور وجوہ سے بھی تغیر ہوتا رہا ہے مثلاً وہ مثنوی جو کلیات میں بادِ مخالف کے نام سے مندرج ہے، اس کا اصلی نام آشتی نامہ تھا، اور اس کی وہ روایت جو کلکتہ میں پیش ہوئی تھی، کلیات کی روایت سے بہت مختلف ہے، اختلافات سے مفصل بحث میں نے اپنے ایک مقالے میں کی تھی جو مسلم ریسرچ ایسوسی ایشن میسلنی میں شائع ہوا تھا۔ پہلی روایت میں بھی ایسے اشعار تھے، جو اس شخص کی زبان سے جو مخالفین کی دلجوئی چاہتا ہو، مناسب نہ تھے، لیکن روایتِ آخر میں تو مخالفت اور نمایاں ہو گئی ہے۔

غالب نے لکھنؤ میں ایک غزل کہی تھی، ردیف کو، قوافی، ہم، سم وغیرہ، اس میں معتمد الدولہ کا نام آیا تھا، مروجہ دیوان سے وہ شعر ہی نکال دیا گیا جس میں نام تھا۔ ابھی چند ماہ ہوئے غالب کے دیوان اردو کا ایک نسخہ دستیاب ہوا ہے جو نسخۂ بھوپال سے بھی قدیم تر ہے۔ اس کے متعلق جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ اس پر مشعر ہیں کہ نسخۂ امروہہ و نسخۂ بھوپال کا مشترک کلام لازماً ایک طور پر نہیں۔

۸۔ غالب کے بہت سے اصلی خطوط موجود ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے متن میں شبہے کی گنجایش نہیں، ممکن ہے کہ تلاش سے اور اصلی خطوط ملیں، مکاتیب غالب کے خطوط کا متن اصلی خطوط پر مبنی ہے، آثرِ غالب، متفرقات غالب، نامہ ہای فارسی کا متن قلمی مجموعوں کے جو مختلف بنا پر ہے اشخاص نے اپنے اپنے طور پر مرتب کیے تھے؛ اغلاطِ کتابت

سے تو یہ بری نہیں، لیکن اس کا احتمال کم ہے کہ ان میں تصرف ہوا ہو۔ پنج آہنگ، عود ہندی، اردوی معلیٰ کا متن چنداں قابلِ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ مکتوب الیہوں سے وقتِ ترتیب کچھ اصلی خطوط ملے ہوں، مگر قرینہ ہے کہ زیادہ تر نقلیں ملی ہوں گی، جن میں مکتوب الیہوں نے بمصلحت تصرف کیا ہوگا۔ غالب جن خطوط کی اشاعت کے خود ذمہ دار ہیں، ان میں مختلف قسم کے تصرفات ہو سکتے ہیں، اس کا ثبوت موجود ہے کہ چند خطوط میں عبارتیں محض انشا کو بہتر بنانے کے لیے بدلیں، عدد اور نام بدلے، عبارتیں بمصلحت یا محض اس وجہ سے کہ بیکار نظر آئیں، نکال دیں، خطوط میں اضافہ بھی کیا ہو تو عجب نہیں۔ انتخاب غالب میں جو خطوط ہیں ان میں تصرف کے صرف غالب ذمہ دار ہیں۔ ناقلین اور کارکنانِ مطابع کی سہل انگاری سے بھی پنج آہنگ، عود ہندی اور اردوی معلیٰ کے متن میں غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ غالب کے تصرفات کا اندازہ اس مقالے سے ہو سکتا ہے جو جناب عرشی نے اس موضوع پر لکھا تھا۔ ذیل کی مثالیں اس مقالے میں نہیں۔ پنج آہنگ و نامہ ہای فارسی کے مشترک خطوط کی عبارات ذیل مقدم الذکر میں نہیں ہیں

(۱) "مرگ نواب (احمد بخش خان) بہادر بسمع اقدس رسیدہ باشد.. ہر چند انعدام پیکرِ عنصری نواب نفس (مقدمہ را) چنانکہ سود ندارد، زیان ہم ندارد، اما از خود رفتۂ این دو کیفیت باشم، یکی آنکہ بیمی کہ در مستقبل داشتم ہم ایدون حالی گشت، یعنی دست بگدایی پیشِ برادران دراز کردن، دیگر آنکہ مسرتی کہ بعد از فتح متصور بود، باطل شد، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن و در انجمنہا بدان ناز کردن.. بندۂ تازہ خرید

جناب را در فضای سخن دو لغزش واقعه گشته، یکی اینکہ غزلی کہ از بنارس فرستادم و مطلع آن اینست

ای بصدمۂ آہی در دلت زما یاری این قدر گران نبود نالۂ زبیماری

امید کہ جناب نیز مطلع مذکور را محو فرمودہ این مطلع را بدل ما تخلل آن دو مصرع سازند" (اس کے بعد کئی سطور جن میں یہ مطلب کہ قصیدۂ مدح آغا میر آپ کے پاس ہے جب تک اس میں ترمیم نہ ہوجائے کسی کو نہ دکھائیں) (۲) "بخدمت جناب شاہ غلام زکریا صاحب وخانصاحب عمیم الاحسان انعام احمد خاں صاحب و جناب محمد صالح علی خان المشتہر بہ مرزائی صاحب سلامہای نیاز افشان اشتیاقہا دید رفتہ باد" پنج آہنگ کے خط میں مکان کلکتہ کا کرایہ ۱۰ روپیہ، یہی خط نامہ ہای فارسی میں بھی ہے، اور اس میں کرایہ ۶ روپیہ ہے۔

۹ غالب کے بعض خطوط کے مکتوب الیہ بدل گئے ہیں، اس کا ذکر تبصرۂ خطوط غالب مرتبۂ مہیش پرشاد میں ہے جو معاصر پٹنہ میں شائع ہوا تھا۔ 'غالب کی نئی تحریریں' کے مرتب نے ایک خط کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عبدالحق خیرآبادی کے نام کا ہے، ممکن ہے مکتوب الیہ کا نام عبدالحق ہی ہو، لیکن یہ عبدالحق خیرآبادی کے نام کا نہیں ہوسکتا۔ اس خط میں 'جناب عالی' کہہ کر مخاطب کیا ہے اور اس خط کا تعلق جواں بخت کی شادی کے رقعے سے ہے۔

۱۰ بکثرت خطوط ایسے ہیں کہ ان کے زمانۂ کتابت کی اس طرح تعیین کہ تاریخ و ماہ و سنہ سب معلوم ہوجائے ناممکن یا دشوار ہے۔ خطوط میں غلط تاریخیں بھی درج ہیں۔ اور قیاسی تعیین میں بھی غلطیاں ہوئی ہیں۔

میں نے تبصرۂ خطوط غالب، مرتبۂ مہیش پرشاد میں ان امور سے بحث کی ہے۔

۱۱ خطوط میں بہت سے اشخاص کے نام مکمل یا نامکمل ہیں، اور خطوط میں جو کچھ ہے، اس کے علاوہ ہمیں ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ بعض کے متعلق اختلاف بھی ہے کہ یہ در اصل کون ہیں، یا جو قیاس آرائی ہوئی ہے، اس کی بنیاد مضبوط نہیں۔ بنارسی جس کا ذکر خط اسمی علائی میں ہے، اور شخص کوئی جس کی طرف خط اسمی تفتہ میں اشارہ ہے، کون ہیں؟ ظفری بیگم صاحب تحقیقنامہ[1] کی رائے میں میکش کی بیبی کا نام ہے، میرے نزدیک وہ اس کی بیٹی ہے۔ باغ دودر میں اکبر علی کا نام آیا ہے، صاحب تحقیقنامہ کہتے ہیں کہ یہ حافظ اکبر علی شیون ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ کیوں۔

۱۲ بہت سی باتیں محض اشاروں میں ہیں، مثلاً علائی کے نام کے ایک خط میں ہے کہ میں نے بنارسی کی حمایت میں گالیاں کھائیں، علائی کسی شخص کو سائیسوں سے پٹوانا چاہتے تھے غالب مانع ہیں، خبر نہیں وہ شخص کون تھا اور علائی کی ناراضی کا کیا سبب تھا۔ مکتوب الیہوں کے خطوط جو انھوں نے غالب کو لکھے تھے مل جائیں تو بہت سی باتیں واضح ہو جائیں، جیسا کہ خطوط مجروح اسمی غالب کے مطالعہ کرنے والے اس سے اتفاق کریں گے۔ ان خطوط کی تلاش جاری رہے۔

۱۳ غالب کے متعدد منظومات ہیں جن کی نسبت کوئی اطلاع انھوں نے نہیں دی کہ کن اصحاب سے ان کا تعلق ہے، آج تک کسی نے اس کے بارے میں قیاس آرائی بھی نہیں کی:

تا بود چار عید در عالم | بر تو یارب خجستہ باد و ہجیر

---

[1] (باغ دودر نوشتۂ مرتب)

عید شوال و عید ذی الحجہ   عید بابا شجاع و عید غدیر

یہ باغ دو درمیں ہے، صرف یہ واضح ہے کہ مبارکباد کسی غالی شیعے کو دی گئی ہے، اور بس۔

اے کہ خواہی کہ بعد ازین باشم   مخلص صادق الولای تو من

نہ بیتی قطعہ جس کی بیت اول اے کہ الخ ہے، کلیات کے نسخ مطبوعہ کے علاوہ قدیم ترین مخطوطات میں بھی ہے، قطعے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تم معشوق، نہ شاعر، نہ بادشاہ، پھر اس کی توقع کیوں ہے کہ جو کچھ گزر چکا ہے (" بعد ازین" سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کوئی ناخوشگوار بات وقوع میں آئی تھی) اس کے بعد بھی میں تمھارا " مخلص صادق الولا" رہونگا۔ تمھارے پاس اگر ہے تو دولت، اور اس نے تمھیں مغرور بنا دیا ہے، میں تمھارا خدا ہوتا تو کبھی تمھیں " زر و سیم" نہ دیتا۔ مخاطب کون ہے، بالکل معلوم نہیں۔

دیدی آن بدگہر و مہر و ولایش بیزید   کہ بخشم آید اگر زشت و پلیدش گوئید

چہار بیتی قطعہ جس کی بیت اول دیدی الخ ہے، کلیات کے کل نسخ میں ہے؛ اور اس کی خبر نہیں کہ اس کا کس شخص سے تعلق ہے۔ پٹنہ کے نسخۂ کلیات میں جس کی کتابت ۱۲۵۴ھ میں تمام ہوئی تھی، ایک اور شعر ہے، جو پڑھا نہیں جاتا۔ اگر اس کے پڑھے جانے کی کوئی صورت نکل سکے، یا یہ شعر کہیں اور مل جائے، تو اس کا امکان ہے کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس قطعے کا سروکار کس شخص سے ہے۔

کردۂ جہدی کہ در ویرانی کاشانہ ام   چرخ در آرایشِ ہنگامۂ عالم نکرد

پنج بیتی قطعہ جس کی بیت اوّل کردۂ الخ ہے، کل نسخ کلیات میں ہے، کسی کی ہجو میں ہے، مگر نہ جانے کس کی ہجو ہے۔

ایا زیان زدہ غالب کہ از حدیقۂ بخت نمی رسد بتو خار و خسی ز ہیچ سبیل

بیت اول قطعہ نہ ہیتی، یہ بنی ہجو ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ کس کی شامت آئی ہے۔

۱۴ بعض منظومات کا جن اصحاب سے تعلق ہے، ان کے نام کلیات میں ہیں، مگر یہ پتا نہیں کہ یہ کون لوگ تھے، مثلاً

کلیات میں میر فضل علی کا قطعۂ تاریخ وفات ہے جو ۱۲۴۷ھ پر مشعر ہے، اس نام کے جو وزیر اودھ ہوئے ہیں ان کا سالِ وفات مختلف ہے۔ مخطوطۂ پٹنہ میں جو اس کا عنوان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعہ حسام الدین حیدر کی فرمائش پر کہا گیا تھا۔ یہ میر فضل علی کون تھے، اس کا پتا نہیں۔

باغِ دودر میں ناظر وحید الدین کی وفات کا قطعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۶۷ھ میں فوت ہوئے تھے۔ باغِ دودر کے مرتب نے تحقیقنامہ میں یہ بتایا ہے کہ یہ وحید الدین احمد خالِ سر سید احمد خاں تھے جو ہنگامہ ۵۷ میں مقتول ہوئے، ظاہر ہے کہ ۱۲۶۷ میں مرنے والا دوبارہ نہیں مر سکتا۔ اس کے سوا کہ وحید الدین ناظر تھے، ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔

بعض منظومات کے متعلق قیاس آرائی ہوئی ہے کہ ان کا کن لوگوں سے تعلق ہے، مگر قیاس کو درجۂ یقین تک پہنچانے کی کوئی صورت اب تک نہیں نکلی، مثلاً

۱۵ کلیات کا قطعہ جس کا مصرع اول یہ ہے "ای کہ در بزمِ شہنشاہِ سخن رس گفتہ" قیاس ہے کہ اس میں ذوق سے خطاب ہے؛ یہ بہت قرینِ قیاس ہے۔

لیکن، کوئی روایت جو اس کی مصدق ہو اب تک نہیں ملی۔

سبدچیں و باغ دودر کا قطعہ ہے جس کی بیت اولی یہ ہے:

روزی زرہ ستم ظریفی بر لاشۂ جعفر چہارم

مرتب باغ دودر نے تحقیقنامہ میں لکھا ہے کہ "جعفر چہارم" سے مراد جعفر بیگ ہے جو غالب کا ملازم تھا، مگر جو دلائل انھوں نے پیش کیے ہیں، وہ اطمینان بخش نہیں۔

۱۶ متعدد منظومات کے متعلق یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کن حالات میں لکھے گئے، مثلاً

جان عزیز است و اہلِ عزت را عزت از جان عزیز تر باشد
خود بفرما چسان تواند زیست ہر کرا ہر دو در خطر باشد

تحقیقنامہ میں ہے کہ اس قطعے کا تعلق غالب کی اسیری سے ہے، مگر اس وقت جان کب خطرے میں تھی؟ نہ جانے غالب کی زندگی کے کس واقعے سے اس کا علاقہ ہے۔ کئی منظومات جن کا اوپر ذکر آچکا ہے اسی قبیل کے ہیں۔

اخبار

پرانے اخباروں سے غالب اور ان کے عہد کے متعلق قابلِ قدر معلومات حاصل ہوتے ہیں، ان میں ایسے منظومات ملتے ہیں جو کہیں اور نظر نہیں آتے، بہت سی نظمیں کلیات میں شمول سے پیشتر اخباروں میں شائع ہوئی تھیں، اور اخباروں میں یہ لازماً بجنسہ اسی طرح نہیں، جس طرح کلیات میں ہیں، بعض منظومات کی شانِ نزول کا علم بھی اخباروں سے ہوتا ہے۔ غالب کا جرمِ قمار بازی میں قید کی سزا سے پہلے ایک بار جرمانے

کی سزا پانا، ایک انگریز سوداگر کا انھیں گرفتار کرانا، غالب کا دفعِ اتہام تشیع کے لیے رباعیاں کہنا (حالی نے لکھا ہے کہ محض بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اور اہلِ دربار کو ہنسانے کے واسطے لکھی تھیں، ورنہ دربار کا ہر متنفس جانتا تھا کہ غالب شیعی یا تفضیلی ہیں، اخبار کچھ اور کہتا ہے۔ ان رباعیوں میں سے صرف ایک یادگارِ غالب میں ہے، ایک اخبار میں کل رباعیاں شائع ہوئی تھیں) غالب کا ایک قطعہ کہ "بحق بادہ چنیں حکم دادہ حاکم شہر الخ" یہ ایک ایرانی وارد دہلی کی ایک رباعی کے جواب میں کہا گیا تھا" یہ سب باتیں صرف اخباروں میں پائی جاتی ہیں۔ پرانے اخباروں کے متعلق قابلِ قدر کام ہوا ہے، مگر ابھی اور کام ہو سکتا ہے:

سرکاری دفتر

ہندوستان، پاکستان اور انگلستان کے سرکاری دفتروں میں جو کاغذات ہیں، ان کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے، ان سے غالب اور ان کے عہد کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہو سکتے ہیں، مگر جناب پرتھوی چندر نے جو کتاب بنام حقِ جاگیرِ غالب ابھی حال میں لکھی ہے، اس میں بعض بہت ہی لغو اور عجیب ہیں، مثلاً:

غالب کے مقدمے پر چیف سکرٹیری کے نوٹ میں یہ شامل ہے کہ نصراللہ خاں (کذا) احمد بخش خاں کے داماد ('SONIN LAN') تھے۔

اس کتاب میں جو غالب کی عرضداشتیں یا رزیڈنٹ وغیرہ کی تحریریں ہیں، ان میں نہ اس کے خلاف درج ہے، نہ اس کے موافق، خود مولف نے اپنے تعارف، میں اسے قبول کیا ہے کہ احمد بخش خاں، نصراللہ بیگ خاں

کے خسر تھے، غالب کی بعض تحریروں میں، جو اس کتاب میں شامل نہیں، صراحتہً مرقوم ہے کہ احمد بخش خاں، نصراللہ بیگ خاں کے نسبتی بھائی تھے، اور کوئی وجہ اسے غلط سمجھنے کی نظر نہیں آتی۔

چیف سکرٹری کے اسی نوٹ میں ہے کہ نصراللہ خاں نے دو بیٹے ("SONS") دادخواہ (یعنی غالب) اور ان کا برادرِ خرد یوسف علی خاں عرف مرزا یوسف، لیکن اسی نوٹ میں اس سے قبل یہ مرقوم ہے کہ اسداللہ خاں اپنے کو نواب نصراللہ بیگ خاں کا بھتیجا کہتا ہے۔ اس چیف سکرٹری کو جو کہیں بیٹا کہتا ہے کہیں بھتیجا (NEPHEW) کوئی کیا کہے؟ یوسف علی خاں نام صرف اس نوٹ میں ہے۔ نصراللہ بیگ خاں کو بکثرت نصراللہ خاں لکھا ہے، مگر ان کے نام کے ساتھ نواب صرف ایک جگہ آیا ہے، اگر یہ نواب ہوتے، تو ممکن نہ تھا کہ غالب کی تحریروں میں یہ نہ ملتا۔

غالب کی ایک عرضداشت میں جو انگریزی میں ہے، اور جس پر ان کا نام وغیرہ خود ان کا فارسی رسم خط میں لکھا ہوا ہے یہ مرقوم ہے کہ نصراللہ بیگ خاں غالب کے والد کے اخیافی بھائی (UTERINE BROTHER) تھے۔ اس کتاب میں کوئی بات اس کے خلاف مندرج نہیں، لیکن غالب کی بعض تحریروں سے جو اس میں شامل نہیں، حقیقی بھائی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جناب مالک رام نے توقیت غالب میں بدون سند، علاتی بھائی کہا ہے۔ یہ تو سند کے نہ ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتنا ہے، سوال یہ ہے کہ حقیقی بھائی مانا جائے یا اخیافی، اور وجہِ ترجیح کیا ہوگی؟ اخیافی تو اس صورت میں نصراللہ بیگ خاں کا باپ کون تھا؟ اس کتاب میں

لفٹننٹ کرنل میلکم کی انگریزی تحریر کا ایک اقتباس ہے، جس میں یہ عبارت ہے:

SOON AFTER THIS, ON THE SUDDEN DEATH OF NUSSURULLAH BEG KHAN, A NEAR RELATION OF AHMAD BAKH KHAN THE DISTRICTS (SIC) OF SONK AND SONSAH .. WERE RESUMED, BUT THIS LORDSHIP DEEMED IT NECSSARY TO PROVIDE .. FOR HIS BROTHER AND FAMILY"

اس کتاب کی دوسری تحریروں سے ثابت ہے کہ نصراللہ بیگ نے کوئی بھائی نہیں چھوڑا تھا، اس انگریزی تحریر میں صاف "برادر اینڈ فیملی" ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ غالب کے برطانی بھی جو ہند میں تھے، چنداں محتاط نہ تھے۔

معاصر ادب اور کتب متعلق معاصرین

غیرا کے تذکرہ نگار عموماً بہت غیر محتاط ہیں، انھیں حقیقت کی تلاش سے کہیں زیادہ لفاظی مدنظر تھی، اور بعض تو محض داستان طرازی پر اتر آتے تھے۔ تذکرہ نگار غیر جانبداری کا کتنا ہی دعویٰ کریں، لیکن ان میں بڑی پاسداری ہے۔ ایک بڑا عیب جس سے شاید ہی کوئی تذکرہ خالی ہو، یہ ہے کہ تذکرے کے آغاز و انجام کے متعلق یہ خود جو اطلاع دیتے ہیں، اور دوسروں کے قطعاتِ تاریخ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے، اس کے قبل یا بعد یا قبل و بعد دونوں کے مندرجات ان میں

ملتے ہیں اور ان کے بہت سے مندرجات کے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا زمانۂ تحریر کیا ہے۔ بایں ہمہ ان میں غالب اور ان کے عہد سے متعلق کام کی باتیں ملتی ہیں، ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جو کہیں اور نہیں بعض اشعار کا متن بھی تذکروں میں مختلف طور ملتا ہے، اور اشعار کے زمانۂ تصنیف کی تعیین میں ان سے مدد مل سکتی ہے۔ بعض تذکرے جن میں یقین ہے کہ غالب کے تراجم ہیں، مثلاً آفتاب عالمتاب[1] و طلسم راز ناپید ہیں۔

معاصر سفرنامے، روزنامچے وغیرہ میں بھی کام کی باتیں ملتی ہیں، اور معاصرین کے متعلق ایسے اشخاص کی کتابیں بھی جو غالب کے معاصر نہیں کہے جا سکتے، مفید مطلب نکل سکتی ہیں، ایک کتاب جو ایک معاصر نے ۱۹۰۴ء میں یا اس کے کچھ بعد لکھی لطائف غالب ہے، اس میں مصنف نے جس شخص کا جو لطیفہ پسند کیا ہے، غالب کی طرف منسوب کر دیا ہے کمال یہ ہے کہ گلستانِ سعدی کا بچھوؤں سے متعلق ایک لطیفہ غالب کا طبعزاد قرار دیا ہے۔ آبِ حیات و یادگارِ غالب معاصرین کی کتابیں ہیں۔ مگر ان کا ذکر الگ ہوگا۔

آبِ حیات

آبِ حیات تذکرہ نہیں، شعراء اردو کی تاریخ ہونے کی مدعی ہے، اور اس قبیل کی کل کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ "آزاد بحیثیت محقق" کے عنوان سے میرا ایک بسیط مگر نامکمل مقالہ نوای ادب میں شائع ہو چکا ہے۔ آزاد کس حد تک قابلِ اعتبار ہیں، اس کا اندازہ امورِ ذیل سے ہو سکتا ہے:

---

[1] متعلق آفتاب عالمتاب بعد کو معلوم ہوا کہ اس کا ایک نسخہ اودھ میں ہے۔

آزاد اس سے واقف ہیں کہ ساطعِ برہاں غالب کے ایک مخالف کی کتاب ہے جو قاطع کے رد میں لکھی گئی تھی، مگر اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ ساطع برہاں کے آخر جو چند اوراق سید عبداللہ کے نام سے ہیں، ان کے اصلی مصنف غالب ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں قطعاتِ تاریخ سے قطع نظر، کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز نہیں۔ سید عبداللہ نام کے کسی شخص کا اس منازعے سے تعلق ثابت نہیں، جو قاطع کی اشاعت کے بعد ہوا تھا۔

آزاد کا بیان ہے: جھجر میں ایک فرومایہ شاعر اسدؔ تخلص کا گزرا ہے، اس کا مقطع

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب ارے او شیر رحمت ہے خدا کی

کسی نے پڑھا، سنتے ہی اس تخلص سے جی بیزار ہو گیا، ۱۲۴۵ھ میں غالب تخلص رکھا —— جھجر میں اسد تخلص کے کسی شاعر کا وجود ثابت نہیں، خود غالب کے بعض خطوط اس پر مشعر ہیں کہ

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

جو تذکروں میں میر اماني اسد کے نام سے ہے، غالب کے سامنے کسی نے پڑھا تھا، اور غالب کو اس کی داد دی تھی۔ غالب تخلص ۱۲۴۵ھ سے بہت قبل اختیار کیا تھا، اور اسد تخلص سے اس کے بعد بھی کام لیتے رہے۔

آزاد کا قول ہے: کلکتہ میں کسی نے یہ معلوم کر کے کہ غالب کی مثنوی کا نام بادِ مخالف ہے، گلستانِ سعدی کا یہ فقرہ پڑھا "یکی از صلحا را بادِ مخالف در شکم پیچید"، اور سب ہنس دیئے —— آزاد نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حکایت ان کے علم میں کس طرح آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مثنوی کا پہلا نام

"آشتی نامہ" تھا، حکایت واقعی ہوتی، تو غالب اس کا نام بادِ مخالف نہ رکھتے۔
کریم الدین سے قبل دہلی کالج کی نوکری نہ کرنے کا واقعہ کسی نے نہیں لکھا، آزاد نے بدونِ سند اس میں یہ اضافہ کیا کہ ٹامسن صاحب سکریٹری (یادگارِ غالب میں صراحتہً یہ واقعہ آبِ حیات سے منقول، لیکن اس میں سکریٹری کی جگہ سکریٹری گورنمنٹ ہند) نے استقبال، جس طرح دستور قدیم تھا، نہ کیا، اس لیے نوکری نہ کی۔
سوال یہ ہے کہ کیا یہ دستور تھا کہ غالب کے مرتبے کے لوگوں کا اس طرح استقبال ہوتا تھا کہ سکریٹری خود ان کے لینے کو جائے؟ اس سے قطع نظر، میری رای میں بات بالکل خلافِ قیاس ہے۔ کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ آزاد دہلی والے تھے، اور واقعہ ان کے زمانے کا ہے، انھوں نے تحقیق کے بعد ہی حوالۂ قلم کیا ہوگا، تو ان کی تحقیق کا یہ عالم ہے کہ حکیم آغا جان عیش دہلوی جن کے "کمال کی کشش" نے وفات ذوق کے بعد بقولِ خود آزاد کو ان کی خدمت میں پہنچایا تھا، ان کے بیان کے مطابق شورش ۵۷ء کے "چند روز بعد" وفات پائی تھی، حالانکہ ان کا زمانۂ رحلت غالب کے بھی بعد ہے، چنانچہ ان کا قطعۂ تاریخ وفات دیوان عیش میں ہے۔

آزاد کے قول کے مطابق سبد چیں میں غالب کے چند خطوط بھی ہیں، اس میں ایک خط نہیں۔

فضلِ حق خیرآبادی کی 'رنڈی' کا ذکر آبِ حیات میں ہے، اور یہ بھی کہ غالب نے اسے آتا دیکھ کر فضلِ حق سے کہا تھا کہ یہ مصرع پڑھیے، ——————
'بنشین مادر بیٹھ ری مائی' یہ بہت خلافِ قیاس ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ رنڈی کے حق میں مصرع مذکور پڑھنے کا واقعہ ایک رئیس کے ساتھ پیش آیا، یہ قطعاً ناقابلِ قبول ہے، بہنوئی سالوں سے اس قسم کا مذاق نہیں کرتا۔

حیرت دہلوی نے اسے ایک اور طرح لکھا ہے، شایستۂ پذیرائی نہیں۔

دیوانِ اردو بار اول ۱۸۴۹ء میں چھپا، —— صحیح ۱۸۴۱ء

آزاد کی بیان کردہ حکایتیں جن کی سند نہیں ملتی، عموماً ناقابلِ قبول ہیں۔

یادگارِ غالب

یادگارِ غالب پہلی مستقل کتاب ہے جو غالب کے حالات اور فن پر لکھی گئی، یہ غالب سے متعلق بعض صحیح معلومات کا ماخذ ہے، اور اس کی بدولت غالب کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ کومریڈ دہلی کے ایک شذرے میں جو قریب یقین ہے کہ خود محمد علی کے قلم سے تھا یہ رای ظاہر کی گئی تھی کہ یادگارِ غالب (= یادگار) غالب و حالی دونوں میں سے کسی کے شایاں نہیں۔ اس اجمال سے یہ واضح نہیں کہ یادگار سے نامطمئن ہونے کے وجوہ کیا تھے، ان کے متعلق قیاس آرائی لاحاصل ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یادگار عہدِ حاضر کے سیرت نگار سے جو مطالبہ کیا جا سکتا ہے اسے کس حد تک پورا کرتی ہے۔ حالی کے نزدیک واقعات زیادہ اہمیت نہیں رکھتے خود ان کے الفاظ میں جو واقعات اس میں درج ہیں انھیں "ضمنی اور استطرادی" سمجھنا چاہیے۔ حیاتِ جاوید کے دیباچے میں حالی خود معترف ہیں کہ اس کتاب سے پیشتر اس فن کی جو کتابیں میرے قلم سے نکلی ہیں (مراد حیاتِ سعدی و یادگار سے ہے) ان میں جن اشخاص کے حالاتِ زندگی مرقوم ہیں، ان کے پھوڑے نہیں چھیڑے گئے۔ واقعاتِ انیس کے مصنف نے، میرا حافظہ دھوکا نہیں دیتا، تو لکھا ہے کہ حالی مقر تھے کہ بعض لطائف بمصلحت درجِ یادگار نہیں ہوئے۔

حالی غالب کے نہایت عقیدتمند شاگرد تھے، اور مرنجاں مرنج شخص، غالب کے سسرالی اعزہ اور ان کے دوسرے تلامذہ کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے، صرف یہی نہیں کہ انھوں نے کچھ باتیں جو ان کے علم میں تھیں، بمصلحت درج یادگار نہیں کیں، انھوں نے محاسن کو بڑھاکر، اور معائب کو یکسر قلم انداز کرنا ممکن نہ ہوا تو گھٹاکر دکھایا۔ ان کی پاسداری اس وقت اور بھی نمایاں ہوجاتی ہے جب انھیں غالب کے کسی مخالف کا ہنر بھی عیب نظر آتا ہے۔ شہباز نے حکیم غلام رضا خاں کا قول نقل کیا ہے کہ غالب کے یہاں حالی کا زیادہ آنا جانا نہ تھا، ان سے وہ بیتکلفی بھی نہ تھی جو باوجود تفاوت عمر غالب اور مجروح و میرن صاحب و یوسف مرزا وغیرہ میں تھی، دونوں کے تعلقات کی نوعیت کچھ اس مصرع سے ظاہر ہوتی ہے "میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں" چنانچہ آج تک حالی کے نام کا کوئی خط نہیں ملا، اور دوسروں کے نام کے خطوط میں بھی ان کا ذکر برای نام ہے۔ ذاتی مشاہدے سے جو باتیں حالی نے لکھی ہیں زیادہ نہیں۔ بہت سے امور جن کی تحقیق اب ناممکن یا بہت دشوار ہے، حالی کوشش کرتے تو ان کے متعلق حسب دلخواہ معلومات فراہم کرسکتے تھے، ان کے زمانے میں جو تحریری مواد موجود تھا، اس میں سے بہت کچھ ضائع ہوگیا ہے، اس وقت بہت سے لوگ جو غالب اور ان کے خاندان سے واقفیت رکھتے تھے، زندہ تھے، مگر انھوں نے غالب کے حالات دریافت کرنے کے لیے انتخاب کیا تو صرف ۵ اشخاص کو جو کم و بیش انھیں کی عمر کے تھے، اور جن میں سے کم از کم دو کو اختراعِ روایات سے مطلقاً احتراز نہ تھا، مجھے یقین ہے کہ

حالی نے انھیں بھی سوالات نہ بھیجے ہونگے، بس یہ لکھا ہوگا کہ جو آپ کے علم میں ہو بتائیے۔ صرف یہی نہیں کہ انکے زمانے میں معاصرین غالب کی جو تحریریں موجود تھیں ان سے بہت کم کام لیا، انھوں نے حالات کی تحقیق کے لیے تصانیف غالب کا غائر مطالعہ بھی غیر ضروری متصور کیا۔ اور کتابوں سے بحث نہیں، حالی کی یادگار کے دیکھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رد و قبولِ روایات کا کوئی معقول معیار ان کے پاس نہیں، اور اس پر طرہ یہ کہ سہل انگار ہیں۔ نتائج صحیح نہیں نکالتے، اور حوالہ یا تو مطلقاً نہیں دیتے، یا دیتے ہیں تو اس کا صحیح طریقہ اختیار نہیں کرتے، انھوں نے شرح اشعار میں

اپنی طرف سے بات بڑھائی ہے، اور بعض اشعار کا متن غلط پیش کیا ہے۔ اردو میں اسد اور فارسی میں غالب تخلص تھا ——— بطور شاذ فارسی میں بھی اسد تخلص آیا ہے، اور غالب تخلص دونوں زبانوں میں ہے۔ چنانچہ ان کا اردو دیوان دیوانِ غالب کہا جاتا ہے۔

(۱) حالی غالب کا یہ قول نقل کرتے کہ عبدالصمد ایک فرضی استاد میں نے گڑھ لیا ہے، مگر وہ خود اس کے وجود خارجی کے قائل ہیں۔ ایک "نہایت راست گفتار" کے خلافِ واقعہ یہ کہنے میں کہ عبدالصمد ایک فرضی استاد گڑھ لیا تھا، ان کے نزدیک کچھ قباحت نہیں۔

(۲) حالی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ عبدالصمد کی "تعلیم کا عدم و وجود برابر ہوجاتا ہے" دوسری یہ فرماتے ہیں کہ "اس نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گُر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جن کو فارسی زبان کے سمجھنے میں بڑا دخل ہے، اور پارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا اور اسی قسم کی

اور ضروری باتیں مرزا کے دل میں بوجہ اولیٰ تہ نشین کر دی تھیں"۔ تعلیم کا عدم و وجود برابر ہے، اگر یہ سب باتیں سکھا دیں، یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کا جاننا نہ جاننا برابر ہو۔ حالی خود پارسیوں کے مذہبی ادب اور سنسکرت سے مطلقاً ناواقف ہیں، انھیں ان امور کے متعلق رای دینے کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ غالب نے توافق لسانین کی کچھ صحیح، کچھ غلط مثالیں دی ہیں، اس سے کیا مراد ہے، اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ فارسی و سنسکرت کے توافق کی بحث کا آغاز کرنے والے، خان آرزو نے فارسی و عربی کے توافق کا بھی ذکر کیا ہے۔ غالب مقر ہیں کہ وہ سنسکرت نہیں جانتے، اور عبدالصمد کی طرف سے انھوں نے سنسکرتدانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ غالب نے اشارۃً بھی فارسی و سنسکرت کا متحدالاصل ہونا نہیں بتایا۔

(۳) شیفتہ کہتے تھے کہ عبدالصمد نے کسی اور ملک... سے غالب کو خط لکھا تھا جس میں یہ الفاظ تھے"۔۔ چہ کسی کہ با این ہمہ آزادیہا گاہگاہ بخاطر میآیی" مگر نہ تو صراحتہً یہ کہتے ہیں کہ خود شیفتہ نے ان... سے یہ بات کہی تھی، نہ یہ کہ شیفتہ نے یہ خط دیکھا تھا یا نہیں۔ حالی نے یہ لکھا ہے کہ عبدالصمد ۲ سال غالب کے پاس آگرہ میں رہا، اور پھر دلی میں مقیم رہا۔ عبارت غالب متعلق عبدالصمد" در سال یکہزار و دویست وبست و شش ہجری بطریقِ سیاحت بہ ہند آمدہ" و بہ اکبرآباد کہ پیکر پذیرفتن و خرد آموختن من ہم در آن شہر خجستگی بہر است' دو سال بکلبۂ احزان من آسودہ است"عبدالصمد کا دلی جانا حالی کہاں سے لائے' اور ان کے پاس غالب کے علاوہ کوئی ذریعۂ اطلاع تھا، تو اس کا ذکر کیوں نہ کیا؟

غالب کلکتہ پہنچے تو ان کی عمر ۴۰ سے کچھ کم تھی ——— ۳۰ سے کچھ اوپر چاہیے.
حالی کو اس کی خبر نہیں کہ باد مخالف کی ایک سے زیادہ روایات ہیں، اور اس کا اوّلیں نام آشتی نامہ تھا، فقرۂ گلستاں والی حکایت یادگار میں نہیں، حالانکہ اگر وہ ان کے نزدیک غلط تھی، تو اس کی تردید ضروری تھی.
لکھنؤ کے بعض ذی اقتدار اصحاب ایک مدت سے خواہاں تھے کہ غالب ایک بار وہاں جائیں، وہ عہدِ نصیر الدین حیدر و روشن الدولہ میں وہاں گئے.
——— غالب کانپور میں بیمار ہو گئے تھے، علاج کے لیے لکھنؤ گئے، زمانہ غازی الدین حیدر و معتمد الدولہ آغا میر کا تھا۔

(۴) قمار بازی کی پہلی سزا کا حال حالی کو معلوم نہیں، سزای قید کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ چوسر برای نام کچھ بازی بدکر کھیلا کرتے تھے ——— یہ قمار میں داخل ہی نہیں، اس کی سزا کیا ہوتی!

(۵) زحیدریم من و تو زما عجب نبود　　　گر آفتاب سوی خاوران بگردانیم

اس کی شرح میں لکھتے ہیں "جس طرح بقول بعض حیدر کرار سے معجزہ ردالشمس ہوا تھا ہم بھی آفتاب کو مشرق کی طرف واپس پھیر دیں ——— غالب کے شعر میں "بقول بعض" کہاں ہے؟

حالی کو یہ علم نہ تھا کہ غالب کے دادا کا نام قوقان بیگ تھا، نہ یہ واقفیت بظاہر انھیں تھی کہ ان کے ورود ہند کے زمانے کے متعلق غالب کے دو مختلف بیانات ہیں۔

(۷) فنِ عروض میں بھی ان کو کافی دستگاہ معلوم ہوتی ہے" ——— غالب کے ایک مصرع میں ایک سبب خفیف کی کمی ہے، انھیں نے ایک موزوں مصرع کو ناموزوں کہا ہے (رجوع بہ غالب بحیثیتِ محقق،

(۸) غالب کی 'وسعت اخلاق' کے عنوان کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ غالب نے ایک میسوری شاہزادے کو کتاب بھیجی تھی، اس نے قیمت دریافت کی، غالب نے جواب دیا کہ میں سوداگر نہیں کہ قیمت لوں' کتاب نذر ہے، شاہزادے جو کچھ عطا کریں وہ تبرک ہے ـــــ ظاہر ہے کہ قیمت دو تین روپے ہوتی' اور 'تبرک کا کچھ ٹھکانا نہیں، غالب نے قیمت سے کہیں زیادہ رقم وصول کرنے کی کوشش کی تھی، حالی اسے ان کی خوبی سمجھتے ہیں۔

(۹) فراخ حوصلگی کی مثال میں لکھا ہے کہ خلعت وغیرہ بیچ کر سرکاری چپراسیوں کو انعام دیا' روپے موجود نہ تھے' اور کیا کرتے؟ یہ فراخ حوصلگی کی مثال اس وقت ہوتی کہ حالی یہ بتاتے کہ رقم بہت بڑی تھی۔

(۱۰) خواجہ غلام حسین سرکار میرٹھ کے ایک معزز فوجی افسر تھے ـــــ یہ بات بے سند لکھی ہے۔

(۱۱) عبداللہ بیگ خاں نے تمام عمر (!) اپنی سسرال میں بطور خانہ داماد بسر کی ـــــ خود لکھتے ہیں کہ ان کا تعلق اودھ' دکن اور الور سے رہا' اور غالب نے یہ بتایا ہے کہ ان کے دادا نے آگرہ میں اقامت اختیار کرلی تھی؛

(۱۲) حالی کو اس کا علم نہیں کہ غالب کے برادر خرد مقتولین شورش ۵۷ء میں تھے۔

(۱۳) حالی کو یہ معلوم نہیں کہ یادِ مخالفت کا پہلا نام آشتی نامہ تھا۔

(۱۴) سزا سے متعلق جو ایک اردو تحریر منسوب بہ غالب یادگار میں ہے' حالی یہ نہیں بتاتے کہ اس کی اصل فارسی ہے (باغ دودر) اور کہاں ہے' ترجمے میں تصرف ہوا ہے، اہم اختلاف یہ ہے کہ یادگار میں "آدھی میعاد گزر گئی" ہے' باغ دودر میں 'ہمہ' سپری شد" ہے، مگر اس کا امکان ہے کہ

'ہمہ' 'نیمہ'[1] کا مصحّف ہو۔

(۱۵) حسین مرزا کی زبانی (یہ درج نہیں کہ روایت خود ان سے معلوم ہوئی تھی یا کسی اور شخص سے) بہادر شاہ کی غزلوں پر اصلاح کا جو حال بیان ہے، اس کے ماننے میں مجھے تامل ہے۔ بادشاہ کا کلام دیوانِ عام میں اس طرح دیکھا جائے کہ حاضرین پر یہ ظاہر ہو جائے کہ بادشاہ کی ۸، ۹ غزلوں میں سے کسی میں ایک دو مصرع سے زیادہ نہ تھا، خلافِ قیاس ہے۔

(۱۶) بدون سند: ۱۸۷۱ میں ضیاء الدین احمد خاں کلکتہ گئے تو محمد عالم نے ان سے ایک صحبت کا حال بیان کیا جس میں وہ موجود تھے۔ کسی شخص نے فیضی کی بہت تعریف کی، غالب بولے کہ وہ اس کا سزاوار نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ فیضی پہلی بار اکبر کے روبرو گیا تھا تو اس نے اسی وقت ۲۵۰ ابیات کا قصیدہ ارتجالاً کہہ کر پڑھا تھا۔ غالب نے کہا کہ دو چار سو نہیں، تو دو چار شعر ہر موقع پر بداہۃً کہنے والے اب بھی موجود ہیں۔ مخاطب سے فرمایش کی کہ وہ چکنی ڈلی پر کچھ کہیں، غالب نے فوراً گیارہ ابیات کا قطعہ موزوں کر کے سنایا — مقتضائے مقام تھا کہ اس قطعے کی شانِ نزول جو خود غالب نے لکھی ہے، اس کا ذکر ہوتا، غالب کے یہاں صرف اس قدر ہے کہ ایک دوست کرم حسین خاں کی فرمایش پر یہ قطعہ فی البدیہہ موزوں کیا، اور صلے میں چکنی ڈلی لی۔ دیوان کی طرف رجوع کرتے تو حالی کو علم ہوتا کہ سیزدہ بیتی قطعہ ہے، یازدہ بیتی نہیں۔ حالی کی بیان کردہ روایت کہیں اور نہیں ملتی، یہاں تک کہ کسی ایسی نظم کا بھی ذکر نہیں جو پہلی ملاقات کے موقع پر پڑھی ہو۔ دیوان میں ۲۵۰ کیا معنی ۲۰۰ ابیات کا بھی کوئی قصیدہ نہیں۔ طرّہ یہ کہ ۲۵۰ ابیات کے قصیدے کے مقابلے میں

---

[1] متعلق 'نیمہ': بعد کو معلوم ہوا کہ ایک بیاض میں 'نیمہ' ہے۔

۱۲ ابیات کا قطعہ کہنے میں کچھ بُرائی نہیں نکلتی۔

(۱۷) "غدر کے زمانے میں مرزا۔۔ گھر سے باہر نہیں نکلے" —— یہ صرف شورش کے آخری ایام کے متعلق صحیح ہو سکتا ہے۔

(۱۸) غالب کرنیل برون کے پاس لے جائے گئے —— برون کی جگہ بَردن چاہیے۔

(۱۹) آدھا مسلمان ہونے والی حکایت کا تعلق برن سے نہیں سارجنٹ سے ہے جیسا کہ خود غالب نے اس رسالے میں جو انتخاب غالب کے نام سے شائع ہوا ہے لکھا ہے۔ اس رسالے سے حالی ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۰) دستنبو کے اتمام کے بعد غالب کے پاس بُرہان قاطع (= برہان) و دساتیر کے سوا کوئی کتاب نہ تھی" —— یہ ایک جگہ، دوسری جگہ: جس وقت قاطع برہاں = قاطع لکھی گئی ان کے پاس قلمی برہاں کے سوا کوئی فرہنگ نہ تھی اور نہ کوئی ایسا سامان موجود تھا جس پر تحقیق لغت کی بنیاد رکھی جاتی، پس جو کچھ لکھا حافظے کی مدد سے اور ذوق و وجدان کی شہادت پر —— دوسری جگہ دساتیر قلم انداز ہوئی ہے۔ قاطع کی اشاعت اول میں برہان منطبعہ اور اس کے حواشی کا ذکر کیا ہے، مگر اس مطبع کا نام نہیں بتایا جہاں یہ چھپی تھی، اس لیے قلمی نسخہ کہنا غلط ہے۔ قاطع میں متعدد کتابوں کا حوالہ ہے جو لغات فارسی سے بحث کرتی ہیں مثلاً شرفنامہ فرہنگ جہانگیری، بہارِ عجم، ابطال ضرورت، رسالۂ عبدالواسع، برہاں سی کتاب کی لغات کی مدد کے بغیر تنقید کوئی ہوشمندانہ فعل نہیں کہا جا سکتا مگر حالی کے نزدیک اس میں کچھ قباحت نہیں۔

(۲۱) غالب نے کبھی کسی کی ہجو میں قطعہ یا قصیدہ نہیں لکھا، تقاضے کا ایک

قطعہ بمشکل ہجو ملیح کہا جاسکتا ہے ــــ ۱۳ میں جن قطعات سے بحث ہے، ان میں سے ۴ بے شبہ ہجویہ ہیں، انھیں ہزل البتہ نہیں کہہ سکتے۔ مزید یہ کہ نظم میں اگر کچھ کمی تھی وہ انھوں نے نثر میں پوری کردی، مثالوں کے لیے غالب بحیثیت محقق (نقد غالب) کی بحث ہجۂ غالب دیکھی جائے۔

(۲۲) قطعۂ تقاضا کے متعلق یادگار میں ہے کہ کلیات میں نہیں ہے، غالب کے قلمی مسودات سے لے کر درج ہوا ــــ قطعۂ گفتم بخرد بخلوت انس الخ" سبدچیں میں موجود ہے جو غالب کے دوران حیات میں منطبع ہوچکا تھا۔

(۲۳) 'وحشت و شیفتہ اب مرثیہ لکھیں شاید
مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں'
دیوان غالب کے ہر نسخے میں 'لکھیں' کی جگہ 'کہویں' ہے۔

(۲۴) حسام الدین حیدر خاں نے غالب کے اشعار میر کو دکھائے تھے۔ یادگار میں اس کی سند نہیں، مجھے جناب مہر سے اتفاق ہے کہ یہ بہت خلاف قیاس ہے۔

(۲۵) یادگار میں ۷ شعر غالب کے ابتدائی زمانے کے ہیں، جو دیوان مروجہ کے کسی نسخے میں نہیں، نسخۂ بھوپال میں البتہ ہیں، حالی نے یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے لیے۔

(۲۶) "ننہال بہت آسودہ حال تھی' اور اس کی ثروت سے ظاہرا مرزا اور ان کے بھائی سے بڑھ کر فائدہ اٹھانے والا نہ تھا" ــــ غالب کی کئی تحریروں سے جو یادگار کی اشاعت سے قبل چھپ چکی تھیں، ثابت ہے کہ اوزبک جان غالب کے ماموں کے بیٹے تھے، کوئی بات یہ فرض کرنے کی

کہ ان کے بھائی، چچا اور پھپھیاں ہوں گی، مانع نہیں۔ حالی کو ظاہر اس کا علم بھی نہیں کہ غالب کی ایک حقیقی بہن بھی تھیں۔

(۲۷) اس بنا پر کہ خواجہ غلام حسین خاں کے ایک متوسل نے زمینداره حاصل کر لیا تھا جس کی سرکار کو مالگذاری دس بارہ ہزار سالانہ ادا کی جاتی تھی، حالی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "ان کی آگرہ میں ایک خاصی سرکار تھی جس کی بدولت ان کے ملازم اور متوسلین (بصیغۂ جمع!) دس دس بارہ بارہ ہزار کے مالگزار بن گئے تھے" آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ لوگ محض اپنی ذاتی کوشش یا اتفاق سے ان اصحاب سے جن کے وہ متوسلین میں تھے، کہیں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تفصیلی حالات مطلقاً نامعلوم ہیں، نہ جانے بنسی دھر نے کس طرح زمیندارہ حاصل کیا۔

(۲۸) قاطع برہان پہلی بار ۱۲۷۶ھ میں چھپی —— سال طبع ۱۲۷۸ھ

(۲۹) قاطع دوسری بار ۱۲۸۲ھ میں چھپی اور اس کا نام درفش کاویانی رکھا گیا —— دوسری بار ۱۲۸۲ھ میں طبع ہوئی، نام قاطع برہان ہی رہا، لیکن اس کا لقب درفش کاویانی قرار پایا۔

(۳۰) تیغ تیز کے آخر میں غالب کی جانب سے چند سوالات ہیں جن کے جواب شیفتہ نے دیے ہیں، اور حالی، نیر و سعادت علی (مدرس گورمنٹ اسکول دہلی، ایک غیر معروف شخص) نے ان کی تائید کی ہے۔ حالی اس کا مطلقاً ذکر نہیں کرتے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ یہ سب ہندی ہیں، اور ان سے استناد معترضین غالب کو ساکت کرنے کے لیے کافی نہیں —— ابو الکلام آزاد نے مخالفین غالب کو ہندی فرہنگ نگاروں کی سند دینے پر قابلِ الزام ٹھہرایا ہے، انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ نہ صرف تیغ تیز

اور جگہ بھی خود غالب کی کیا روش رہی ہے۔

(۳۱) حالی نے سوالات عبدالکریم، قادر نامہ، باغ دودر، رسالہ متعلق بانگ کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔

(۳۲) اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ غالب کے تصانیف ان کے دورانِ حیات میں کتنی بار اور کب کب چھپے اور ان کی تحریر کا زمانہ کیا ہے، تو قاطع کے متعلق جو کچھ ہے، اس کے علاوہ نہیں معلوم ہو سکتا۔

(۳۳) حالی یادگار میں تصانیف غالب کے زمانۂ تحریر و انطباع کی بحث کے لیے جو جگہ نکال سکے، وہ آپ نے دیکھی، انھوں نے ایک شعر "دولت بغلط نبود از سعی پشیماں شو الخ" کی شرح کے سلسلے میں اسے سرسید احمد خاں پر منطبق کرنے کے لیے نصف صفحہ سے زیادہ لیا ہے۔

(۳۴) غالب کی تقریظوں میں کتاب کی نسبت چند ہی جملے ہوتے تھے جو اصلیت سے خالی نہ ہوتے ——— حقیقت سے تجاوز کے لیے ایک جملہ بھی کافی ہے، غالب نے ایک درجۂ سوم کے شاعر کی تعریف یوں کی ہے۔ "کلام الملوک ملوک الکلام" یہ دیباچۂ دیوان میں ہے، یہ بھی صحیح نہیں کہ چند ہی جملے ہوتے تھے، گلشنِ بیخار کی تعریف دیکھیے۔ سوال تقریظ و دیباچہ کا نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ غالب جو تعریف کرتے ہیں، تو ممدوح اس کا مستحق بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ ہندوستان کے بعض بالکل ناقابلِ اعتنا فارسی گویوں میں سے ایک کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ اس نے "امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحدِ کمال کو پہنچا دیا ہے" اور تین کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ "صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں" لطف یہ کہ آخر میں اضافہ کیا ہے "اگر تکلف و تملق سے

کہتا ہوں تو ایمان نصیب نہ ہو" حقیقت یہ ہے کہ حالی جو چاہیں کہیں اور سمجھیں غالب کا قلم مصالح کا تابع ہے۔

(۳۵) حقیر کے متعلق غالب کا قول ہے کہ تعجب نہیں اگر خدا نے فہم سخن و ذوقِ معنی کے ۲ حصے کیے ہوں، ایک حقیر کو دیا ہو، اور آدھا تمام دنیا کے حصے میں آیا ہو" —— حقیر سے جو سخن فہمی و ذوقِ معنی بچا، اسی نصف میں غالب، شیفتہ اور حالی اور بیشمار دوسرے اصحاب کا حصہ ہے، جو خواہ غالب کے معاصر ہوں، یا ان کے قبل کے ہوں، یا ان کے بعد آئے اور آتے رہیں گے۔ غیر ذمہ دارانہ اظہار رائے کی حد ہوگئی۔ لطف یہ کہ اس کا مطلق ثبوت موجود نہیں کہ وہ متوسط درجے کے بھی سخن فہم تھے، بلکہ ان کے نام کے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالب سے ایسے اشعار کے معنی دریافت کرتے ہیں، جن میں کچھ اشکال نہیں۔

(۳۶) ممنون جس زمانے میں "شاہ صاحب (کون شاہ صاحب؟) کے پرانے مدرسے" میں مشاعرہ کرتے تھے، ایک مشاعرے میں غالب نے "گریستن" ردیف والا قصیدہ پڑھا، سنا ہے کہ مجلسِ مشاعرہ بزمِ عزا بن گئی، جب تک قصیدہ پڑھا گیا، لوگ برابر روتے رہے۔ اسی حالت میں بارش شروع ہوئی؛ آزردہ نے کہا کہ "آسمان ہم گریست" —— غالب کے ایک خط میں ہے کہ اس مشاعرے کی طرح نیر نے دی تھی، اور قوی قرائن ہیں کہ مشاعرہ انھیں کا تھا، کہاں منعقد ہوا، اس کا حال نامعلوم ہے۔ انھی کے ایک اور خط میں ہے کہ مشاعرے میں ممنون و صہبائی نہ تھے، غالب نے قصیدہ پڑھا، اشارۃً بھی اس کا ذکر نہیں کہ لوگ روئے تھے، اور قصیدہ ایسا ہے بھی نہیں کہ اسے سن کر رونا آئے، لوگ آنکھوں میں پیاز کا عرق

لگالیں تو اور بات ہے۔ غالب کے خط میں یہ بھی نہیں کہ مشاعرے کے وقت بارش ہوئی تھی۔ مگر اسی خط میں یہ ہے کہ غالب کے یہاں ایک شخص اس زمین میں شیفتہ کی غزل لایا تھا، اور وہ یہیں تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔ یہ اصل ہے اور باقی داستان۔

(۳۷) اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے الخ غالب نے جہاں عمدہ شعر کی مثالیں دی ہیں وہاں ذوق کا یہ شعر ضرور لکھا ہے — غالب نے صرف ایک جگہ یہ شعر نقل کیا ہے، تعریف کی ہے، مگر اس کے ساتھ کوئی اور شعر نہیں۔

(۳۸) تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مومن کا یہ شعر سنا تو غالب نے کہا کہ کاش میرا سارا دیوان لے لیتے اور صرف یہ شعر دے دیتے۔ اسے انھوں نے متعدد خطوط میں نقل کیا ہے۔

— پہلی بات بے سند اور حد درجہ خلافِ قیاس ہے، شعر اتنا بلند مرتبہ بھی نہیں کہ غالب اس کی تحسین کی وہ صورت اختیار کرتے جو حالی نے لکھی ہے۔ غالب کے صرف ایک خط میں یہ شعر آیا ہے۔

(۳۹) غالب نے ناطق مکرانی کو مثنوی درد و داغ بھیجی تھی — ناطق کے کلیات میں غالب کے نام کا خط جس میں اس مثنوی کے ایک شعر کے متعلق سوال ہے، موجود ہے، اس سے یا غالب کے جواب سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ غالب نے مثنوی ناطق کو بھیجی تھی۔

(۴۰) قاطع کے رد میں جو رسائل ہیں ان میں فرہنگِ جہانگیری یا فرہنگ رشیدی یا سراج اللغات (صحیح سراج اللغۃ) یا فرہنگِ ہفت قلزم یا موید الفضلا یا کسی اور فرہنگ کی سند سے اسی طرح درج ہو جس طرح

برہان قاطع میں ہے" اس سے بادی النظر میں صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کا اعتراض غلط ہے، مگر جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ "اکثر فرہنگیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں اور جو فرہنگ سب سے پہلے لکھی گئی تھی، پچھلوں نے زیادہ تر اسی کا تتبع کیا ہے تو کسی مجیب کے جواب کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی" —— استاد کی طرح شاگرد بھی فرہنگ نگاری کی تاریخ اور فرہنگ نگاروں کے طریق کار سے بہت محدود واقفیت رکھتے تھے —— مقتضای مقام تھا کہ غالب کے اس دعوے سے بحث ہوتی کہ فرہنگیں صرف ہندیوں نے لکھی ہیں، اگر یہ غلط نہیں تو 'اکثر' کی جگہ 'کل' لکھنا تھا، ان کے نزدیک صحیح نہیں، تو صراحتہً اس کا ذکر کرنا تھا۔ پہلی فرہنگ جو ہند میں تالیف ہوئی وہ ایک غیر ہندی فخر قواس کے قلم سے تھی، فرہنگِ جہانگیری کے مولف کا باپ ایران سے آیا تھا، اور مقدم الذکر کو بکثرت ایرانیوں سے ملنے جلنے کا موقع ملا تھا، فرہنگ رشیدی نے فرہنگِ جہانگیری پر بکثرت اعتراض کیے ہیں، سراج اللغۃ میں بھی دوسری فرہنگوں علی الخصوص برہان قاطع کی بہت سی غلطیوں کی نشاندہی ہوئی ہے۔ مختلف فرہنگ نگاروں کے مآخذ مختلف ہیں۔ اس سے قطع نظر، مؤید برہان میں فرہنگِ سروری سے بھی کام لیا گیا ہے اور یہ ایک ایرانی نے ایران میں لکھی تھی۔ ان امور سے قطع نظر، سند کے اشعار مستند اساتذہ کے دیے گئے ہیں، تو اصلی بحث انھیں سے ہے، اور یہ دکھائے بغیر کہ ان اشعار کا متن غلط ہے، یا ان شعرا کے نہیں جن سے منسوب ہیں، یا مفید مدعا نہیں، یہ لکھ دینا کہ "کسی مجیب کے جواب کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی" حد درجہ فضول بات ہے۔

(۴۱) ابرِ گہر بار آخری تصنیف تھی، "اخیر عمر میں طرح طرح کے عوائق اور موانع پیش آئے .. صرف دیباچے کے چند عنوان لکھنے پائے تھے کہ مکروہاتِ روزگار نے گھیر لیا" ——— نہ یہ آخری کتاب ہے، نہ بالکل آخری زمانے میں لکھی گئی۔

بہت سی باتیں ناگفتہ اور بہت سی مجمل رہ گئیں؛ حوالہ بہت جگہ نہیں، اور جہاں ہے، اطمینان بخش طور پر نہیں، ناظرین اگر حوالہ طلب کرینگے تو حاضر کیا جائے گا۔ بہت سے امور کی تفصیل اور بہت سی مثالیں جو اس مقالے میں نہیں، 'غالب بحیثیتِ محقق' میں ملیں گی۔

(بین الاقوامی غالب سمینار؛ ڈاکٹر یوسف حسین خاں)

غالب کی عظمت

میں دو چار باتیں بالکل منتشر طور سے عرض کر دوں۔

مجھے اس سے بالکل اتفاق ہے کہ کسی فنکار کی عظمت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے اخلاق بلند ہوں شاعری جو ہے وہ ایک فنِ لطیف ہے۔ جس طرح سے کہ ایک مصوّر ہے جس طرح سے کہ ایک بت تراش ہے، جس طرح سے کہ ایک گانے والا ہے، اسی طریقے سے ایک شاعر ہے۔ اگر ہم ایک گانے والے سے، اور ایک بُت بنانے والے سے اور ایک تصویر بنانے والے سے یہ توقع نہیں رکھتے ہیں کہ اس کے اخلاق بہت بلند ہوں تو شعر کہنے والوں سے ہم اس کی توقع کیوں رکھیں۔ کم از کم یہ میرا خیال ہے۔

اچھا۔ اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں ——— شعراء کے حالاتِ زندگی سے، خواہ اس ملک کے ہوں یا دوسرے ممالک کے، تھوڑی بہت واقفیت میری ہے ——— تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کی واقفیت بہت ہی محدود ہے۔ شیکسپیر کا آپ نے ذکر فرمایا تھا۔ اس کے متعلق عام طور سے مشہور ہے کہ ہرن چرایا تھا اس نے۔

اچھا آپ کسی شاعر کو لیجئے؛ جس کو آپ اپنا معیارِ اخلاق سمجھتے ہیں، اس معیار پر تو میرا خیال ہے شاید ہزار شاعر میں ایک شاعر نہیں اُترے گا۔ یعنی مُلّایانہ، یا پنڈتانہ معیارِ اخلاق جو ہے اس پر ایک شاعر ہزار میں بھی نہیں اُتر پائے گا۔ ہاں وہ کچھ تھوڑے سے نعت نویس یا بھجن لکھنے والے! تو ایک معاملہ تو یہ ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہا گیا کہ تضاد سے کسی شاعر کی یا فنکار کی خوبی میں اضافہ ہوتا ہے، تو تضاد یا تناقض جو ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ شخصیت کے ارتقا کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی ظاہر میں وہ تضاد نظر آتا ہے۔ میرا وہ خیال اب نہیں ہے جو پندرہ برس کی عمر میں تھا، اور اگر واقعی وہی ایک خیال ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا ذہن اسی قسم کا ہے جیسے کہ بچّوں کا ذہن ہُوا کرتا تھا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ پندرہ برس کی عمر میں تم نے یہ رائے ظاہر کی تھی؛ اور آج جب تم ستّر برس کے ہو یا اس سے بھی کچھ زیادہ ہو، دوسری رائے ظاہر کر رہے ہو' اور' جو متضاد ہے: تو یہ تضاد نہیں ہے یہ شخصیت کا ارتقا ہے۔ لیکن یہ کہ پختگی آنے کے بعد اگر متضاد اور متناقض خیال ظاہر کیا جائے تو یہ بڑی خامی کی دلیل ہے۔ خواہ وہ شاعر ہو یا فلسفی ہو یا سیاست پیشہ ہو۔ ورنہ پھر ان لوگوں کو جو صبح کو کانگریس میں ہیں؛ اور دوپہر کو کرانتی دل میں' اور پھر شام کے وقت جو ہیں وہ کمیونسٹ ہیں، اور پھر دوسرے دن جو ہے وہ پھر کانگریس میں واپس آئے۔ ان سب لوگوں کے متعلق ہم کچھ بھی، مطلقاً شکایت نہیں کر سکتے۔ اور کم از کم میں ایسے لوگوں کو نہایت ذلیل انسان سمجھتا ہوں۔ اچھا تو یہ تناقض اور تضاد کا معاملہ ہوا۔

جہاں تک غالب کی شخصیت کا تعلق ہے کوئی اہم معاملہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے متعلق متفاوت رائیں انھوں نے نہیں ظاہر کی ہوں۔ صرف ایک مثال دوں گا اس وقت۔

ایک نہیں بیس جگہ انھوں نے اپنے کو اثنا عشری لکھا

ہے۔ اچھا پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

کیا ہے وہ شعر ——————

[مالک لام: شیعی کیونکر ہو ماورالنہری
شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری]

ان کا ایک خط غمگین کے نام موجود ہے جس میں انھوں نے تشیع اور تسنن میں RECONCILE کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات پیش کی ہے انھوں نے کہ امامت مختلف چیز ہے اور خلافت مختلف چیز ہے۔ خلفائے ثلاثہ کو خلافت تو نصیب ہوئی، لیکن یہ کہ وہ امام نہ تھے۔ لیکن بیک وقت ایک دوسرا شخص امام رہ سکتا تھا۔ اس لئے امامت ان سے غصب ہوئی نہیں، اور خلیفہ، حضرت علی، ان تینوں کے بعد منتخب ہوئے، ایسا ہے غصب کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے، تو یہ ایک قسم کی کوشش کی نا، انھوں نے، ان دونوں میں۔!

اچھا۔ یہی بزرگوار، ایک انھوں نے مثنوی کہی بہادر شاہ کی طرف سے۔ اس مثنوی میں انھوں نے رفض کو سودائے خام وغیرہ کہا۔ پھر ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں یہ کہ مذہب تشیع میں تو سب صحابہ جو ہے یہ مستحسن بلکہ واجب ہے۔ اور خود اپنے کو وہ شیعی کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ (اچھا) سمجھتے ہیں۔

اچھا۔ آگے چلئے۔ ایک قطعہ ہے ان کا موجود جس میں، معلوم نہیں اس کا ممدوح کون ہے، لیکن قرینہ یہ ہے کہ کوئی شیعی امیر اس کا مخاطب ہے۔ اس میں چار عیدوں کی مبارک باد دی ہے جس میں سے ایک عید بابا شجاع کی عید بھی ہے۔ آپ لوگوں میں سب کو معلوم نہیں ہوگا کہ عید بابا شجاع کس کو کہتے ہیں۔ تو بابا شجاع سے مراد جو ہے وہ ابو لولو ہے، وہ خلیفۂ ثانی کا قاتل! تو کچھ اثنا عشری حضرات ایسے ہیں جو اس عید کو عید کے طور سے CELEBERATE کرتے ہیں۔

میں، آپ لوگوں میں سے جو مجھ سے واقف ہیں، غلط فہمی نہ کریں۔ میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی، بلکہ میں، میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہ سمجھیئے کہ میں تعصب پھیلانا چاہتا ہوں۔ لیکن معلومات کو ان کی اصل شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور جب یہ خود دیکھتا ہوں تو یہ بھی چاہتا ہوں تو دوسرے لوگ بھی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔

تو اگر آپ پسند کرتے ہیں اس قسم کے تضاد و تناقض کو تو کم سے کم میں تو اس سے دو چار سو کوس دور رہنا چاہتا ہوں۔ تو یہ معاملہ تو تناقض و تضاد کا ہو گیا۔

شاعرانہ عظمت کا جو معیار ہمارے ڈاکٹر صاحب (عابد حسین) نے بیان کیا ہے، بڑی حد تک صحیح ہے۔ مجھے اس سے اتفاق ہے اور اس پر کچھ اضافہ ——————

ایک بات یہ بھی ہے کہ ابھی غالب کو بہت زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ یعنی سو برس ہوئے ہیں اور غالب کے کلام کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ اور مغرب کے کچھ لوگوں نے اگر اس سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار کیا ہے تو وہ نقاد نہیں ہیں بلکہ اردو زبان سے دلچسپی رکھنے والے ہیں یعنی مستشرقین۔ اور استشراق اور نقادی یہ دونوں ایک چیز نہیں ہیں، یعنی بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ مختلف یورپین زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا اعلیٰ درجے کے نقاد اسے تسلیم کریں کہ: اعلیٰ درجے کا شاعر ہے غالب، اور پھر مدت دراز تک اس کی تصدیق ہوتی رہے، جب جا کر یہ پتہ چلے گا کہ غالب واقعی بڑا شاعر ہے یا نہیں ہے۔

اچھا۔ آگے چلیئے۔ اب مثلاً یہ کہ ہومر سے لیجئے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم میں سے ہزاروں نے اس کو نہ پڑھا ہو، لیکن کون آدمی ایسا ہے پڑھا لکھا، جو ہومر سے واقف نہیں ہے۔ کونسی متمدن مہذب زبان ہے جس میں اس کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔ جس وقت سے کہ اس کا ترجمہ مختلف یورپین زبانوں میں ہوا، اس پر عام طور پہ اتفاق ہے کہ وہ دنیا کے بڑے شعراء میں تھا۔

علیٰ ہذا یونانی ڈرامسٹ ہیں۔ حالانکہ بڑا بُعد ہے۔ معاصر کا فرق ہے، زمانے کا فرق ہے، لیکن یہ آج بھی زمانہ، اُس زمانے کے جو یونانی ڈرامہ نسٹ ہیں، اُن کی عظمت کا قایل ہے۔ بلکہ آج تک انگلستان میں نئے ترجمے ہوتے ہیں۔ اور پھر اسٹیج بھی۔

تو یہ ہے عظمت! مگر ان کو، کسی کو ڈھائی ہزار برس کا زمانہ گذر چکا ہے، کسی کو دو ہزار کا زمانہ گذر چکا ہے۔

زمانۂ حال کے مطابق بھی لیجے کہ یورپ کے مصنّفین، ان کی کتابوں کا ترجمہ مختلف یورپی زبانوں میں ہو جاتا ہے۔ ٹالسٹائے ہے، ڈاسٹوسکی ہے، چیخوف ہے، یا جرمن شعرا میں گوئٹے ہے، ہائنے ہے، اس قسم کے جرمن شعرا ہیں، فرانسیسی شعرا ہیں، تقریباً تمام یورپی زبانوں میں ان کا ترجمہ موجود ہے؛ اور نقاد بالاتفاق ان کی عظمت کے قائل ہیں ـــــ یا کچھ کچھ لوگ ہیں؛ اب یہ ظاہر ہے کہ یکساں تو ہو نہیں سکتا ہے خیال۔!

تو غالب کے ساتھ یہ معاملہ گذرا کم ہے۔ اب رہا ہندوستانی نقاد، تو میں ان کی نقادی کا بالعموم قائل نہیں ہوں۔ بہت قلیل مطالعہ (ہوتا ہے) اِن کا! بہت تھوڑے سے لوگ ہیں جن کی وسعتِ مطالعہ کا، اور جن کی دقّتِ نظر کا میں قائل ہوں۔ لیکن بہت بڑی تعداد نقادین کی ایسی ہے جن کو میں نقاد سرے سے سمجھتا ہی نہیں۔ تو پھر، میں اپنی رائے ظاہر کر رہا ہوں، جب میں سمجھتا ہی نہیں تو پھر ان کی رائے کا وزن ہی کیا ہو سکتا ہے۔

تو ابھی تک اس بات کا پتہ نہیں چلا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ میں خود بھی غالب کے کلام کو ایک مدّت دراز سے پڑھتا آ رہا ہوں۔ ایک زمانہ میں مجھے غالب کا پورا دیوان، اپنے الفاظ کو مجھے واپس لینا چاہیے، پورا دیوان نہیں لیکن یہ کہ غزلیں، شاید ہی کوئی ایسا شعر ہو جو مجھے یاد نہ ہو۔ اور یہ کثرت مزاولت کی وجہ سے، یہ نہیں کہ میرا حافظہ بہت قوی ہے، کہ ایک مرتبہ پڑھا اور یاد رہ گئی بات۔ یہ بات نہیں تھی؛ بلکہ اتنی مرتبہ میں نے دیوانِ غالب پڑھا تھا کہ تقریباً شاید ہی کوئی شعر ہو جو مجھے یاد نہیں ہو، یعنی جہاں تک غزلوں کا تعلق ہے۔ اب، حالانکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ اور بھی دیکھتا رہتا ہوں۔ مگر اتنا حافظہ قوی نہیں رہا، عمر کی وجہ سے۔ بہرصورت تو مطلب یہ ہے کہ میں آخر کوئی اسکالر کی حیثیت سے نہیں پڑھتا تھا۔ میں جو اس زمانے میں غالب کے کلام کا اس قدر کثرت کے ساتھ مطالعہ کیا کرتا تھا، تو ایک اسکالر کے نقطۂ نظر سے نہیں۔ نہ میری یہ غرض تھی کہ اس کی خوبیاں لوگوں کو ظاہر کروں یا تجزیاتیاں۔ یہ نہیں۔ بلکہ، یہ کوئی چیز تھی اس کی جو مجھے اپیل کرتی تھی۔ اور دوسرے شعرا میں وہ بات نہیں تھی: اُردو کے دوسرے شعرا میں نہیں تھی۔ اور اگر تھی تو کمتر درجے میں تھی۔ یا یہ کہیے کہ اس زمانے تک ان لوگوں کے کلام تک میری رسائی نہیں ہوئی تھی۔ یہی سب POSSIBILITIES ہیں۔ بہرصورت اگر میں نہ سمجھتا خود، غالب کو، ایک بڑا شاعر، تو اپنا اتنا وقت اس پہ صرف نہیں کرتا۔

اس کے بعد جب مجھے کچھ ریسرچ کا شوق ہوا، تو میں نے غالب کا ایک ایک لفظ پڑھا۔ یعنی وہ چیزیں چھوڑ دیجیے جو کہیں چھپی نہیں ہیں۔ اور کسی خاص شخص کے قبضہ میں ہیں، اور میری رسائی اب تک نہیں ہوئی ہے۔ اُسے اگر آپ چھوڑ دیجیے تو کوئی چیز ایسی نہیں ہے، غالب کی، جسے بار بار میں نے نہیں پڑھا۔ اور بہت سے معاملات تھے جن سے متعلق اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ ایک وہی شخصیت کا معاملہ تھا غالب کا، جسکے متعلق مجھے بہت کچھ اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔

کچھ تھوڑی سی بات فارسی کے متعلق بھی کہہ دوں۔

مسٹر فخرالدین علی احمد جب ایران گئے تھے تو شہنشاہ ایران سے کہا تھا؛ نہیں؛ مجھ سے پہلے ان سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے کہا میں ایران جا رہا ہوں، میں وہاں کہوں گا لوگوں سے کہ دیوان

غالب شائع کریں، دیوان فارسی! تو میں نے کہا، دیکھئے، ایران کے لوگ ان کی فارسی کے چنداں قدرداں نہیں ہیں، اس لئے نہ کھپے گا۔ مگر یہ کہ، انھوں نے میرے مشورے کو نہ مانا۔ وہاں گئے، اور شہنشاہ ایران سے براہ راست گفتگو کی، اور شہنشاہ ایران نے وعدہ کیا کہ وہ ان کا دیوان شائع کریں گے۔ رات مجھ سے گفتگو ہو رہی تھی، تفضلی صاحب سے۔ رات سے قبل کی رات۔ میں نے پوچھا کیا ہوا، صاحب! وہ دیوان چھپ رہا ہے؟ فرمانے لگے: صاحب! دیوان چھپ کر کیا ہوگا؟ دیوان پڑھتا کون ہے؟ کس شاعر کا دیوان ایران میں پڑھا جاتا ہے سوائے دو چار شاعروں کے؟ اور، میں تو انتخاب کا قائل ہوں۔ اور اگر زیادہ کلام شائع ہوا تو لوگوں کو اور بھی بداعتقادی ہو جائے گی۔

کیوں، صاحب؟ صاحب، انگریزوں کی مدح سرائی کرتے تھے؟ سکھوں کو جو شکست ہوئی تو اس پر مبارک باد کا ایک قصیدہ لکھا۔ یعنی یہ سب CHARGES ہیں غالب پر۔ حالانکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس کا شاعری سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

خیر، صاحب، بہرحال یہ کہ انھوں نے کہا کہ اب ایران میں دوسری طرز ہے۔ میں نے کہا کہ جناب! فارسی زبان تو آپ کی ہے! اس زبان میں جو تغیرات ہوتے رہتے ہیں، یا اس کے مختلف علاقوں DIALECTS بولے جاتے ہیں، ان معاملات کے اندر یقیناً آپ کی واقفیت جو ہے ہم لوگوں سے بہت زیادہ ہے! لیکن جہاں تک افکار کا تعلق ہے، نفسِ شاعری کا تعلق ہے، ہم لوگ بھی ویسے ہی رائے قائم کر سکتے ہیں جیسے آپ کسی ایرانی شاعر کے متعلق۔ اس میں آپ کی SUPERIORITY تسلیم کرنے کے لئے مطلقاً تیار نہیں ہوں۔ جیسے آپ بھی یہی کہہ سکتے ہیں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ، بھئی! ہم بھی کسی اردو شاعر کے متعلق، انیس کے متعلق یا غالب کے متعلق یا نظیر کے متعلق رائے قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں؛ میں کہوں گا یقیناً رکھتے ہیں آپ، بشرطیکہ آپ زبان سے واقف ہوں، اس زبان کے لٹریری TRADITION سے آشنا ہوں۔ تو ہم لوگ ایک ہزار برس سے فارسی شاعری سے تعلق رکھنے کے بعد بھی اگر اس کے TRADITION سے واقف نہیں ہیں تو یہ تو بڑی زیادتی ہوگی ان کا یہ سمجھنا۔

اصل میں معاملہ کچھ یہ ہوا کہ ہمارے غالب کے پیشِ نظر جو کلام رہا، زیادہ تر، وہ صفوی عہد کے شعراء کا تھا جس کا خاتمہ ہوا حزیں پر۔ یہ طرزِ شاعری جو ہے وہ بعد کو ایران میں مقبول نہیں رہا۔ وہ سادگی پسندائی، اور اس کے بعد پھر آذر وغیرہ تھے۔ غالب کو جو ایک چھوٹا سا REVOLUTION جو ہوا تھا ایران میں، اس کی مطلقاً خبر نہ تھی۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ عہد قاچار، جو مجمع الفصحا کے عہد کی شاعری ہے، قاآنی جس کا سب سے مشہور REPRESENTATIVE ہے، اب یہ لوگ واپس گئے منوچہری اور فرخی وغیرہ کی طرف۔ غالب نے حالانکہ تھوڑا بہت قاآنی کا کلام دیکھا تھا مگر ان کے فارسی کلام میں کہیں بھی اس کا نشان نہیں ملتا کہ وہ اس سے کسی حد تک بھی متاثر ہوتے تھے۔ تو یہ ایک بڑا مقدس ——

اور پھر اس کے بعد مغربیت آگئی، ایران میں۔

تو غالب کا اسلوب شاعری جو تھا نا، تو ان چیزوں سے بہت مختلف تھا۔ اور ایک متروک طرز تھا۔ تو وہ متروک طرز جو ہے، آج کل مقبول طرز کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور ہمارے یہاں اس قسم کا انقلاب ہوا نہیں، جیسا ان کے یہاں ہوا تھا۔ یہ وجہ ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں پسند نہیں ہے جو ایسا کہتے ہیں انھوں نے صائب کے متعلق لکھا ہے، وہی مجمع الفصحا آذر نے لکھا ہے: "طرز نکوئی ندارد" حالانکہ صائب کا کلام اب پھر ایران میں مقبول ہونے لگا ہے۔ اس کا انتخاب کیا، پورا دیوان شائع ہوا ہے۔

ضیاء الحسن فاروقی: قاضی صاحب! ایک خیال کہیں دیکھا لکھا

ہوا کہ تاریخ ادبیات فارسی جسے ہم کہتے ہیں، اس سے پورے طور
سے غالب واقف نہیں تھے، مطالعہ نہیں کیا تھا انھوں نے،
گو اِمطالعہ جیسے کہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے، کہیں کچ
STATEMENT ہے]

قاضی صاحب: یہ میرا بھی STATEMENT ہے اور بالکل
سو فیصدی صحیح STATEMENT ہے جس کو میں پوری طرح ثابت
کرنے کے لئے تیار ہوں جب آپ زحمت فرمائیں، میں آپ کو
SATISFY کردوں گا۔

[مگر کیا قاضی صاحب، غالب کے بڑے شاعر ہونے
میں اس سے کچھ کمی آجائے گی اگر انھوں نے فارسی زبان کا
پورا احاطہ نہیں کیا]

قاضی صاحب: رات ہی میں نے ایک براڈشیور کے لئے
تھوڑی سی مختصر عبارت لکھی جس میں آخری جملہ یہ تھا:
"That on occasions his theory
is not in consonance with his
practice and that he is not as
great a Persian scholar as he
claims to be, this does not detract
much from his greatness as
a literary artist."

تو میرا بھی یہ خیال ہے شاعر کے لئے GRAMM-
RIAN ہونا کیا ضروری ہے۔ ظاہر ہے یہ کہ اتنی حد تک
تو زبان جاننی ضروری ہے کہ وہ اسے استعمال کر سکے لیکن
GRAMMER کی Intricacies سے اس کی واقفیت
مطلقاً ضروری نہیں ہے۔ گویا LEXICOLOGIST نہیں
ہے جو لفظوں کی تحقیق کیا کرے۔ ارے، شاعر تو بالطبع ذرا
بہت ہی بے صبر قسم کا آدمی ہوتا ہے، اس سے یہ اتنی محنت
کہاں ہوگی۔ اور ہرگز اس کی شاعرانہ عظمت میں کمی نہیں آتی
ہے اگر دو سو جگہ پر بھی غلطی کرے۔
جیسی شاعری وہ کرتے تھے اس کے لئے کافی ہے۔

[**عابد حسین**: اور ان کی زندگی جن حالات میں گذری ہے، اُسے
بے چارے کو کہاں موقع ملتا کہ وہ ـــــــ

قاضی صاحب: کہاں موقع ملتا! اور یہ ان کی غلطی تھی کہ
انھوں نے قاطع برہان کی سی کتاب لکھی۔ اور وہ خود کہتے ہیں
کہ ـــــ جس وقت میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں میرے پاس
دساتیر اور برہان قاطع کے سوا کوئی کتاب نہیں موجود۔ کسی
ڈکشنری کی آپ [illegible] کریں، اور [illegible]
کبھی اس نوع کا کہ صاحب فلانا لفظ کسی نے استعمال ہی نہیں
کیا ہے، دنیا میں کسی بھی جگہ نہیں پایا جاتا ہے سوائے برہان
قاطع کے، تو یہ تو اپنے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ اپنے ساتھ ظلم کرنا
ہے۔ بڑی آسانی کے ساتھ ان کے مخالفین نے یہ بات ثابت
کردی کہ پچاسوں جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

تو کسی بھی شاعر کے لئے مورخ ادب یا GRAMMARIAN
ہونا ضروری نہیں ہے۔ کسی شخص نے ہومر کا نیا ترجمہ کیا۔ میتھو
آرنلڈ صاحب نے اس پر کچھ اعتراضات کئے۔ وہ شخص جو تھا
ان سے یونانی زبان کہیں زیادہ جانتا تھا۔ تو اس نے اس پر
پھر جو مضمون لکھا، آرنلڈ نے، تو وہ اس میں لکھتا ہے کہ
اسکالرشپ میں تو میں ان کا بالکل مقابلہ نہیں کرسکتا، مگر میں
سمجھتا ہوں کہ جتنی یونانی میں جانتا ہوں وہ بھی شاید
APPRECIATION میں خلل انداز ہوتی ہو۔ میرا یہ VIEW
نہیں ہے، مگر ایک بڑا نقاد کا یہ VIEW ہے۔

[**گوپال مِتّل**: تو قاضی صاحب آپ نے عالمی ادب کی بات
رکھی۔ اردو فارسی کی جو شاعری ہے، یا کم سے کم محدود حد میں
اس میں آپ غالب کو کیا مقام دیتے ہیں؟]

قاضی صاحب: اُردو میں ایک عظیم شاعر ہے۔ عظیم شاعر ہے بلاشبہ! (رہی فارسی) میرا خیال یہ ہے کہ مختلف درجے ہیں نا فارسی شاعری کے۔ فارسی شاعری کی عمر ہے ہزار سال سے زیادہ اب اگر آپ ان کا مقابلہ کیجیے گا فردوسی سے، غلط بات ہوگی۔ کیونکہ یہ بالکل مختلف طرزِ شاعری ہے۔!

[ایک آواز: EPIC

قاضی صاحب: جی ہاں، اور غالب جو ہیں انھیں LYRICAL ہی کہیں گے آپ اُردو کے شاعر کو؛ اور کیا کہیں گے۔!

——— ہاں، ایک بات یہ بھی کہی گئی تھی، کہ غالب کے یہاں فارسی کے اشعار کا ترجمہ ہے۔ تو ترجمہ بھی، اگر وہ شاعر اس بات کا دعویٰ کرے کہ مضمون میرا ہی پیدا کردہ ہے، نادر یعنی اپنا،

تو یہ تو ظاہر ہے یہ کہ صحیح نہیں ہے دعویٰ، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی نظر سے یہ شعر گذرا ہے۔ لیکن یہ ایک زبان سے دوسری زبان میں اس طرح کسی مضمون کو منتقل کر لینا کہ اس میں ایک اعلیٰ درجے کی شعریت پیدا کی جائے، یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ اور یہ بجائے خود فن ہے۔ چنانچہ یہاں تک لوگوں نے کہا ہے، ایمرسن کا قول ہے، کہ:

Next to the writer of a good sentence is the first quoter of it"

آندرے بریتاں جو سوریلسٹس کا لیڈر ہے، اور ہربرٹ ریڈ جو اس کا انگلستان کا Counter part ہے، یہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ Quotation کرنا بھی بجائے خود ایک CREATIVE ہے۔

[عابد حسین: ہاں یہ تو مقالہ نگار نے بھی کہا ہے]

بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں، سوریلسٹ، کہ مثلاً آپ سمندر کے ساحل پر چلے جائیے، وہاں پر چھوٹے چھوٹے PEBBLES ہوتے ہیں، کوئی گھونگا ہوتا ہے۔ اگر آپ اس میں سے SELECT کر کے لے آئیے کسی کو جس میں کوئی خوبصورتی ہو تو یہ بھی ایک WORK ہے، تو جب یہ WORK ہو سکتا ہے تو پھر یہ کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں شعر کا، کسی مضمون کا، منتقل کرنا کیوں نہیں۔

اور پھر غالب نے یہ نہیں کیا ہے کہ بالکل ترجمہ کر لیا ہو، ایسا بہت کم کیا ہے۔ عام طور پر کچھ نہ کچھ فرق اس میں پیدا کر دیا ہے۔

[عابد حسین: صحیح ہے؛ کوئی نہ کوئی خوبی پیدا کر دی ہے اس نے کوئی نہ کوئی خوبی پیدا کر دی ہے، اور ایک نیا پہلو پیدا کر دیا ہے اُس مضمون کا۔

[نقوی: میں اپنی معلومات کے لئے ایک بات دریافت کرنا چاہتا تھا۔ غالب کا ایک شعر ہے کہ:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

کسی شاعر کا، مجھے نام یاد نہیں لیکن، وہ شعر یاد ہے، وہ کہتا ہے:

اے گُل چو آمدی ز زمیں، گو، چگونہ اند
آں ....]

ٹھیک ہے، اپنی جگہ پر وہ بھی شعر بہت اچھا ہے۔

[نقوی: مگر چونکہ اس نے کنایۃً رکھا ہے اس لئے اس میں لطف زیادہ ہے۔ غالب نے چونکہ صراحتاً بیان کر دیا ہے اس لئے ———

عابد حسین: نہیں؛ غالب کے یہاں بھی دیکھئے "سب کہاں کچھ"!]

قاضی عبد الودود: کیا صورتیں ہوں گی۔!

[عابد حسین: جی ہاں؛ کیا صورتیں۔!]

قاضی عبد الودود: رہی آئین اکبری کی تقریظ کی بات تو وہاں تو مطلب یہ ہے کہ یہ خاکسار موجود ہے، اس خاکسار کے موجود ہوتے

ہوئے آپ ابوالفضل کی طرف کیوں جائیں۔ اب رہا یہ کہ اس سے یہ
معلوم ہوتا ہے نا، کہ انگریزوں کے آئین کی تعریف ہے تو سرسید
یہ کب لکھ رہے ہیں آئین اکبری میں کہ وہ آئین جو تھا بہتر تھا۔ اب
رہا یہ کہ غالب کا کچھ ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ہی بالکل
[دوسری چیز] ہے، صرف زمانۂ حال میں سروکار رکھیے اور ماضی پر لعنت
بھیجیے۔ یعنی کم از کم اس تقریظ سے یہی ——— حالانکہ یہ بالکل
غلط بات ہے۔

[ضیاء الحسن فاروقی: حالانکہ وہ خود اس زمانے میں تاریخ لکھ
رہے تھے]

قاضی صاحب: تو، تاریخ تو وہ کہتے ہیں کہ ایسا موضوع ہے
کہ جو میری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ حالانکہ فلسفیانہ تاریخ لکھی جاتی وہ
امرِ دیگر ہے، لیکن معمولی تاریخ جو ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ واقعات
بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتی؛ اور یہ مواد جو
ہے جو مہر نیم روز کے لئے ہے، وہ دوسرے لوگ بھیج دیتے ہیں،
کتابوں سے اخذ کر کے، میں اپنی عبارت میں پیش کر دیتا ہوں۔
بادشاہ کو خوش کرنا مقصود ہے۔ تو اس سے وہ مورخ تو نہیں ہو سکتے!

[نقوی صاحب: ہمارے عابد حسین صاحب نے ایک بات
کہی تھی کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ بڑی ہو گئیں۔ اس نے
باقاعدہ ارادہ اور قصد کر کے نہیں کہا۔ اور وہ خود کہتا ہے:

ع شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن ——— اس
بارے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ———]

قاضی صاحب: آپ نے تو خطوطِ اردو کے بارے میں کہا تھا!

[عابد حسین۔ جی ہاں! کچھ خطوط تھوڑے سے، آسان اور سہل۔
جو انھوں نے یہ سمجھ کر نہیں کہے۔]

اور شہرتِ شعرم جو اس نے کہا ہے میرا خیال ہے فارسی
کلام کے بارے میں کہا ہے۔

قاضی صاحب: اچھا پھر یہ کمال ہے اسی غزل میں آگے جو شعر
کہے اسی کا ایک یہ ہے کہ،

دفترِ اشعار بابِ سوختن خواہد شدن

یعنی کیا بک رہے ہو غالب! زمانے کی روش تو ایسی ہے
کہ تم یہ کہہ رہے ہو شہرت ہوگی، زندگی جاوید حاصل ہوگی۔ ارے
تمھارے اشعار کا دفتر جلا دیا جائے گا۔ اور خدا جانے اور کیا کیا کہا
ہے، لمبی داستان ہے اس کی۔

[عابد حسین: ہاں خیر، یہ تو آدمی پہ مختلف کیفیتیں گزرتی ہیں]

○

رہا عامۃ الناس کے لئے شاعری کا معاملہ تو میرے
خیال میں تو غالب کی شاعری اس کے برعکس
HIGHLY SOPHISTICATED کی شاعری ہے، اس کی
سوسائٹی SOPHISTICATION کے جس درجے پر پہنچی ہوئی
تھی۔ پھر یہ کہ، معمولی بات کو بھی اس انداز سے کہتا ہے جیسے
آسمان سے بات کر رہا ہے۔ اب وہ کیا شعر ہے: 'نقش پا پایا'۔
اس کا کیا مطلب ہے (مرتب: عدم سے پرے والی بات)
ہاں، یہی۔ مگر امکان سے پرے، عدم سے، یعنی کیا! لیکن
یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کوئی بہت ———

ایک بات اس کے یہاں یہ بھی ہے کہ فکر ہے۔ اسے آپ
SPECULATIVE تو نہیں کہہ سکتے لیکن LOGICAL
ضرور ہے۔ اس کے ساتھ ایک اہم چیز SENSE OF
HUMOUR ہے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اب وہ کیا شعر ہے:

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

اس میں جو IRONY ہے وہ ———

پھر اس کے اشعار PICTORIAL ہوتے ہیں۔
(اور آخری بات یہ کہ) فارسی کی ترکیبیں بھی، ان کا
استعمال بھی، اس کی شاعری کو اہم بناتا ہے) ●●

(غالب کی عظمت: مرتبہ عابد رضا بیدار، ۱۹۶۹ء)

غالب کے اشعار فارسی کا ایک مجموعہ

غالب کے کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین نسخہ[1] جو اس وقت موجود ہے، کتب خانۂ خدا بخش پٹنہ میں ہے۔ اس کے متعلق میرا مقالہ اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں جزءً پڑھا جا چکا ہے، اور کلاً انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ کے شش ماہی رسالے «مجلۂ ادارۂ علوم اسلامیہ» کے شمارۂ دوم میں شائع ہو رہا ہے۔ اس کے بعد جو سب سے پرانا نسخہ[2] ہے، وہ بھی اسی کتبخانے میں ہے۔ کاتب[3] نے اپنا نام نہیں بتایا، لیکن، یہ لکھا ہے کہ کتابت نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ کی فرمایش سے ہوئی اور اسکا اتمام اواخر سنہ ۱۲۵۷ھ میں ہوا۔ اس پر بھی میں نے ایک مقالہ تحریر کیا ہے، جو خواجہ احمد فاروقی صاحب، دانشگاہِ دہلی کے رسالے میں عنقریب شائع کریں گے۔

کتبخانۂ دانشگاہ علی گڑھ میں نواب محمد اسماعیل خان مرحوم، نبیرۂ شیفتہ کی دی ہوئی جو کتابیں ہیں ان میں سے ایک غالب کے اشعار فارسی کا مجموعہ ہے۔ اس پر بھی کاتب کا نام نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ یہ کاتب کلیات سنہ ۵۷ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں ایسی چیزیں جو کلیات سنہ ۵۷ھ میں ہیں، برائے نام ہیں اور اسے اُس کا تتمہ سمجھنا چاہیے۔ ظاہراً وہ چیزیں جو اس میں بھی ہیں اور نسخہ سنہ ۵۷ میں بھی، سہواً درج ہوگئی ہیں۔ کاتب نے سنۂ کتابت نہیں بتایا، مندرجات اس پر مشعر ہیں کہ اسکا اختتام مأۃ سیزدہم کے عشرۂ ہفتم کے اوائل میں ہوا ہوگا۔ اس مجموعے میں عبارات نثر جو بطور عنوان درج ہیں، وہ کلیات مطبوعۂ لکھنؤ سے غیر حاضر ہیں۔ اگر کوئی چیز کلیات سنہ ۵۷ اور اس مجموعے میں مشترک ہے، تو اسکا ذکر کردیا گیا ہے، اور کوئی چیز مجموعے میں ایسی ہے، جو کلیات مطبوعۂ لکھنو میں نہیں یا مختلف طور پر ہے، تو اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے مندرجات حسب ذیل ہیں:

(۱) ترکیب بند «زین‌ا خرابی کہ در جہان افتاد» (۲) ترجیع بند در تہنیت عید:

---

۱ و ۲ — موجودہ معلومات کے مطابق۔

۳. ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب کا خیال ہے کہ کاتب فخرالدین خان، شہزادہ ہیں۔ انھوں نے خود کے ہاتھ کی متعدد تحریریں دیکھی ہیں۔ شیفتہ نے گلشن بیخار میں ان کی نسبت لکھا ہے: «تبییض مسودات من علاقہ باشان دارد».

«باز برانم که نیاز آورم» (۳) مخمس «درمهد دستبرد باژدر کند علی» (٤) مثنوی «بعد احمد ایزد و ختم رسل» یہ کلیات مطبوعہ میں ۱۲۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف فضل حق خیرآبادی کی فرمایش سے ہوئی تھی اور غالب نے اسے شعر ذیل پر تمام کر دیا تھا۔

لثرت ابداع عالم خوبتر | یا بیک عالم دو خاتم خوبتر

لیکن، صاحب فرمایش اس سے آزردہ ہوئے، تو انہوں نے باقی اشعار کا اضافہ کردیا۔ میں اس کے بارے میں «جہان غالب» کی اس قسط میں جو غالباً خاور (ڈھاکہ) میں شائع ہوئی تھی، اپنی رائے بالتفصیل ظاہر کر چکا ہوں، لیکن، اس وقت یہ مجموعہ پیش نظر نہ تھا۔ اس کے مطالعہ سے یہ منکشف ہوا کہ در اصل دو مثنویاں تھیں، جو ظاہرا مختلف اوقات میں کہی گئی تھیں، کلیات مطبوعہ میں دونوں ملاکر ایک کردی گئیں۔ مجموعے میں پہلی مثنوی اشعار ذیل پر ختم ہوتی ہے، جن میں سے صرف پہلا کلیات مطبوعہ میں ہے:-

من مبک روحم گر انجان نیستم | صد نشان پیدا ست پنہان نیستم
غالب آہنگ دعا را ساز دہ | بہر آئین[2] بخت را آواز دہ
گفتہ ام زین پیش بیتے دلنشین | آورم از خویش بیتے دلنشین
«بر[3] دعائے شہ سخن کوتاہ باد | تا خدا باشد بہادر شاہ باد»

(۵) مثنوی «باز برانم کہ بدیباے راز» (٦) مثنوی «من کہ درین دائرۂ لاجورد» (۷) مثنوی «اے کہ میگوئی توانا کردگار»۔ کلیات مطبوعہ میں مثنوی «بعد حمد ایزد و نعت رسول» کا جزو ہے، مگر «اے» کی جگہ «وین» سے شروع ہوتی ہے۔ (۸) مثنوی «بنا میزد زہے مجموعۂ راز» (۹) مثنوی «مژدہ یاران را کہ این دیرین کتاب» (۱۰) «قصیدہ در منقبت علی مرتضیٰ مذیل بمدح محب آل رسول واجد علی شاہ بادشاہ اود دام اجلالہ»: «سخن ز روضۂ رضوان بکوے یار کشد» (۱۱) «در مدح حضرت سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی خلد اللہ سلطنتہ»: «سحر کہ باد سحر عرض بوستان گیرد» کلیات مطبوعہ میں اس قصیدے کا ممدوح بہادر شاہ کی جگہ نرندر سنگھ (راجۂ پٹیالہ) ہے۔ مجموعے میں وہ مصرع جس میں ممدوح کا نام آیا ہے یوں ہے: «ز بس کہ بادشہ بحروبر بہادر شاہ» اس کے بدلے کلیات مطبوعہ میں یہ مصرع ہے: «ز بس کہ راجۂ سلطان نشان نرندر سنگھ» (۱۲) «در قدوم نواب گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ بہادر دام اقبالہ»:-

شادم کہ گرد موکب نواب نامدار | گردید کحل بینش اعیان این دیار
فرزانہ ہارڈنگ کہ در دفتر قضا | القاب اوست داور فرزانگی شعار

۱۔ پہلا مصرع دبا گیا ہے مگر مراد مکمل نظم سے ہے، ایسا اور جگہ بھی کیا گیا ہے۔
۲۔ کذا، مگر «آیین» چاہئیے
۳۔ یہ غالب کی مثنوی سرمۂ بینش کا شعر ہے۔

م موکب مگوے روشنی روشان چرخ — موکب مگوے تازگی موسم بہار
م آوازۂ گرایش نصرت ز ہرطرف — اندازۂ کشایش دولت ز ہرکنار
م رہ بر نظارہ بند ز گردان تیغ زن — جابر اشارہ تنگ ز شاہان تاجدار
م دلہا شکستہ درتن گردان ز دور باش — خونہا فسردہ در رگ شاہان ز گیوودار
دستے بملک گیری و دستے بدل بری — صد تیغ در یمین و دو صد گنج دریسار
داور مگوے خسرو سلطان و بادشاہ — داور مگوے قیصر و خاقان و شہریار
ہم در سبہ بکوشش گردان نامجوے — ہم در کلہ بنازش شاہان نامدار
بافر خسروانی و فرمان خسروی — بر خود نہادہ نام امیری ز انکسار
آرے روا بود کہ بگفتن جہانیان — خورشید را ستارہ شمارند در شمار
م یا بد ز فرحی بسرش ہئیت کلاہ — تاجیکہ ماندہ است ز جمشید[1] یادگار
م گیرد زخرمی برخش صورت وقوع — فیضیکہ میرسد ز بہاران بروزگار
م سرو[1] سہی بسایہ بر آید ز مغز خاک — صد رنگ گل بجلوہ بروید ز نوک خار
م از نشر فوج قطعۂ گلشن شود زمین — از سم رخش سودۂ گوہر شود غبار
م میدان ز گرد سرمہ فروشد بچارسو — توسن ز خوے ستارہ فشاند برہگذار
م اے ماہ نیم ماہ ز خوبی بوقت عیش — وے مہر نیم روز ز تابش بگاہ کار
م اے برسباط بزم تو زاور غزلسراے — وے برسماط جود تو حاتم وظیفہ خوار
م اے آن کہ از اقامت غالب بہ پیشگاہ — دام ترا ہماے ہمایون بود شکار
م آنم کہ چون بمسند شوکت[2] کنی جلوس — آرم بنذر سلک گہر ہاے شاہوار
م چون من گہر فروش نہ باشد بہر بساط — چون من سخن سراے نہ خیزد ز ہردیار
م پاداش[3] جانگدازی من در طریق نظم — رشحے بشاد کامی من از قلم بیار
جلدوے کار سازی من در مہم مدح — دستے بدستگیری من ز آستین برآر
م فرزانہ داورا وکرم پیشہ سرورا — دارم داے ز زخم جفاے فلک فگار
م سوزیکہ در دل است فرو میخورم بدل — زین رو چو شمع نیست مرا دیدہ اشکبار
م گردم زدم ز لاف صبوری نہ راستیست — باغم چہ تاب دعوی و بر دل چہ اختیار
م از غصہ[4] خون شدی و فرو ریختی ز چشم — گر دل ببخشش تو نبودے امید وار
شاد است دل کہ داور دہری و دلنواز — سہل است غم کہ والی ملکی و غمگسار
م زان رو کہ نامہ را بدعا ختم می کند — لطفم[5] ترانہ سنج دعا گشت گوش دار
م خواہم بصد نشاط کہ باشم بصد نشاط — خواہم ز روزگار کہ باشم بروزگار
م من از تو شادمان و تو از بخت کارساز — من از تو کامیاب تو از آفریدگار

۱۔ کلیات پرویز

۱۔ یہ شعر کلیات میں "از نشر الخ" کے بعد ہے۔ ۲۔ کلیات: دولت ۳۔ یہ شعر کلیات میں "زان رو الخ" سے قبل
۴۔ کلیات: در سینہ ۵۔ کلیات: شوقم

یہ قصیدہ کلیات مطبوعہ کا قصیدۂ پنجاہ و ہشتم ہے اور اشعار دونوں میں مشترک ہیں یہ وہ اشعار ہیں جن کے آغاز میں میں نے م=مشترک لکھ دیا ہے۔مجموعے کے اشعار کلیات مطبوعہ میں نہیں ہیں، اور موخر الذکر کے اشعار مقدم الذکر سے غیر حاضر ہیں۔ کلیات میں لارڈ ھارڈنگ کی جگہ شو دھیان سنگھ (راو راجہ الور)ممدوح ھیں ۔ اس میں قصیدے کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے ۔

گرد آورد بشکل فرس باد را بہار | تا شود ھیان سنگھ بہادر شود سوار
فرزانہ راو راجہ کہ بارائے روشنش | کس آفتاب را نبرد نام زینہار

(۱۳) «در تہنیت فتح ممالک پنجاب» : «رسیدہ است بگوشم صدائے فتح الباب»
(۱٤) «ساز نوا ھاے آشفتہ بدستان سنجی غمہاے نہفتہ» : «از نکوئی نشان نمی خواہم»
(۱۵) «در تہنیت جشن نو روزی» : «دوش در عالم معنےٰ کہ ز صورت بالا ست»
(۱٦) در تہنیت عید رمضان» : «عید است و نشاط و طرب و زمزمہ عام است»
(۱۷) «در تہنیت عید قربان» : «عیداضحیٰ بسر آغاز زمستان آمد» (۱۸) «خیز تا بنگری بشاخ نہال» (۱۹) «در تہنیت نوروز عالم افروز سنہ ۱۲٦۸ ہجریہ» : دیگر بدان ادا کہ وزد در بہار باد» (۲۰) «در تہنیت عید رمضان» : «ما ھمانیم و سیہ مستی ہر روزہ ھمان» (۲۱) «در تہنیت عید قربان»: «دادکو تا ستم براندازد» (۲۲) «در تہنیت ولیعہدی» : «داور سلطان نشان آید ھمی» (۲۳) «در تہنیت نوروز» : خورشید ز بیت الشرف خویش در آمد» (۲٤) «در تہنیت عید رمضان» : «گفتم حدیث دوست بقرآن برابر است» (۲۵) «در تہنیت عید قربان» : «دمیکہ گشت نوامندی تماشا را» (۲٦) «در تہنیت نوروز» : «در بہاران چمن از عیش نشانے دارد» (۲۷) «ایضاً» : «شکر کہ آشوب برف و باد سر آمد» مجموعے میں اس قصیدے کے ممدوح بہادر شاہ کے دوسرے ولیعہد ہیں، جن کا ایک لقب «فتح الملک» تھا. کلیات میں ایک شعر بالکل بدل دیا ہے اور دو شعروں میں تغیر ہوا ہے۔ اس کی بدولت یہ قصیدہ کلیات میں ولیعہد کی جگہ ملکۂ وکٹوریا کی مدح میں ہے ۔ ذیل میں پہلے مجموعے اور اس کے بعد کلیات کے یہ تینوں شعر نقل کئے جاتے ہیں :

گلکدۂ بیخزان ز روئے حقیقت | بزم ولیعہد کیقباد فر آمد
خامہ رقم زد بنامہ مطلع دیگر | تا سخن از فتح ملک و بوظفر آمد
شاہ ولی عہد عین یکدگر آمد | فتح بمعنے مرادف ظفر آمد

*

گلکدۂ بیخزان ز روئے حقیقت | بزم شہنشاہ کیقباد فر آمد
خامہ رقم زد بنامہ مطلع دیگر | تا سخن از فتح و نصرت و ظفر آمد
نامہ ز وکٹوریا چو نامور آمد | از افق نامہ آفتاب بر آمد

(۲۸) «در تہنیت غسل صحت حضور اقدس» : «در روزگارھا نتواند شمار یافت» اس قصیدے

کے کل اشعار ٦٦ ہیں اشعار ٢٥ تا ٦٦ حسب ذیل ہیں :

عنوان[1] رنگ و بو رقم دلفروز جست — بستان آرزو شجر میوہ دار یافت

ن رنج از نہاد خسرو دیندار رخت بست — مقبول شد دعا و دوا اعتبار یافت

ن طرف کلہ قسم بسر تاجدار خورد — روے نگین نشان ز شہ نامدار یافت

ن گردد دوتا چو رشتہ شود استوار تر — عمر دوبارہ خسرو فرخ تبار یافت

ن آرے ز عمر خضر و مسیحا برد گرو — این نقد زندگی کہ شہنشہ دوبار یافت

بالد چنان ز ناز کہ پہلو زند بتاج — از بس کہ تخت پایگہی استوار یافت

نازد چنان بخویش کہ بالد بروے تخت — امروز[2] تاج کام دل اندر کنار یافت

دولت سپند سوخت کہ دین[3] تازہ روئے شد — دین[4] آفرین سرود کہ دولت مدار یافت

ن جشنے است چشم روشنی شہریار را — خود چشم شہر روشنی از شہر یار یافت

ن صاحبقران صورت و معنی ابو ظفر — کز نام وے قلم نفس مشکبار یافت

بزمے[5] بکار سازی اقبال سازد او — کاقبال ناز را بمنش ساز کار یافت

بایستے انجم از پئے ترصیع تاج و تخت — نازم فروتنی کہ جواہر قرار یافت

یاقوت ساز چرخ کہ معدن دکان اوست — آورد ہرچہ در کمر کوہسار یافت

سنگے کہ نقش لعل و زمرد نبستہ بود — در سینہ خار خار ز جوش شرار یافت

خرشید را بچشم کواکب فزود ارج — تنہا نہ آبروے گہر شاہوار یافت

جمشید کش بشاہ سر ہمسری نبود — ساقی گری گزید و دوران حلقہ بار یافت

زین پس بسے میانۂ مردم سخن رود — از دور باشہا کہ جم از پردہ دار یافت

تقوی[6] نخواست بادہ ز انگور ساختن — در دور شہ بمیکدہ پروین فشار یافت

ن رضوان ز پیشگاہ خداوند نور و نار — فرمان نخلبندی دہلی دیار یافت

ن حوران خلد تا چہ بہم گفتگو کنند — ز آن پیچ و تاب ہا کہ درین شاخسار یافت

زحمت کشید گرچہ بہار اندر اہتمام — داند ہمی کہ سود برون از شمار یافت

آورد گونہ گونہ نشانہاے رنگ و بو — باخویش برد ہرچہ نہ درخورد کار یافت

گل را ز جوش رنگ بہنگامہ جا نبود[1] — اورد گر بہار تنش را فگار یافت

ن در بزم بس کہ رنگ ہوا بارد از ہوا — ہر سادہ رو کہ بیخبر آن جا گذار یافت

ن تا دست در شکستن طرف کلاہ زد — در رخ نشان غازہ و برکف نگار یافت

در راہ پای مزد غریبان شمردہ شد — در بزم قوت روح عزیزان قرار یافت

موجیکہ آب در گہر شاہوار زد — جوشیکہ خون بناف غزال تتار یافت

١— اشعار ١ تا ٢٥ مجموعہ اور کلیات میں ایک ہی ترتیب کے ساتھ بلا اختلاف موجود ہیں ۔ بعد کے اشعار کلیات میں کس ترتیب کے ساتھ ہیں اس سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے کلیات کی طرف رجوع کیا جائے ۔

٢— کلیات : از بسکہ ٣— کلیات : شد ملک تازہ روئی ۴— کلیات : ملک ٥— کلیات : جشنے ٦— کلیات : ہمسع

١— کلیات : کجاست

از گرد راه لیلی گیتی نقاب بست　　وز خط جاده ناقهٔ گردون مهار یافت

ور در شکار گاه خدنگے ز شست جست　　چشم غزاله سرمهٔ دنباله دار یافت

باشد بجائے و شبه[2] بمنزل زند فرس　　بالیدنش سزد که چنین شهسوار یافت

زینسان بفیض نامیه نامی نگشته بود　　صد بارم از گداز نفس آبیار یافت

دانم کز اقتضائے ز ماست کاین زمان　　شاخ بریدهٔ قلم این برگ و بار یافت

آرے چرا چنین نبود کز عطاے دهر　　آبان و مهر دسترس نو بهار یافت

کوه از هجوم لاله خود رو بخاک خفت　　خاک از نمود سنبل و ریحان غبار یافت

بے آنکه خواهش زر گل درمیان بود　　دامان گل نسیم بدست چنار یافت

امروز لاله را بسر کوهسار دید　　دهقان که دی بدامنهٔ کوهسار یافت

در وصف رنگ و بوے قوافی تبلم شد　　ناچار مدح شه بدعا اختصار یافت

این خوشدلی ز روز ازل بود آن شاه　　وقت آمد از سروش امانت سپار یافت

حاشا که مستعار بود هم چو عمر خلق　　عمر یکه شاه زنده دل از کردگار یافت

این عمر را شمار نداند مگر خدا[3]　　ورخود ز روئے هندسه گاهے شمار یافت

تقدیر کاروبار مسمی باسم داد[4]　　هر جا الف تبشت محاسب، هزار یافت

غالب نے هنگامه سنه ۵۷ کے بعد دستنبو لکھی اور اسے چھپوایا تو اس قصیدے میں ترمیم کرکے اس کتاب میں بطور «پیش لفظ» شامل کردیا اور ترمیم سے ممدوح بہادر شاہ کی جگہ ملکہ وکٹوریہ ہوگئیں - بعد کو یہ قصیدہ کلیات میں عنوان ذیل کے ساتھ داخل ہوا: «سی ام قصیدہ نیز در مدح شہنشاہ انگلستان» دستنبو اور کلیات میں اس قصیدے کے ٦٠ اشعار ہیں، مجموعے کے وہ اشعار جن کے آغاز میں «ن» مرقوم ہے کلیات سے غیر حاضر ہیں، اور کلیات کے اشعار ذیل مجموعہ میں نہیں ہیں :

از انتظام شاهی و آئین خسروی　　سور و سرور و دانش و داد انتشار یافت

بر خستگان هند ببخشود از کرم　　وکٹوریه که رونق ازو روز گار یافت

تاج و نگین علامت شاهیست در جهان　　این هردو هر که شد بجهان شهریار یافت

فرمانروائے ماست که از فر شوکتش　　شد تاج سرفراز و نگین اعتبار یافت

(۲۹) «در تہنیت عیدقربان» : «رهروان چو گهر آبله پا یند» - (۳۰) «ایضاً» : «زهے بتان مغان شیوه داد خواهانش» (۳۱) «درمدح ضریح مبارک» : «بیادر کربلا تا آن ستمکش کاروان بینی» (۳۲) «در مدح سلطان اوذ» : «رواست شور نشید و ترانه مستان را» (۳۳) «در تهنیت نو روز» : «باز پیغام بهار آورد باد» (۳۴) «در تہنیت عید رمضان» : «درین زمانه که از تار هائے روز دراز» (۳۵) «در تہنیت عید رمضان» : «بازم نفس از سینه بهنجار بر آمد» (۳۶) «در ستایش نواب محمد مصطفےٰ خان بہادر حسرتی» : «زخمه بر تار رگ جان میزنم»

---

۲ — شبه ؟　۳ — کلیات : تران شمرد دولت جاوید یافتن - ۴ — کلیات : از بس پر است جیب مسمی ز نقد اسم-

(۳۷) بدون عنوان «همانا اگر گوهر جان فرستم» (۳۸) «در مدح امین‌الدوله امداد حسین خان بہادر وزیر شاہ اود» : «ایا بکوشش و بخشش رئیس ملت و ملک» یہ کلیات کا قطعہ ۳۴ ہے (۳۹) «در ثنائے معظم‌الدولہ» : قطعہ ۳۹ کلیات (۴۰) «اے کہ گفتی کہ در سخن باشد» قطعہ ۴۳ کلیات (۴۱) «بورگ شاہ بوسہ زد نشتر» قطعہ ۴۲ کلیات - (۴۲) «در فتح ممالک پنجاب» : «چون بر ہزار وہشت صد و چل فزود شش» قطعہ ۴۰ کلیات (۴۳) «در مدح مرشد زادۂ آفاق مرزا فتح‌الملک بہادر» : «جم حشم شاہزادہ فتح‌الملک» قطعہ ۳۸ کلیات (۴۴) «بہار در چمن انداز گل فشانی کرد» قطعہ ۳۵ کلیات (۴۵) «در مبارکباد عید» : «دی بہ ہنگامہ ہنگام فرو رفتن مہر» قطعہ ۴۱ کلیات (۴۶) «چشم و چراغ دیدۂ مودود آنکہ ہست» قطعہ ۵۶ کلیات (۴۷) «چون تفضل حسین خان کہ ہنوز» قطعہ ۵۷ کلیات (۴۸) «قطعہ متعلق گلشن بیخار» یہ کلیات نظم مطبوعۂ لکھنؤ میں نہیں ہے، لیکن کلیات کے بعض خطی نسخوں میں ہے اور خود گلشن بیخار میں بھی ہے - (۴۹) «حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است» (۵۰) «دل برد و حق آنست کہ دلبر نتوان گفت» (۵۱) «نشاط معنویان از شرابخانۂ تست» (۵۲) «خوبان نہ آن کنند کہ کس را زبان رسد» (۵۳) «بتان شہر ستم پیشہ شہر یارانند» (۵۴) «چاک از جیبم بداماں میرود» (۵۵) «از رشک کرد آنچہ بمن روز گار کرد» (۵۶) «اے ذوق نواسنجی بازم بخروش آور» (۵۷) بیا بباغ و نقاب از رخ چمن برکش» (۵۸) «رفت برما ہرچہ خود ما خواستیم» (۵۹) «سرشک افشانی چشم ترش بین» (۶۰) «در ز مہریر سینہ آسودگان نہ» (۶۱) بر دست و پاے بند گرانے نہادۂ» (۶۲) تا (۶۷) کلیات مطبوعہ کی حسب ذیل رباعیاں مجموعے میں ہیں : ۶۸ (متعلق مرگ مومن) ۲۷، ۷۳، ۹۴، ۹۷ - سبد چین مرتبۂ جناب مالک رام کی رباعی «اے روے تو ہمچو مہر گیتی فروز» مجموعے میں ہے، مجموعے کے حاشیے میں شاہرخ سے متعلق رباعی ہے (سبد چین صفحہ ۷۷) -

(فکر و نظر، اپریل ۶۰ء)

غالبؔ کے کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ

غالبؔ نے اپنے کلیات نظم فارسی کا نام "میخانۂ آرزو سرانجام" رکھا تھا، لیکن اس کا کوئی ایسا نسخہ نہیں ملتا، جس میں یہ نام مرقوم ہو۔ علی بخش خاں، دیباچہ نگار پنج آہنگ" کا قول ہے کہ شمس الدین (احمد) خاں کے اوائل ۱۲۵۱ھ میں پھانسی پانے کے کچھ ہی بعد وہ جے پور سے دہلی واپس گئے تو اس زمانے میں یہ تازہ تازہ "فراہم" ہوا تھا۔ وہ نسخہ جو ان کے پیش نظر رہا تھا، اب ناپید ہے، اور قدیم ترین نسخہ جو اس وقت موجود ہے، کتب خانۂ خدابخش پٹنہ کا وہ نسخہ ہے جس کا ذکر اس کتب خانے کے مخطوطات فارسی کی فہرست جلد ۳ میں زیر شمارا ۴۴ ہے۔ اس کے کاتب لالہ چھیجل پدر جواہر سنگھ جوہر ہیں اور اس کی کتابت ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ میں تمام ہوئی تھی۔ اس کے بعد اسی کتب خانے کا ایک اور نسخہ ہے جس کا ذکر مطبوعہ فہرستوں میں نہیں ہے۔

مص کسی مجہول الاسم کاتب نے نواب محمد مصطفےٰ خاں کی فرمائش سے لکھا تھا اور اس کی کتابت ۱۲۵۷ھ کی ۱۵ ذیقعدہ کو تمام ہوئی تھی۔ کاتب کا قول ہے کہ "بنظر اکسیر اثر مرزا غالب تصحیح پذیرفت"، مگر کہیں کسی غلطی کی تصحیح نظر نہیں آتی، گو اس کا امکان ہے کہ حواشی میں جو اضافے ہیں وہ غالبؔ کے قلم سے ہوں۔

---

[۱] اس مقالے میں مخففات ذیل مستعمل ہوئے ہیں: خ = کلیات نظم فارسی ۱۴۴؛ خم = خ سے متعلق میرا مقالہ جو اسلامک اسٹڈیز انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے رسالے میں شائع ہوگا، مص = کلیات کا وہ نسخہ جس کی کتابت ۱۲۵۷ھ میں تمام ہوئی۔ مط = کلیات مطبوعہ لکھنؤ۔ اس مقالے میں عموماً کسی نظم کا ذکر کرتے وقت، اس کا مصرع اول نقل ہوا ہے اور مراد پوری نظم سے ہے۔ [۲] رجوع بہ خم [۳] رجوع بہ خم [۴] ڈاکٹر مختار الدین احمد کا خیال ہے کہ مص فخر الدین خاں خستہ کا لکھا ہوا ہے۔ شیفتہ نے ان کا حال گلشن بیخار میں تحریر کیا ہے۔

مص میں نثر کی صرف دو چیزیں ہیں، (۱) دیباچہ، یہ خ نہیں، مط کے مطابق ہے (۲) خاتمہ، یہ مط کی طرح تقریظ[1] کے عنوان سے مندرج نہیں، اس کے آغاز میں وہی عبارت ہے، جس سے خاتمۂ خ کی ابتدا ہوئی تھی۔ خ میں غالب نے سال ترتیب کلیات ۱۲۵۳ھ بتایا ہے، اور اپنی عمر کے متعلق لکھا ہے: "رصد نگار طالع من باندازۂ خراش پیک آسمانی در مشاہدۂ آثار سال چہل و یکم است" مگر مط میں ۱۲۵۳ھ کی جگہ ۱۲۷۸ھ اور چہل و یکم کے بدلے "شست و ششم" ہے۔ خ میں اشعار کی تعداد ۵ ہزار[2] درج ہے، مص میں باوجود اس کے کہ مص و خ کا زمانۂ ترتیب ایک ہی لکھا ہوا ہے، تعداد اشعار چھ ہزار ہے۔ مط میں بڑھ کر ۱۰۴۲۴ ہو گئی ہے۔

قطعات ذیل مص و خ و مط میں مشترک ہیں: ۱ تا ۴، ۶، ۹ تا ۱۱، ۱۵ تا ۱۷، ۱۹، ۲۲ تا ۲۶، ۴۵[3] تا ۵۳، ۶۰، ۶۱

قطعات ذیل مص و حواشی خ اور مط میں مشترک ہیں: ۱۲، ۱۴ (اس میں وہ شعر نہیں جو خ میں مٹا دیا گیا ہے) ۱۸، ۲۰، ۵۴۔

قطعات ذیل حواشی مص، حواشی خ اور مط میں ہیں اور عجب نہیں کہ مقدم الذکر میں خود غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں: ۲۹، ۵۵

۴ مثنویاں درد و داغ، چراغ دیر، رنگ و بو اور باد مخالف مص، خ اور مط تینوں میں ہیں اور مص میں ان کے عنوانات وہی ہیں جو خ میں ہیں۔ مص میں قصائد کا آغاز مط کے قصیدۂ اول "اے زوہم غیر غوغا در جہاں انداختہ" سے ہوتا ہے۔ جو خ سے غیر حاضر ہے۔ اس کی بیت اول سے قبل یہ عبارت ہے: "برچیدن بساط خردہ کاری بانجامیدن قطعہ و مثنوی و فاتحہ در نموداری و آغاز قوس نزولی قصیدہ نگاری

---

[1] غالب لفظ "تقریظ" کے صحیح معنی سے واقف نہ تھے، رجوع بہ غالب بہ حیثیت محقق۔ یہ نقد غالب میں شامل ہے۔ [2] یہ تعداد صحیح نہیں، رجوع بہ خم۔ [3] قطعہ ۴۸ بطور مثنوی ہے۔

بنگارش قصیدہ در توحید حضرت باری"۔ یہ عبارت مط میں نہیں ہے۔

وہ سب قصائد جو خ و مط میں مشترک ہیں اور جن کا ذکر ختم ہیں ہے، مص میں بھی ہیں، اور مص میں ان کے عنوانات وہی ہیں جو خ میں ہیں۔

قصائد ذیل مص و مط دونوں میں ہیں مگر خ میں نہیں۔ عنوانات جو مص میں ہیں مط میں نہیں ہیں:

قصیدۂ ۱۲ "درنعت صاحب الامر امام محمد مہدی ہادی علیہ التحیۃ والسلام وعلیٰ آبائہ الکرام"

قصیدۂ ۱۵ "قصیدہ در مدح سلطان سراج الدین ابوالمظفر (کذا) بہادر شاہ غازی"

قصیدۂ ۳۷ "افزائش نیرومی خامہ و آرائش نو ی نامہ بمدح داور والا گہر جناب مستر توبی پرنسپ بہادر کہ یارب اقبالش جاوداں و بہارش ایمن از خزاں باشد"

قصیدۂ ۵۶ "روشنگری آئینۂ سخن بجشمداشت قبول از شمس الامرا نواب محمد رفیع الدین خاں بہادر نائب والی حیدرآباد" مص کے ابتدائی دو شعر مط میں نہیں، ان کی جگہ اس میں ۵ شعر ہیں جو مص سے غیر حاضر ہیں۔ اشعار مص:

اے مظہر کل در ازل آثار کرم را منت بسر لوح ز اسم تو قلم را
شمس الامرا از اثر نسبت نامت خور قبلہ بداورنگ نشینان عجم را

مص میں مط کا پہلا ترکیب بند قصائد کے ساتھ درج ہے۔ یہ خ میں نہیں، اور اس کا عنوان مط میں نہیں: "آراستن کسوت سخن بطراز ترکیب بند در منقبت موماں خداوند"

مص میں غزلوں کا آغاز اسی عبارت سے ہوتا ہے جو خ میں ہے اور مط میں نہیں۔ ان تینوں کی پہلی غزل یہ ہے: "اے بخلا و ملا خوی تو ہنگامہ زا"

مط کی غزلہاے ذیل، خ کی طرح، مص سے غیر حاضر ہیں:

"چوں بقاصد بسپرم پیغام را"
"حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است"
"لب شیرین تو جان نمک است"
"ہر چہ فلک نخواستت ہیچکس از فلک نخواست"
"از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است"
"چو صبح من بسیاہی ز شام مانند است"
"دل بردہ حق آنست کہ دلبر نتواں گفت"
"بوادیکہ در آں خضر را عصا خفتست"
"با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست"
"تا بسویم نظر لطف جمس تا من است"
"نشاط معنویاں از شراب خانہ تست"
"ببند پرستش حالم نہ می تواں افتاد"
"خوباں نہ آں کنند کہ کس را زیاں رسد"
"چہ عیش از وعدہ چوں باور ز عنوانم نہ می آید"
"گر چنیں ناز تو آمادہ یغما ماند"
"باید نہمے ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند"
"چاک از جیبم بہ داماں می رود"
"بتان شہر ستم پیشہ شہر یارانند"
"دل ستاناں نہ خلند ارچہ جفا نیز کنند"
"نقاب دار کہ آئین رہ زنی دارد"
"ترا گویند عاشق دشمنی آرے چنیں باشد"

"از رشک کرد آنچہ بہ من روزگار کرد"

"کسے با من چہ در صورت پرستی حرف دیں گوید"

"بے دل نہ شد ار دل بہ بت غالیہ مو داد"

"چوزہ بہ قصد نشاں بر کماں بجنباند"

"پروا اگر از عربدۂ دوش نہ کردند"

"بہ مرگ من کہ پس از من بہ مرگ من یاد آر"

"اے ذوقِ نوا سنجی بازم بہ خروش آور"

"دوش آہنگ عشا بود کہ آمد در گوش"

"بیا بہ باغ و نقاب از رخ چمن برکش"

"گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آساں در بغل"

"بس کہ بپیچد بخویش جادہ ز گمراہیم"

"دیدم آں ہنگامہ بے جا خوف محشر داشتم"

"وایہ از سلطاں بہ غوغا خواستیم"

"سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دہیم"

"صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم"

"ہا پریچہرہ غزالان وز مردم رم شاں"

"چوں شمع رود شب ہمہ شب دود ز سرماں"

"سرشک افشانی چشم ترش بیں"

"بتے دارم از اہل دل رم گرفتہ"

"شاہا بہ بزم جشن چو شاہاں شراب خواہ"

"در زہر بہ سینۂ آسودگاں نہ"

"بر دست و پاے بند گرانی نہادۂ"

"گر نہ نوا ہا سر دو مے چہ غمستے"

"اے کہ گفتی نہ دہی داد دل و آرے نہ دہی"

مص میں مط و حواشی خ کی حسب ذیل غزلیں ہیں:-

"آشنا یا نہ کشد خار رہت دامن ما"

"من آں نیم کہ دگر می تواں فریفت مرا"

"اے کہ در پردہ بصد داغ نمایانم سوخت"

"ناداں صنم ما روش کار نہ دارد"

"در گریہ از بس نازکی رخ ماندہ بر خاکش نگر"

"تیغ از نیام بیہدہ بیروں نکردہ کس"

"در وصل دل آزاری اغیار نہ دانم"

غزل ذیل مص و مط میں ہے، لیکن اس کا صرف مطلع حاشیہ خ میں ہے:

"ساخت ز راستی بغیر ترک فسوں گری گرفت"

مط کی غزلہاے ذیل جو خ یا حواشی خ میں نہیں، مص میں ہیں:

"اگر بہ دل نہ خلد ہر چہ از نظر گذرد"

"ننگ فرہادم بہ فرسنگ از وفا دور افگند"

"ز من حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم"

مط کی غزل ذیل جو خ، حواشی خ اور مص میں نہیں، حاشیۂ مص میں ہے:

"نیست وقتیکہ بہ ما کاہشے از غم نہ رسد"

خ میں دو شعر جن میں سے ایک کٹا ہوا ہے، ایسے ہیں جو مط سے غیر حاضر ہیں، ان میں سے ایک مص میں بھی ہے۔

عبادت خانۂ خواہم جو قصر منعماں رنگیں   غم دینے کہ من دارم غم دنیاست پنداری

مط و خ کی مشترک غزلوں میں سے دو کا ایک ایک شعر خ میں نہیں، یہ غزلیں مص میں بھی ہیں اور ان میں سے ایک کا ایک شعر اس میں بھی نہیں ملتا:

سر رشتہ ہر کار نگہدار بہ مستی   آشفتگی طرہ بہ دستار میاموز

مط کی رباعیات ذیل مص میں ہیں: ۱ تا ۱۰، ۱۲، ۱۴ تا ۱۹، ۲۱ تا ۲۴، ۲۶ تا ۳۲، ۳۶، ۳۶ تا ۳۹، ۴۱ تا ۴۵، ۴۹ تا ۵۳، ۵۷، ۶۰ تا ۶۰، ۶۲ تا ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۱۔

رباعی ذیل جو خ میں ہے، لیکن مط میں نہیں، مص میں موجود ہے:

اے دادہ بہ باد عمر در لہو و فسوس   زنہار مشو ز رحمت حق مایوس
ہش دار کز آتش جہنم حق را   تہذیب غرض بود نہ تعذیب نفوس

۳ معمے (کل ۳ شعر) جو مط سے غیر حاضر ہیں لیکن خ میں ہیں، مص میں ملتے ہیں۔ مص کے اشعار کی جو مجموعی تعداد غالب نے بتائی ہے، صحیح نہیں، اس میں ۶ ہزار سے کم اشعار ہیں۔

نوٹ:۔ اس مقالے کی تحریر کی فرمائش جس وقت ہوئی، میں پا بر کاب تھا، اور علی گڑھ آنے سے بیشتر مص سے متعلق جو یادداشت جلدی میں میں نے لکھی، وہ جب علی گڑھ میں مقالہ لکھنے لگا تو ناکافی اور بعض جگہ غیر واضح پائی گئی۔ ممکن ہے پٹنہ واپس پہنچنے کے بعد اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو میں اس کی تصحیح کردوں، یا کوئی ضروری بات چھوٹ گئی ہو تو اسے بڑھا سکوں۔

یہ مقالہ ۱۹۶۰ء میں قلمبند ہوا تھا اور [illegible] پڑھا گیا تھا، اور مجلۂ علوم اسلامیہ بابت
دسمبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد [illegible] کی اشاعت ہوئی، اور ابھی حال میں جناب مسلم
ضیائی کا ایک مقالہ ایک قدیم تر نسخۂ کلیات نظم کے متعلق "اردو" میں نکلا ہے، ظاہر ہے کہ اب یہ [illegible] نسخۂ مکتوبہ
۱۲۵۲ھ [illegible] قدیم ترین [illegible] عنوان [illegible] رہنے دیا ہے [illegible] تھا۔
[illegible] بعض مقامات میں [illegible] کی جگہ [illegible] تھا، مکمل نقل کر دیا ہے
میں نے اس مقالہ کو برقرار رہنے دیا ہے۔

غالب کے کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین موجودہ نسخہ

علی بخش خاں، غالب کے برادر نسبتی «پنج آہنگ»‡ مصنفۂ غالب کے دیباچے میں لکھتے ہیں[1]:

«در آغاز سال یک هزار و دو صد و پنجاه و یک هجری شمس الدین خان را بقضاے آسمانی آن پیش آمد که هیچ آفریده مبیناد .. و بعد آن هنگامه هم درآن هنگام از جیپور بدهلی رسیدم، و بکاشانهٔ ... مولانا غالب ... فرود آمدم. چوں در آن ایام دیوان فیض عنوان که مسمیٰ بمیخانهٔ آرزو[2] سرانجام است، تازه فراهم آمده و بپیرایهٔ اتمام پوشیده بود، آن چه از نثر درآن همایون صحیفه ارقام داشت، همه را بخدمت والای آن خسرو اقلیم سخنوری خواندم».

اس اقتباس سے مستفاد ہوتا ہے کہ شمس الدین خاں کو پھانسی اوائل ۱۲۵۱ھ میں ہوئی تھی، علی بخش خاں اس کے کچھ ہی بعد دھلی پہنچ گئے تھے[2]، اور غالب کا دیوان فارسی اس زمانے میں تازہ تازہ مرتب

‡ مخففات: کث = کلیات نثر فارسی (لکھنؤ، ۱۲۸۴) کظ: کلیات نظم فارسی (لکھنؤ، ۱۲۷۹) کنخ: کلیات نظم کا وہ مخطوطہ جس کا تعارف مقصود ہے، کم: مخطوطۂ کتب‌خانۂ خدا بخش، زمانۂ اتمام کتابت ذیقعدہ ۱۲۵۷. اس سے متعلق راقم کا مقالہ «اردوے معلی» دھلی (فروری، ۱۹۶۰) میں شائع ہوا ہے.

[1] غالب: کلیات نثر فارسی: ۲ (لکھنؤ، ۱۲۸۴).

[2] غالب کے ایک فارسی خط میں ہے «علی بخش خان از جیپور آمده و بکاشانهٔ نامه نگار طرح اقامت کرده» کلیات نثر: ۵۱، خط پر تاریخ تحریر درج نہیں، مگر امور ذیل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ۱۲۵۱ھ کا لکھا ہوا ہے: (۱) مکتوب الیہ شیفتہ ہیں، جن کے «گلشن بیخار» کی تقریظ نوشتۂ غالب کی نسبت مرقوم ہے: «گرایش اندیشهٔ وفا پیشه بسنجیدن زمزمهٔ تقریظ بارهٔ بفرمان مهر است و لختی بهوای دل». (۲) تپاں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی وفات کو ۴ برس ہوتے ہیں (ان کے زمانۂ موت کے لیے «مآثر غالب»: ۵۶ کی طرف رجوع ہو).

*قاضی عبدالودود بار ایٹ لا. صدر ادارۂ تحقیقات اردو، پٹنہ

[2] پروفیسر آل احمد سرور نے اس تمنائی کا وہ حصہ جس میں اس کی بحث ہے، سن کر مجھ سے کہا کہ "میخانۂ آرزو سرانجام" ایک مکمل مصرع ہے

ہوا تھا. شیخ محمد اکرام صاحب نے «غالب نامہ» میں اس نسخے کا نام جو علی بخش خاں کے پیش نظر تھا «میخانۂ آرزو» بتایا ہے. جناب عرشی نے راقم‌الحروف کو لکھا تھا کہ اس پر «سر انجام» کا اضافہ چاہیے، وہ تو اس پر قائم نہیں رہے[1] لیکن میں نے اس سے اپنا اتفاق ظاہر کیا[2]. شیخ صاحب نے میری تحریر کا صراحةً ذکر کیے بغیر؛ «حیات غالب» میں اس کی اس طرح تردید کی ہے[3]:

«پنج آہنگ کی اصل عبارت یوں ہے «دیوان. سر انجام است» اس سے خیال ہوتا ہے کہ دیوان کا نام «میخانۂ آرزو سرانجام» تھا، لیکن، اس سے یہ نام بہت طویل بلکہ بیمعنی ہوجاتا ہے. اس کے علاوہ، کلیات غالب کے تمام نسخوں میں «میخانۂ آرزو» جلی قلم سے نمایاں کیا گیا ہے».

«میخانۂ آرزو سر انجام» بہت طویل ہے تو «سبدِ باغِ دو در» جو غالب کی آخری کتاب کا نام ہے اور یقین ہے کہ اُنھیں[4] کا رکھا ہوا ہو، اس سے کچھ ہی کم ہے

«میخانۂ آرزو سرانجام» غالب کی متعدد دوسری ترکیبوں کی طرح، بیدل کے رنگ میں ہے. بیدل کی مثنوی، «طلسم حیرت»[5] میں «غمخانۂ کلفت سرانجام» آیا ہے؛ غالب نے اسی کی تقلید کی ہے[6]. غالب کی ترکیب بے معنی ہے، تو یہ بھی بیمعنی ہے. بیت بیدل:

۱ علی گڑھ میگزین (غالب نمبر)م: ۱۱۴ مرتبہ: ڈاکٹر مختارالدین احمد (علی گڑھ، ۱۹۴۹)

۲ مآثر غالب: ۵۱ (علی گڑھ، ۱۹۴۹) ۳ شیخ محمد اکرام: حیات غالب: ۱۰۶

۴ «سبد باغ دودر» کا خطی نسخہ جناب سید وزیرالحسن عابدی کی مہربانی سے میں نے دیکھا ہو، ~~مگر اس وقت یہ نہیں کہہ سکتا کہ [illegible]~~.

غالب کے الفاظ یہ ہیں: «از آنجا کہ «سبد باغ دو در» یکہزار و دو صد و ہشتاد وسہ عدد دارد و از روی حسن اتفاق باآغاز نگارش صحیفہ مطابق افتاد، این نام لطفی دیگر دا[illegible]

۵ عبدالقادر بیدل: مثنوی طلسم حیرت: ۱۸ مطبع صفدری (بمبئی، ۱۲۹۹). بیدل کی بعض دوسری ترکیبیں جو «طلسم حیرت» میں ہیں، ملاحظہ ہوں: درین ویرانۂ افسردن انجام ۱۹، کنون کلک محبت نامہ ارشاد ۳۰، چہ شد آن آستان سجدہ تعلیم ۳۱، جنون تعمیر الفت خانۂ دل ۳۲

۶ غالب کی کچھ اور ترکیبیں جو بیدل کے رنگ میں ہیں درج ذیل ہیں: صورت‌خانۂ خمیازہ ۱۳، انتظار آباد حیرانی ۳۰، غفلت آرامی ۶۵ فنا تعلیم درس بیخودی ۷۱ غریب وحشت آباد تسلی ۱۲۲، آرزو خرامی ۱۶۳، غفلت متاع ۱۵۶، جنون علامت ۱۹ طرب انشای الفت ۱۹۸. حوالے نسخۂ حمیدیہ کے صفحات کے دیے گئے ہیں.

اس لطائف کی تحریر کے بعد جناب عرشی سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ اب میری رائے نام کے متعلق وہی ہے جو ابتدا میں تھی

درین غمخانۂ کلفت سر انجام   نصیب ما نشد یك داغ آرام

شیخ صاحب کا یہ قول کہ کلیات نثر کے کل نسخوں میں «میخانۂ آرزو» جلی قلم سے نمایاں کیا گیا ھے[1]، صحیح نہیں. یہ غالب کے دوران حیات میں صرف ایک بار چھپا تھا، اور اس نسخے میں یہ الفاظ ٹھیک اسی طرح مرقوم ھیں، جس طرح ان کے قبل و بعد کے الفاظ «مسمیٰ بہ» و «سرانجام است» ھیں[2]. اگر «میخانۂ آرزو» مقابلۃً جلی قلم سے لکھا بھی گیا ھوتا، تو یہ لازماً غالب کا فعل نہیں سمجھا جاسکتا. یہ نسخہ بہت غلط چھپا تھا اور «گزارش» میں مالک مطبع اودھ اخبار کو اس کا اقرار ھے کہ حسب دلخواہ طبع نہ ھوسکا: «در ایامیکہ طبع میشد.. اکثر اوقات باسفار دھلی و آگرہ و میرٹھ.. وغیرھا گذشت، اھتمامے و انتظامیکہ مکنون خاطر بود بظہور نرسیدہ». غالب کی موت کے بعد کلیات نثر کے جو نسخے چھپے ھیں، ان میں اگر «میخانۂ آرزو» اس طرح ھے، جس طرح وہ کہتے ھیں، تو انھیں اس دعوے کے اثبات میں کہ اس کا یہی نام تھا، مطلقاً مدد نہیں مل سکتی. اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل توجہ ھے کہ «پنج آھنگ»، کلیات نثر میں شمول سے پیشتر علحدہ بھی چھپی تھی، طبع ثانی میں جو اس وقت پیش نظر ھے، «میخانۂ آرزو» ٹھیک اسی طرح لکھا ھُوا ھے، جس طرح کہ کث میں ھے، اور جہاں تک مجھے یاد ھے، طبع اول کا بھی یہی حال ھے.

کلیات نظم کا کوئی خطی نسخہ ایسا موجود نہیں، جو «میخانۂ آرزو سرانجام» یا اس طرح کے کسی دوسرے نام سے موسوم ھو. کظ، «کلیات غالب فارسی» کے نام سے چھپا ھے. علی بخش خاں کے پیش نظر جو نسخہ تھا، ممکن ھے کہ اس میں مقدم الذکر نام درج ھو، مگر یہ نسخہ ناپید ھے.

---

۱   کث میں بکثرت الفاظ جلی قلم سے لکھے ھوئے ھیں چنانچہ اسی سطر میں جس میں کہ کلیات کا نام آیا ھے لفظ «غالب» جلی قلم سے تحریر ھوا ھے.

۲   اگر «سر انجام»، «سر انجام شدہ» ھے اور «سر انجام» اس طرح مستعمل نہیں، تو «سر انجام» کے بعد «است» نہیں بود ھونا تھا. «است» کا ھونا قطعی طور پر یہ ثابت کرتا ھے کہ یہ نام «میخانۂ آرزو سر انجام» ھے. اگر صرف «میخانۂ آرزو» نام ھوتا تو پہلے جملے میں لفظ «سر انجام» ھرگز نہ آتا، اور «آرزو» کے مابعد «است» ھوتا.

کلیات نظم کا قدیم ترین نسخہ جو اس وقت موجود ہے، کتبخانۂ خدا بخش بانکی پور کا مخطوطۂ ۴۴۱ ہے، جس کی مفصل کیفیت اس کتبخانے کے مخطوطات فارسی کی فہرست میں مرقوم ہے[1].

مرتب فہرست کا قول ہے کہ کاتب نے سال کتابت ۱۱۵۴ھ بتایا ہے، حالانکہ صریحاً تیرھویں صدی ھجری کا لکھا ہوا ہے. یہ حیرت انگیز غلطی ہے، کاتب کی عبارت ذیل جو اس نسخے کے بالکل آخر میں ہے ملاحظ ہو:

« یازدهم ربیع الآخر سنہ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و چہار ھجری در دہلی از خط بد نمط چھجمل مہمل سمت اتمام پذیرفت» .

اس عبارت میں « پنجاہ و چہار» کے اوپر ۱۲۵۴ صاف لکھا ہوا ہے. چھجمل یقین ہے کہ چھجمل ہوں جن کے نام کے خط « پنج آہنگ » میں ہیں. یہ جواہر سنگھ، جوہر شاگرد غالب، کے باپ تھے. جوہر کے نام کا ایک منظوم خط حواشی کخ میں ہے، اس میں یہ مصرع بھی ہے:

پدر نیز مشتاق دیدارتست

خاتمۂ کخ میں عبارت ذیل ملتی ہے:

« تا امروز کہ از ہجرت یک ہزار و دو صد و پنجاہ[2] وسہ سال گذشتہ و رصدنگار طالع من باندازۂ خرامش پیک آسمانی در مشاہدۂ آثار سال چہل[3] و یکم است» .

اس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ کخ میں ۱۲۵۳ کے بعد کی کوئی چیز شامل نہیں، لیکن، اس کے حواشی کا معاملہ جداگانہ ہے، ان میں ایک قصیدہ، دو رباعیاں، کئی غزلیں اور ایک غزل کا ایک شعر، اور چند مثنویات و قطعات ہیں، جو اتمام کتابت کے بعد کا اضافہ ہیں. ان میں سے بعض کا زمانۂ تصنیف معلوم ہے، اور یہ ۱۲۵۴ھ کے بعد ہے. حواشی میں غزلوں کے کچھ اشعار ایسے بھی ہیں، جو ظاہرا کاتب نے سہواً چھوڑ دیے تھے، اس کا احساس ہوتے ہی بڑھا دیے.

۱ دیکھیے A. Muqtadir : *Cat. of the Persian MSS. Bankipore* iii, pp. 269-272

۲ کظ میں « ہفتاد و ہشت » کم، کٹ اور پنج آہنگ اشاعت ۲ میں مطابق کخ

۳ کظ میں «ہشت و ششم» کم، کٹ اور پنج آہنگ اشاعت ۲ میں مطابق کخ

خاتمۂ مذکور میں غالب نے اشعار کخ کی مجموعی تعداد ٥ ہزار[1] بتائی ہے . ظاہر ہے کہ اتمام کتابت کے بعد جو اشعار حواشی میں درج ہوئے وہ ٥ ہزار میں شامل نہیں .

کخ میں (بعد اختتام کتابت کے اضافات سے قطع نظر) کل ٤٨٨٨ اشعار بصراحت ذیل ہیں : قطعات[2] ، ٢٣٤ ، معمیات ٣ ، مثنویات ٦٠١ ، قصائد ٨٧٢ ، غزلیات ٢٩٨٨ ، رباعیات ٩٠

کظ میں دیباچہ و خاتمہ (بعنوان «تقریظ») کے سوا کوئی نثر نہیں .
کخ میں ورق ١٨ (الف) تک نثر و نظم مخلوط ہیں، اس کے بعد صرف نظم اور آخر میں خاتمہ . درمیان میں کوئی نظم آئی ہے تو اس سے قطع نظر، کخ میں نثریں ترتیب ذیل سے ہیں :

(١) دیباچہ ، یہ وہی ہے جو کظ میں ہے، مگر کخ میں یہ « بگواللہ و برق‌ماسوا شو » پر ختم ہو جاتا ہے .

(٢) « دیباچۂ رسالہ موسوم بگل‌رعنا » کث : ٢٧

(٣) دیباچۂ دیوان ریختہ ، دیوان و کث : ٢٩

(٤) خط بعنوان ذیل « سوادنامہ کہ بنواب علی اکبر خان ، متولی امامبارۂ ہوگلی بندر نگارش یافتہ » کث : ٤٥

(٥) خاتمۂ گل رعنا ، کث : ٣١ « گزاردہ‌آمد » کے بعد « ہذا » کخ میں اس کی جگہ، سواد نثر غیر منقوطہ . کث صفحہ ٣٢ میں « و ہو ہذا » کے بعد « مطرح » . کخ میں ان دونوں کے درمیان «عرضداشت غیر منقوطہ» .

(٦) دیباچۂ کظ کا باقی ماندہ حصہ بعنوان ذیل « سخن درباعث شیرازہ بندی این اوراق پراگندہ وستایش برادر بدل بمہرآگندہ » .

(٧) خاتمہ . اس کے آغاز میں « تقریظ » کی جگہ عبارت ذیل ہے :
«لختی سونش از گردوپیش گہرہاے سفتۂ نظم بدم گر[م] آوردہ بہ نیم‌روا نے اندیشہ باہم سرشتن‌وجواہرمہرہ از نثرترتیب دادہ سخن‌را بمہرخاموشی رساندن»

---

١ کظ میں ١٠٤٢٤ ، کم میں ٦ ہزار ، کث میں تعداد کی جگہ خالی اور «پنج آہنگ» اشاعت ٢ میں مطابق کم .

٢ کظ کا قطعہ : ٤٨ (٤ بیتی) دراصل مثنوی ہے، اس مقالہ میں بھی یہ قطعات میں محسوب ہے .

قطعات ذیل کنخ وکظ میں مشترک ہیں

۱ تا ۴، ۶، ۹، ۱۰، ۱۱ «بیان بیمہری خویشان وشرح بیداد جور اندیشان و منع لب از گلۂ ایشان».

۱۳، ۱۵ «شکوۂ بیداد بسہل تقریب از دل زدودن و ستمگر را در آزار خویش معذور داشتن»

۱۶ «تضمین شعر استاد بمذمت اهل بیداد».

۱۷، ۱۹ «دست نوازش بپشت گربۂ مسکین فرود آوردن و بلابه ولاغ از آزار جاندارش باز داشتن».

۲۲ تا ۲۴، ۲۵ مدح سگالی نواب ذوالفقار بہادر مسند آرائے بانده بانداز شکایت فراموشی برنگارنگ گرمخونی و گرمجوشی».

۲۶ «بمہر برادران سعادت‌توامان، میرزا ضیاءالدین احمد خان و سید ذوالفقارالدین خان دل و دیده را بہم آمیختن و مینو کده درفضائے خیال برانگیختن».

۴۵ «سیه پوشی ورق خونابه چکانی قلم و مویه سرائی نفس بمرگ داورستوده سیر مستر اندرو استرلنگ بہادر».

۴۶ «قطعه در تاریخ ورود نواب گورنر جنرل بہادر».

۴۷ «گزارش تاریخ طوی اندوه‌شوے را تقریب نگارش مدح شاه اوده ساختن و بمرغوله گلبانگ بیان شادابی گلهای آن نوآیین چمن ولوله در ضمیر بلبل نوایان انداختن».

۴۸ «تاریخ نگارین گشتن قرطاس بواقعۂ فتح بهرت‌پور که کلک جادورقم صاحب خلق عمیم حضرت مولوی محمد فضل عظیم آن را در بحر شاهنامه نظم کرده و داد معجزبیانی داده».

۴۹ «تاریخ اساس پذیرفتن مسجد بمقبرۂ قاضی‌القضات سراج الدین علی‌خان مرحوم».

۵۰ «جنبش قلم بنگارش تاریخ امامباره که در کلکته بمحله اتالی بر مزار اقضی القضات سراج الدین علی خان مرحوم و مغفور واقعست».

۵۱ «تاریخ وفات اعلم العلماء العظام اسوۂ فضلائے کرام حضرت مولوی فضل امام»

۵۲ «تاریخ رحلت میر فضل علی که بفرمان مبارزالدوله نواب حسام‌الدین حیدرخان بہادر رقم پذیرفت»

۵۳ «تاریخ رحلت مرزا مسیتا بیگ کوتوال لکھنؤ بفرمان مولوی صدرالدین خان بہادر صدرالصدور».

۶۰ ، ۶۱ ہردو بعنوان «...».

کظ کے قطعات ذیل حواشی کخ میں ہیں: ۵، ۷، ۸، ۱۲، ۱۴ (ایک شعر زائد مگر یہ اس طرح مٹا دیا گیا ہے کہ مصرع ۱ کی ابتدا میں «غالب» اور مصرع ۲ کی آغاز میں «ہمہ» کے علاوہ کچھ پڑھا نہیں جاتا) ۱۸، ۲۰، ۲۷ تا ۲۹، ۳۳، ۴۰، ۴۳، ۵۴، ۵۵، ۲۲ بعنوان «نوحہ».

حواشی کخ کے قطعات ذیل کظ سے غیر حاضر ہیں مگر کث میں موجود ہیں:

(۱) قطعہ متعلق «گلشن بیخار» ص: ۳۴

(۲) قطعہ «اے شمع بزم ماتم قاتل چگونۂ» صفحہ: ۸۴ میں بعنوان «رباعی» مگر رباعی کے وزن میں نہیں.

(۳) «قطعہ در دیباچۂ دیوان رحیم‌الدین شاہزادہ»: ۳۸

(۴) قطعۂ دوبیتی جس میں اس مصرع کی تضمین ہوئی ہے: «مارا ازین گیاہ ضعیف این گمان نبود»: ۷۴

(۵) قطعۂ دو بیتی جس کا مصرع آخر یہ ہے «ہم زخوی تو پدیدار دل آرائی مہر»: ۸۰

کخ میں ۳ یک بیتی معمے ہیں: «بنام عبداللہ»، «باسم کمال»، «باسم شیخ کمال» یہ کظ میں نہیں.

مثنویات کا آغاز نثر کے بعد ہوتا ہے اور پہلی مثنوی کا یہ عنوان ہے: «افتتاح عنوان مثنویات کہ چمن در چمن و باغ در باغ، بمثنوی مسمی' «بدرد و داغ» اس کے بعد «مثنوی موسوم بچراغ دیر». «مثنوی موسوم برنگ و بو» اور «مثنوی موسوم بباد مخالف» ہیں، یہ چاروں کظ میں شامل ہیں.

کظ کی «مثنوی موسوم بسرمۂ بینش» حواشی کخ میں ہے. حواشی کی ایک مثنوی ۵ اشعار کی ہے، جن میں سے ۳ کظ (صفحات ۱۱۹ و ۱۲۰)

میں مثنوی ابر گہر بار میں شامل ہیں، اور دو جو ذیل میں درج ہیں کٹ : ۳٦ میں ہیں :

دوئی بے کفن مردهٔ در رهش خودی دادگر شحنهٔ درگهش

روان را بدانست سرمایه ده زبان را بگفتار پیرایه ده

حواشی کخ کی مثنویات ذیل کٹ میں ہیں، مگر کظ سے غیر حاضر ہیں :

(۱) « مثنوی در وصف گل کیوره » ص : ۹٦

(۲) « در تعریف سخن » : « ای بشناسائی نقد سخن » : ۳۳۔

(۳) « مثنوی دربیان ظهور صبح » : ۳۵

(٤) « در تعریف شام » : ۳٦

(۵) « مثنوی » : « بدهر آرایش دیوان حافظ » : ۳۷

(٦) « مثنوی در مدح بهادر شاه پادشاه » : ۳۸

کظ کے قصائد ذیل کخ میں ہیں :

(۱) قصیدهٔ ۲ « بمصقلهٔ نعت زنگ خمول از آیینهٔ گفتار زدودن و بذریعهٔ افدستاے ستوده ایزد خود را بصفت یکتائی ستودن » :

مرا دلیست به پس کوچهٔ گرفتاری

(۲) قصیدهٔ ۳ « مژدهٔ مینا از بساط بزم برهم خوردهٔ طرب برچیده بجیب دل انداختن و در سفر از خار خار ذوق وطن نالیدن و جراحتهاے درونی را از دارالشفاے نعت رسول عربی مرهم نهادن » :

آن بلبلم که در چمنستان بشاخسار

(۳) قصیدهٔ ٤ : « برومندی نخل نعت، که اصل سعادت است پیوند منقبت که شاخ میوه دار نهال ارادت است » :

چون تازه کنم در سخن آیین بیان را

(٤) قصیدهٔ ۵ : « صورت نمائی راز شبانه در آیینهٔ فروغ صبح گاهی بگشودن بند نقاب سخن بتائید نازش مدح یداللهی » :

صبحیکه در هوائے پرستاری وثن

(۵) قصیدهٔ ٦ : « از جوش جگر تشنگی ذوق ستایش امیرالمومنین بگرداب اندیشه در افتادن و بمینو ازسر چشمهٔ کوثر سر برآوردن و هم درآن

سرمستی قطره هاے چند از بیان افشاندن » : « نازم بگرانمایگی دل که ز سودا »

(٦) قصیدهٔ ۷ : « بنیروی نازش بندگی گستاخانه باایستادگان طرف بساط مرتضوی عرض حال کردن » : « خواهم که همچو ناله ز دل سر بر آورم »

(۷) قصیدهٔ ۹ : « کاهش دل در کشاکش ناسازی طالع ذنبی و چارهٔ آن بتسمین رنجور بلبوب کبیر نعت سبط نبی » : « مگر مرا دل کافر بود شب میلاد » . زایچه جو کظ میں ہے . کخ میں نہیں .

(۸) قصیدهٔ ۱۳ « بگزارش مدح گیہان خدیو محمد اکبر شاه غازی و شاهزاده سلیم در شیوهٔ معنی‌آفرینی عرفی را بر خود برشک آوردن و در عالم نام آوری و جائزه یابی خود بر طالع عرفی حسد بردن » :

« درین زمانه کلک رصد نگار حکیم » کم

(۹) قصیدهٔ ۱٤ « بلند آوازگی ساز تمناے دلنوازی بجنبش مضراب مدح حضرت ابوالظفر سراج الدین بهادر شاه غازی » :

« زان گنجنامه کز خط ساغر گرفته ایم »

(۱۰) قصیدهٔ ۳۲ « زانو زدن شخص اندیشه بنظر گاه التفات گورنری باداے سپاس بنده نوازی و دردمند پروری » :

« باز باطراف باغ آتش گل در گرفت »

(۱۱) قصیدهٔ ۳۵ « بانداز تهنیت احراز پایهٔ وپس پریسڈنٹی شور مدح سر چارلس مٹکاف بهادر انگیختن » : « یافت آیینهٔ بخت تو ز دولت پرداز »

(۱۲) قصیدهٔ ۳۹ « سخن در ثنای داور خوشخوے بهشتی روے بجاه کخیسرو وبداد سنجر مستراندرو استرانگ بهادر » :

« فغاں که نیست سرو برگ دامن افشانی »

(۱۳) قصیدهٔ ٤۰ « ثناے داور حق پرست حق گرا بجرم حق پسندی کشتهٔ زخم اهل جفا امیر باراے و فرهنگ و حاکم با هوشونگ مدبرالدوله انتظام الملک صفوتیار خاں و لیم فریزر بهادر صلابت جنگ » :

« زجیب افق مهر چوں سر برآرد »

(۱٤) قصیده « گرایش خیال لکهنؤ بسروبرگ ذریعهٔ این قصیده و نگارش پذیرفتن مدح شاه اوده در جریده و بورق یادگار ماندن مدح بممدوح

نارسیدہ از عالم مستی ببوے بادۂ نا کشیدہ» :

بسنبل کردہ

«گر بسنبل کنۂ روضۂ رضوان رفتم»

کظ کا قصیدۂ ۶۱ «زان نمیترسم که گردد قعر دوزخ جاے من» عنوان ذیل کے ساتھہ حاشیۂ خ میں ھے : «قصیدہ در ستایش مولوی محمد صدرالدین خان بہادر صدرالصدور شاهجہان آباد».

☆

کخ میں غزلوں کا عنوان یه ھے : «از گرد خرام خامه نمک بر زخم دل ریختن و بخستن جستن غزالان غزل شور رستخیز از نهاد ورق بر انگیختن».
کظ کی طرح کخ کی پہلی غزل یه ھے : «اے بخلا و ملا خوے تو هنگامه زا».
کخ میں کوئی ایسی غزل نہیں ، جو کظ میں نه ہو ، لیکن ، دو غزلوں کا ایک ایک شعر جو کخ میں ھے ، کظ سے غیر حاضر ھے :

جان در هجوم جلوۂ قاتل صفا گرفت
گوئی کتان خویش بمهتاب شسته ایم

عبادتخانۂ خواهم چو قصر منعمان رنگین
غم دینیکه من دارم غم دنیا ست پنداری

کظ کی غزلہاے ذیل کخ یا حواشی کخ میں نہیں ھیں ؛ کظ کی طرف رجوع کرنے سے یه بھی معلوم ھوجائے گا که کخ میں کون کون سی غزلیں ھیں :

(۱) چون بقاصد بسپرم پیغام را
(۲) حق جلوه گر ز طرز بیان محمد است
(۳) لب شیرین تو جان نمک است
(۴) هر چه فلک نخواستست هیچ کس از فلک نخواست
(۵) از فرنگ آمده در شهر فراوان شده است
(۶) چون صبح من بسیاهی ز شام مانند است
(۷) دل برد و حق آنست که دلبر نتوان گفت
(۸) بوادیکه دران خضر را عصا خفتست
(۹) بامن که عاشقم سخن از ننگ و نام چیست

(۱۰) تا بسویم نظر لطف جمس تامسن است
(۱۱) نشاط معنویان از شرابخانۂ تست
(۱۲) ببند پرسش حالم نمیتوان افتاد
(۱۳) خوبان نه آن کنند که کس را زبان رسد
(۱٤) چه عیش از وعده چون باور ز عنوانم نمی آید
(۱۵) گرچنین ناز تو آمادۂ یغما ماند
(۱٦) نیست وقتیکه بما کاهشے از غم نه رسد
(۱۷) باید ز مے هر آینه پرهیز گفته اند
(۱۸) چاک چاک از جیبم بداماں میرسد
(۱۹) بتان شهرستم‌پیشه شهریار انند
(۲۰) دلستانان نخلند از چه جفا نیز کنند
(۲۱) نقابدار که آئین رهزنی دارد
(۲۲) ترا گویند عاشق دشمنی آرے چنین باشد
(۲۳) از رشک کرد آنچه بمن روزگار کرد
(۲٤) کسے بامن چه در صورت پرستی حرف دین گوید
(۲۵) بیدل نشد اردل به بت غالیه مو داد
(۲٦) چو زه بقصد نشان بر کمان بجنباند
(۲۷) پروا اگر از عربدۂ دوش نکردند
(۲۸) بمرگ من که پس از من بمرگ من یاد آر
(۲۹) اے ذوق نواسنجی بازم بخروش آور
(۳۰) دوشم آهنگ عشا بود که آمد در گوش
(۳۱) بیا بباغ و نقاب از رخ چمن درکش
(۳۲) گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آسان در بغل
(۳۳) بسکه بپیچد بخویش جاده ز گمراهیم
(۳٤) دیدم آن هنگامه بیجا خوف محشر داشتم
(۳۵) صبح شد خیز که روداد اثر بنمایم
(۳٦) زمن حذر نکني گر لباس دین دارم

(۳۷) رفت برما آنچه خود ما خواستیم

(۳۸) ھا پری چہرہ غزالان وزمردم رم شان

(۳۹) چون شمع رود شب همه شب دور ز سرمان

(۴۰) سرشک افشانی چشم ترش بین

(۴۱) بتے دارم از اھل دل رم گرفتہ

(۴۲) شاھا ببزم جشن چو شاھان شراب خواہ

(۴۳) در زمهریر سینۂ آسودگان شد

(۴۴) بردست و پاے بند گرانے نہادۂ

(۴۵) گر نہ نواھا سرودمے چہ غمستے

(۴۶) اے کہ گفتی ندھی داد دل آرے ندھی

کخ و کظ کی مشترک غزلوں کا ایک ایک شعر مقدم الذکر سے غیر حاضر ھے:

سررشتۂ ھرکار نگہ دار ز مستی — آشفتگیِ طرہ بدستار میاموز

ھرچہ از جان کاست در مستی بسود افزودمش

ھرچہ با من ماند از ھستی زیان نامیدمش

کظ کی غزلهای ذیل حواشی خ میں ھیں:

(۱) آشنایانہ کشد خار رهت دامن ما

(۲) من آن نیم کہ دگر میتوان فریفت مرا

(۳) آن کہ در پردہ بصد داغ نمایانم سوخت

بعنوان «یا اسداللہ الغالب»

(۴) نادان صنم من روش کار نداند

(۵) درگریہ از بس نازکی رخ ماندہ بر خاکش نگر

(۶) تیغ از نیام بیهدہ بیرون نکردہ کس

(۷) در وصل دل آزاری اغیار ندانم

کظ کی ایک غزل: «ساخت زراستی بغیر ترک فسونگری گرفت» کا صرف مطلع حاشیہ کخ میں ھے

کخ و کظ کی مشترک غزلوں کے اشعار ذیل حواشی کخ میں ھیں:

(۱) مشت . . . . غبار خودیم ما (۲) وہ . . . . پیشانی مرا
(۳) همطرحی . . . . بر انداختۂ ما (٤) فرصت . . . . ماهے دریاب
(۵) بودش . . . . . بیاید چه عجب (٦) ده . . . . هر افتاده است
(۷) شباهتیست . . . میاں تو نیست (۸) از . . . . پرداز ندانست
(۹) چو وارسید . . . دکانم سوخت (۱۰) نفس . . . . بیانم سوخت
(۱۱) مشاطه . . هنگامه فرو ریخت (۱۲) افسانه . . گفتن درین چه بحث
(۱۳) بیچاره . . بشیون درین چه بحث (۱٤) گر . . . . . . رضاے ما مسنج
(۱۵) اے . . . . دهان هیچ (۱٦) نور . . . . . . ساغر کنیم طرح
(۱۷) برهم . . . . . شمشاد بجنبد (۱۸) امشب . . . . مسعود میرود
(۱۹) گوئی . . . . ماچه میرود (۲۰) گر . . . . جاچه میرود
(۲۱) ازین . . . . گریبان برنمیآید (۲۲) من و ناسازی . . نگریزد از کاغذ
(۲۳) ز . . . . میخیزد از کاغذ (۲٤) تا . . . . دراز آوردنش
(۲۵) رحمت . . . . نماز آوردنش (۲٦) سرمایه . . . . میدهد عوض
(۲۷) این مسلم . . . . . بود غلط (۲۸) من . . . . گذر دروغ دروغ
(۲۹) با غمت . . . قضا گشت تلف (۳۰) منماے . . . . شود هلاک
(۳۱) تنم . . . . . . کار من اندک (۳۲) پیمانه . . . . . بسیلاب شسته ایم
(۳۳) در . . . . . . خبردارش کنم (۳٤) آورگی . . . . گرفته ایم
(۳۵) یک جهان . . نزار افتاده ایم (۳٦) تا . . . . دعاخیزد ازو
(۳۷) بلب . . جفا ئیکه داشتی داری (۳۸) توکے . . راست نمائیکه‌داشتی‌داری
(۳۹) هنوز . . پرده کشائیکه داشتی داری

جنون مستم بفصل نوبهاران میتوان کشتن
صراحی بر کف و گل در کنارم میتوان کشتن
گرفتم کے بشرع ناز زارم میتوان کشتن
بفتواے دل امید وارم میتوان کشتن

کخ میں مصرع ۱ و ٤ یکی بعد دیگرے هیں اور مصرع ۲ و ۳ حاشیے میں الگ الگ ۔

ک کی ٦۰ رباعیات کخ یا اس کے حواشی میں نہیں هیں :

«چر گر که ززخمه زخم بر چنگ زند»
«گیرم که ز دهر رسم غم برخیزد»
«بر دل از دیده فتح باب است این خواب». (یه اور اسکے بعد کی ۵ رباعیاں).
«خواهم که دگر سخن بپیغاره کنم»
«در خورد تبر بود در ختیکه مراست». (یه اور اس کے بعد کی ۵ رباعیاں).
«در باغ مراد نازبیداد تگرگ». (یه اور اس کے بعد کی ۲ رباعیاں).
«بسمل که سخن طراز مهر آئین است». (یه اور اس کے بعد کی ۲ رباعیاں).
«اے آں که گرفته ام بکوئے تو پناه». (یه اور اس کے بعد کی ۲ رباعیاں).
«نے کشتۂ زخم ناوک و شمشیرم»
«تا موکب شهر یار زین راه گذشت»
چوں درد تهه پیاله باقیست هنوز. (یه اور اس کے بعد کی ۵ رباعیاں).
«دستم بکلید مخزنے میبایست». (یه اور اس کے بعد کی ۲۷ رباعیاں).
کظ کی رباعی «تا میکش و جوهر دو سخنور داریم» حاشیۂ کنخ میں هے.
کنخ کی رباعی «اے داده بباد عمر در لهو و فسوس» اور حاشیۂ کنخ
کی رباعی «اے آنکه بدهر نام تو شاهرخ است» کظ میں نہیں.
کنخ کے کچھ، اور حاشیۂ کنخ کے ایک شعر پر صاد بنا هوا هے،
عجب نہیں که اگر یه فعل خود غالب کا هو††:

تعالی الله برحمت شاد کردن بیگناهان را
خجل نپسندد از رم کرم بیدستگاهان را
بنازم خوبی خوئے گرم محبوبے که در مستی
کند ریش از مکیدنها زبان عذرخواهان را

[†† اس بات کی قوی امکانات هیں که ان اشعار پر خود غالب نے «صاد» بنایا هو «پنج آهنگ» کے آهنگ چهارم میں غالب نے اپنے انتخاب کیے هوئے کچھ اشعار درج کیے هیں، ان کے کچھ شعر پیش نظر انتخاب میں بھی موجود هیں - اسی طرح کچھ شعر غالب کے اپنے انتخاب کرده مجموعے میں ملتے هیں جو انهوں نے رامپور بهیجا تها. جهاں جهاں وه شعر آئے هیں وهاں یه نشان (‡) لگا دیا گیا هے.

اصل مضمون میں پورے شعر درج نه تهے بلکه طوالت سے بچنے کے لیے هر شعر کے ابتدائی اور آخری لفظ نقل کردیے گئے تهے اور درمیان میں نقطے ڈال دیے گئے تهے. اس خیال سے که ان اشعار کے پسندیدۂ غالب هونے کے خاصے امکانات هیں، یهاں یه اشعار «کلیات غالب» طبع اول (لکهنؤ ۱۸۶۳) سے لے کر درج کر دیے گئے هیں. متن کی صحت کی ذمه داری مضمون نگار پر نہیں هے اور نه پیش کیا هوا متن نسخۂ خدابخش کے اس دیوان فارسی کے مطابق هے جس پر یه مضمون لکها گیا هے [ایڈیٹر]

ز جورش داوری بردم بدیوان لیک زین غافل
که سعی رشکم از خاطر برد نامش گواهان را

★

ازین بیگانگیها می تراود آشنا ییها
حیا میورزد میکند و در پرده رسوا می کند مارا

★

فدایت دیده و دل رسم آرایش مپرس از من
خراب ذوق گلچینی چه داند باغبانی را

★

عرصه بر الفت اغیار چه تنگ آمده است
حوش فرو رفته بطبع تو خوشا کینهٔ ما

★

جوئے از باده و جوئے ز عسل دارد خلد
لب لعل تو هم این است و هم آنست مرا

★

بت مشکل پسند از ابتذال شیوه میرنجد
بگوئیدش که از عمرست آخر بے وفائیها

★

زاهد مناز چندین زنارم ارگسستی از جبهه ام ندزدد کس سجدهٔ صنم را

★

زمن گرت نبود باور انتظار بیا بهانه جوے مباش و ستیزه کار بیا

★

در هجر طرب بیش کند تاب و تبم را مهتاب کف مار سیاهست شبم را
آوخ که چمن جستم و گردون عوض گل در دامن من ریخته پاے طلبم را
از لذت بیداد تو فارغ نتوان زیست در یاب عیار گلهٔ بے سببم را
ترسم که دهد ناله جگر را بدریدن قطع نظر از جیب بدوزید لبم را

★

با همه خرسندی از وے شکوه ها دارم همی
تا نداند صید پرسشهاے پنهانی مرا

تا براحت مردم و یکره بخاکم نامدی
دوزخے گردیده اندوه پشیمانی مرا

☆

مردم به بکینه تشنهٔ خون همند و بس
خون همی بخوریم چون هم ازین مردمیم ما

پنهان به عالمیم ز بس عین عالمیم
چون قطره در روانی دریا گمیم ما

☆

خوشا جانے که اندوهے فرو گیرد سراپایش
ز نومیدی توان پرسید لطف انتظار ما

حریفان شورش عشق ترا بے پرده دیدندے
بداما گر نگشتی موسم گل پرده دار ما

هنوز از مستی چشم تو می بالد تماشائی
بموج باده ماند پرتو شمع مزار ما

★

در عربده چشمک زند و لب گزد از ناز
تا بوسه لبم را ز طلب باز ندارد

☆

لبم از زمزمهٔ یاد تو خاموش مباد
غیر تمثال تو نقش ورق هوش مباد

وعدهٔ گردیده وفا طره پریشانی را
یا رب امشب بدرازی خجل از دوش مباد

هر کرا رخت نمازی نبود از نم مئے
جاے در حلقهٔ رندان قدح نوش مباد

☆

ور نامه تا بنوشتمش کز شهر پنهان میروم
دل بست در مضمون ولے نامم بعنوان خوش نکرد

پروردهٔ نازیم برحمتکدهٔ عجز　　بر پای تو باشد سر افراختهٔ ما
بودیم نظر باز و تو بر دل زدهٔ باز　　ای دیده نوازش ز تو ننواختهٔ ما

★

آوازهٔ شرع از سر منصور بلندست　　از شب روی ماست شکوهِ عسس ما‡

★

تا چها مجموعهٔ لطف بهاران بودهٔ　　تا بزانو سوده پای ما و می پوئیم ما

★

شوخی که خود ز نام وفاننگ داشتی　　برباد میدهد بوفا نام و ننگ را

★

شبم تاریک و منزل دور و نقش جاده ناپیدا　　هلاکم جلوهٔ برق شراب گاه گاهی را

★

نازم سخنش را و نیابم دهنش را　　خوش تفرقه در باطل و حق میکنم امشب

★

حسن تو در حجاب ز شرم گناه کیست　　جا بر کرشمه تنگ ز جوش نگاه کیست
ما با تو آشنا و تو بیگانهٔ ز ما　　آخر تو و خدا که جهانی گواه کیست
مو بر نتابد این همه پیچ و خم شکن　　زلف تو روز نامهٔ بخت سیاه کیست
بیخود بوقت ذبح تپیدن گناه من　　دانسته دشنه تیز نکردن گناه کیست‡

★

از ناله خیزی دل سختش در آتشم　　کاین سنگ پرشرر ز هجوم نگاه کیست
گوید ز عجز چون تو خدا ناشناس حیف　　یا چون خودی که داور گیتی گواه کیست
با تو به پند حرف به تلخی گناهِ من　　با من بعشق غلبه بدعوی گناه کیست

★

دلم بعهد وفای فریفت نامه سیار　　خوش ست وعدهٔ تو گرچه از زبان تو نیست
گمان زیست بود بر منت ز بیدردی　　بداست مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست‡
تغافل تو دلیل تجاهل افتاد ست　　تو و خدای تو «غالب» ز بندگان تو نیست

☆

نگاه خیره شد از پرتو رخش «غالب»　　تو گوئی آینهٔ ما سراب دیدار ست

☆

عهد وفا ز سوی تو تا استوار بود　　بشکستی و ترا به شکستن گزند نیست
آن لابه های مهر فزا را محل نماند　　برخوان خود «ان یکاد» که ما را سپند نیست‡

مے نوش و تکیه بر کرم کردگار کن　　خط پیاله را رقم چون و چند نیست
«غالب» من و خدا که سرانجام برشکال　　غیرازشراب‌وانبه و برف آب و قند نیست

★

هموعده‌وهم منع ز بخشش چه‌حساب ست　　جان نیست مکرر نتوان داد شرابست‡
لهر اسپ کجا رفتی و پرویز کجائی　　آتشکده ویرانه و میخانه خرابست
دوشینه به مستی که مکیدست لبش را　　کامروز به پیمانهٔ مے در شکرابست

★

نگه بچشم نهان وز جبه چین پیداست　　شگرفی تو ز انداز مهر و کین پیداست
فتیلهٔ رگ جان سر بسر گداخته شد　　ز پیچ و تاب نفسهاے آتشین پیداست
ز هے شکوه تو کاندر طراز صورت تو　　ز خود بر آمدن صورت آفرین پیداست‡

★

ظالم هم از نهاد خود آزار میکشد　　برفرق ارّه ارّهٔ تشدید بوده است
تلخست تلخ رشک تمنای خویشتن　　شادم که‌دل ز وصل‌تونومید بوده است
هر گونه حسرتے که ز ایام می کشیم　　دُردِ تهِ پیالهٔ امید بوده است
حق را ز خلق جو که نوآموز دید را　　آیینه خانه مکتب توحید بوده است

★

شنیدهٔ که بآتش نسوخت ابراهیم　　ببین که بے‌شرر و شعله می توانم سوخت‡
چه مایه گرم برون آمدی ز خلوت غیر　　که شکوه‌دردل و پیغاره برزبانم سوخت
مگر پیام عتابے رسیده است از دوست　　شکسته رنگی یاران راز دانم سوخت

★

در عرض غمت پیکر اندیشهٔ لالم　　پا تاسرم اندار بیانست و بیان نیست
پهلو بشگافید و به بینید دلم را　　تا چند بگویم که چسانست‌وچسان نیست‡

★

گر منافق وصل ناخوش ور موافق هجر تلخ
دیده داغم کرد روی دوستان دیدن نداشت‡

★

مستی انداز لغزشے دارد　　حیف پائی که آفتش ز سرست‡
دوستان دشمنند ورنه مدام　　تیغ او تیز و خون ما هدرست
عقل و دین برده دل و جان نیز　　انچه از مانبردهٔ خبرست

شه حریر و گدا پلاس برید   انچه من قطع کرده ام نظرست‡
منت از دل نمیتوان برداشت   شکر ایزد که ناله بے اثرست
ریزد آن برگ واین گل افشاند   هم خزان هم بهار در گزرست

★

نشاط جم طلب از آسمان نه شوکت جم
قدح مباش زیاقوت باده گر عنبیست‡

★

آخر از مینا بجاه و پایه افزون نیستی   بندهٔ ساقی شود گردن ز ایمانش مپیچ

★

شتاب و زهد چه ناقدر دانی هستیست   بلا بجان جوانان پارسا ریزد

★

گر جلوهٔ رخ تو بساغر ندیده ایم   چندین بذوق باده دل از جا چه میرود

★

شب ز خود رفتم و برشعله کشودم آغوش   کو بدآموز که پیغاره بدلدار برد
گفة باشی که بهر حیله در آتش فگنش   غیر میخواست مرا بے تو به گلزار برد‡
باز حسپیده لب از جوش حلاوت باهم   مرگ مشکل که زمالذت گفتار برد
مژه ات سفت دل و رفت نگاه تو فرد   کز ضمیرم گلهٔ سرزنش خار برد
می زند دم زفنا «غالب» و تسکینش نیست   بو که توفیق ز گفتار به کردار برد

★

بوسم لب دلدار و گزیدن نتوانم   نرمست دلم حوصلهٔ کام ندارد
آیا بدات ولولهٔ کسب هوانیست   یا آنکه سرای تو لب بام ندارد

★

حکیم ساقی ومے تند ومن ز بد خوئی   ز رطل باده بخشم آیم ار گران نبود
نگفة ام ستم از جانب خداست واے   خدا به عهد تو بر خلق مهربان نبود‡
چو عشرتے که کند فاسق تنک مایه   ز زخم خون بزبان لیسم ار روان نبود
زمام ناقه بدست تصرف شوقست   بسوے قیس گرایش ز ساربان نبود‡
مرا که لب بطلب آشنا نخواستهٔ   روا مدار که شاهد ضمیر دان نبود
بالتفات نگارم چه جای تهنیت ست   دعاکنید که نوعے زامتحان نبود‡
عجب بود سر همخوابی کسے «غالب»   مرا که بالش و بستر ز پرنیان نبود

زمن مترس که ناگه به پیش قاضی حشر　　هجوم ناله لبم را ز ناله وا دارد
پئے عتاب همانا بهانه می طلبد　　شکایتے که زما نیست هم بما دارد
ز جور دست تهی ناله از نهادم جست　　نئے که برگ ندار و همان نوا دارد
بخون تپیدن گلها نشان یکرنگیست　　چمن عزای شهیدان کربلا دارد
فغان که رحم ن آموز یارشد «غالب»　　روا نداشت که بر ما ستم روا دارد‡

☆

تا خود بپرده ره ندهد کامجوی را　　درپرده رخ نمود و دل از پرده دار برد
گفتند حور و کوثر و دادند ذوق کار　　منع ست نام شاهد و مے آشکار برد‡
تا فتنه را ز گردش چشم سیاه گفت　　کینے که داشتم بدل از روزگار برد
پیشم ازان بپرس که پرسی واهل کوی　　گویند خستهٔ زحمت خود زین دیار برد‡
نازم فریب صلح که «غالب» ز کوی تو　　ناکام رفت و خاطر امیدوار برد

☆

تنگست دلم حوصلهٔ راز ندارد　　آه از نئے تیر تو که آواز ندارد‡
هرچند عدو در غم عشق تو بسازست　　دانی که چو ما طالع ناساز ندارد
تمکین برهمن دلم از کفر بگرداند　　بتخانه بتےخانه برانداز ندارد
بے حیله زخوبان نتوان چشم ستم داشت　　رحمست بران خستهٔ که غماز ندارد

☆

به مستی چتر بستن های طاؤسست پنداری
نشست ساقی و انگیز مینای مئے نابش

☆

مقتول خویشان خودم جوئید خون ریز مرا
زینان که بر نعش منند از بهر شیون گشته جمع
رقصم بذوق روی او چون بینم اندر کوی او
هم رفته نفت و بوریا هم سنگ و آهن گشته جمع
ای عاشق بیچاره را در کوه و صحرا داده سر
فوجے ز خویشانش نگر در کوی و برزن گشته جمع

☆

رنگ و بو بود ترا برگ و نوا بود مرا
رنگ و بو گشت کهن برگ و نوا گشت تلف

ببزم بادہ گریبان کشودنش نگرید
خوشا بہانۂ مستی خوشا رعایت شوق‡

دخان ز آتش یاقوت گر دمد عجبست
عجب ترست ازین بر لبش حکایت شوق

غلط کند رہ و آید بہ کعبہ ام ناگاہ
صنم فریب بود شیوۂ ہدایت شوق

متاع کاسد اہل ہوس بہم بر زن
کنون کہ خود شدۂ شحنۂ ولایت شوق

☆

مرد آنکہ در ہجوم تمنا شود ہلاک
از رشک تشنۂ کہ بدریا شود ہلاک‡

گردم ہلاک فرۂ فرجام رہروی
کاندر تلاش منزل عنقا شود ہلاک

غم لذتیست خاص کہ طالب بذوق آن
پنہان نشاط ورزد و پیدا شود ہلاک

☆

فیض سرگرمی دور قدح مے دریاب
بر گریز ست بہ دی ماہ اگر تاک چہ باک

☆

ناخن غصہ تیز شد دل بستیزہ خو گرفت
تا بخود اوفتادہ ایم از تو کرانہ کردہ ایم

«غالب» از انکہ خیروشر جز بقضا نبودہ است
کار جہان ز پردلی بے خبرانہ کردہ ایم

☆

نو گرفتار تو و دیرینہ آزاد خودم
وہ چہ خوش بودی کہ بودی ذوق بیداد خودم

☆

چون سر آمد پارۂ از عمر قامت خم گرفت
این منم کز خویشتن بر خویش باری داشتم

قلزم فشانیِ مژه از پہلوی دلست   این ابر را برات بدریا نوشته ایم
در ہیچ نسخه معنیء لفظ امید نیست   فرہنگ نامہای تمنا نوشته ایم‡
آینده و گزشته تمنا و حسرت ست   یک «کاشکے» بود که بصد جا نوشته ایم‡

★

دوزند گر به فرض زمین را بآسمان
حاشا کزین فشار در ابرو خم افگنم‡

★

نقش به ضمیر آمدهٔ نقش طرازم   حاشا که بود دعوی پیدائی خویشم‡

★

جلوهٔ معنی بجیب وہم پنہان کرده ایم
یوسفے در چار سوی دہر نقصان کرده ایم

★

ہم بعالم ز اہل عالم بر کنار افتاده ام
چون امام سبحه بیرون از شمار افتاده ام‡

★

چه پرسی کز لبت وقت قدح نوشی چه میخواہم
ہمین بوسیدنی چون مست تر گردی مکیدن ہم‡

★

مستم بکنارم خزوتن زن که درین وقت
ہرگز نشناسم که چه بود و چه کسست این

★

وای ز دل مردگی خوی بد انگیختن   آه ز افسردگی روی دژم داشتن‡
راز بر انداختن از روش ساختن   دیده و دل باختن پشت و شکم داشتن
باہم اشکستگی دم ز درستے زدن   باہم دل خستگی تاب ستم داشتن
گریه‌ام‌از‌بیکسیست بو که‌درین‌پیچ‌وتاب   تن بروانی دہد نامه زنم داشتن‡

★

سر از حجاب تعین اگر برون آید
چه جلوه ہا که بہر کیش میتوان کردن

لب دوختم ز شکوہ ز جود فارغم شمرد
نشناخت قدر پرسش پنہان شناختن
نازم دماغ ناز ندانی ز سادگیست
کشتن بہ ظلم و کشتۂ احسان شناختن

☆

خواهم شود بہ شکوہ و پیغارہ رام من درگونہ گون ادا بزبانہا ستودۂ
با دوستان مباحثہ دارم ز سادگی در باب آشنائی نا آزمودۂ

★

نگاهش شرمگین باشد چو مژگان سر کشست آری
فرو ماند سپہ داری کہ بر گردد سپاہ ازوی ‡

ربـاعی

ای آنکہ براہ کعبہ روئے داری نازم کہ گزیدہ آرزوئے داری
زین گونہ کہ تند میخرامی دانم در خانہ زن ستیزہ خوئے داری

غالب نے حواشی میں دو شعروں کا مطلب خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے بعض اور چیزیں بھی غالباً ان کے قلم سے ہیں مثلاً قطعہ ۱۴ :

شباہتیست مرانرا کہ بر نیامدہ است وگرنہ موی بباریکی میان تونیست

سب کمر کو بال باندھتے ہیں ، شاعر کہتا ہے کہ استغفراللہ، بال کو کیا نسبت ہے کمر سے کہ نظر آتے ہی نہیں اور بال نظر آتا ہے ہاں وہ بال جو ابھی نہیں اُگا اور نہیں نکلا اس کو کچھ مشابہت ہے کمر کے ساتھ . غالب »

در صفحہ نبودم همۂ آن چہ در دل است
در بزم کمتر است گل و درچمن بسیست

«پھول باغ سے آیا کرتے ہیں ، باغ میں ہزاروں پھول ہوتے ہیں اور میرا دل چمن ہے اور صفحہ انجمن . مضامیں اتنے ہی نہ تھے جو دیوان میں آگئے ، چمن میں پھول اور دل میں معنی بہت ہیں . غالب»

حواشی یا بین السطور میں بعض الفاظ یا بعض اشعار سے متعلق اشارات ہیں ؛ ان کے ذمہ دار غالب معلوم ہوتے ہیں :

: ۱ (۱) قطاس ـــ کجگاہ

(۲) ناخویشتن در اُفت ــ صیغهٔ امر

(۳) ایاس ــ ایاز

نثر : ۳ فریور ــ نادر و خوب

نثر : ۵ اگر مردم ــ اگر مرد هستم

نثر : ۶ تاز دیوانم که سرمست سخن خواهد شدن ــ کدامیه

قطعه : ۱ ایبکم از جماعهٔ اتراک ــ جمع ترک ، نام قوم
قطعه : ۴۷ لآل ــ گبرها

مثنوی درد و داغ : دید جوان کاین چه بلاشد چه شد ــ شاهزاده

مثنوی باد مخالف : زی یاران ــ ای جانب یاران . فتنه ــ مفتون

قصیده : ۷ خیمهٔ کبود ــ آسمان . نیلگون پرند ــ آسمان

قصیده : ۹ لبوب ــ جمع لب . سبط ــ اولاد

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد ــ سیاه

که رفته بود بدروازهٔ ارم شداد ــ مراد حسرت

رماد ــ خاکستر . استواری پاساد ــ ای حفظ وضع

قصیده : ۳۲ دسمبر ــ ماه انگریزی در آخر سال
قصیده : ۴۰ رهی ــ بنده

غزل (الف) گریهٔ ابر بهاری کرده آبی کار ما ـ خراب کرد کار ما

غزل (ب) یکے بزعم دل نا امیدوار بیا ــ یک بار

غزل (ج) جهان را دیدم و گردیدم آباد و خرابش را ــ ضمیر بسوی جهان
ز شادی جان بها گفتم متاع کم میانش را ــ ارزان

غزل (د) هلاکستم فراخیهای عیش سخت جانان را ــ هلاکم ست (کذا)
پاینیز ــ خزان

غزل (ه) از شاخ گل افشاند و ز خارا گهر انگیخت
آیینهٔ ما درخور پرداز ندانست
قسمت متعلق مصرع ۱ ، قضا و قدر متعلق مصرع ۲

غزل (و) که بیوفائی گل در شمار بُلعجبیست ــ بُلعجبی مثله بُلغار

غزل (ز) در دست دیگریست سفید و سیاه من
با روز و شب بعر بده بودن چه احتیاج — لا تسبوالدهر فانه هو

غزل (ح) خوشا سوهن که هرکس غوطه زد دروی تنش جان شد
— نام دریای هند

غزل (ط) پیوسته روان از مژه خون جگر ستم
رنگسیت رخم را که پریدن نشناسد — است مرا

غزل (ی) یاقوت باده بر فوهٔ آفتاب زد . ڈانک ، دهن افواه جمع هو . ۱۲
فوه بالفتح و فاه دهان ، افواه جمع و بفتحتین فراخدهان شدن
بالضم و تشدید واو مفتوح رو دنگ که آنرا روناس گویند
۱۲ منتخب

غزل (ک) جلوه ات گل بکف آیینه پرداز دهد — هر گاه آیینه بینی

غزل (ل) ناله در ایوار شوق توشهٔ راهے نداشت .. شبگیر برد — کوچ روز

غزل (م) خون دشمن سرخ تر از خون فرزندش بود — ای دشمن را
زیاده از فرزند خواهد .

غزل (ن) شکسته مشربهٔ آب و پارهٔ ز سویق — شکورهٔ شکسته ، هندی : ستو

غزل (س) لن‌ترانی بجواب ارنی چند و چرا
من نه اینم بشناس و تو نه آئی بشنو — موسی
غزلے چند بهنجار فغانی بشنو — ازمن
پارهٔ گوش یمن دار و معانی بشنو — همیں

اس مقالے کی تحریر کے وقت میں نے کخ کے لفظ لفظ کا کظ سے مقابلہ نہیں کیا ، مگر چند سال قبل اس کا اتفاق ہوا تھا . اس زمانے میں کخ کے متعلق جو یادداشت میں نے لکھی تھی ، وہ غائب ہو گئی ہے ، لیکن مجھے جہاں تک یاد ہے ' اس سے قطع نظر کہ کون سی نظمیں دونوں میں مشترک یا غیر مشترک ہیں ، اختلافات بہت کم ہیں :

(۱) عنوانات جو کخ سے نقل ہوئے ہیں ' کظ میں نہیں ، اور بعض ہیں تو مختلف طور پر .

(۲) علی اکبر خاں کے نام کے خط میں چند غیر اہم لفظی اختلافات ہیں۔

(۳) کظ کا ایک قطعہ ہے:

با سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست
ورنہ غالب نیست آہنگ غزلخوانی مرا

کخ میں یہ دو جگہ ہے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ اس میں «نیست آہنگ» کے بدلے «میگزد ذوق» ہے۔

(٤) کظ کا ایک شعر ہے،

مہلے سپرد مور مگر جان بسلامت ببرد
تاچہ برق است کہ شد نامزد خرمن ما

یہ شعر جس غزل کا ہے وہ حاشیۂ کخ میں ہے، اور اس میں «خرمن» کے عوض «دشمن» ہے جو بہتر معلوم ہوتا ہے۔

(۵) کظ کا ایک مصرع ہے: «خون از جبین و دست ز قصاب شستہ ایم»
یہ حرض کخ میں اسطرح ہے: «تاخون خود ز دامن» الخ، لیکن حاشیۂ کخ میں مثل کظ ہے۔

اضافہ:

پروفیسر آل احمد سرور نے اس مقالے کا وہ حصہ جس میں کلیات کے نام کی بحث ہے، سنکر میری توجہ اس امر کی طرف منعطف کرائی کہ «میخانۂ آرزو سرانجام» ایک مکمل مصرع ہے۔

نام کے بارے میں عرشی صاحب سے فروری سنہ ٦٠ میں گفتگو ہوئی، تو یہ معلوم ہوا کہ اب بھی ان کی یہی رائے ہے کہ نام «میخانۂ آرزو سر انجام» تھا۔

«پنج آہنگ» طبع کی نسبت جو بات حافظے سے لکھی تھی، صحیح نکلی (مکتوب جناب مالک رام بنام راقم)۔

[۲۰/۳/۱۹٦۰]

(مجلۂ علوم اسلامیہ، دسمبر ٦٠ء)

غالب کا ایک فارسی قصیدہ

شیفتہ نے غالب کا کلیات نظم فارسی ایک مجہول الاسم کاتب سے لکھوایا تھا، اور اس کی کتابت اواخر ۱۲۵۷ھ ہجری میں تمام ہوئی تھی۔ اس کے حواشی میں جو اشعار ہیں، ان سے قطع نظر، سنۂ مذکور کے بعد کا کوئی شعر اس میں نہیں۔ میں نے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب کی فرمائش سے اس کے متعلق ایک مقالہ لکھا ہے، جسے وہ عنقریب شائع کریں گے۔

کتب خانۂ دانش گاہ علی گڑھ لی ان کتابوں میں جو نواب محمد اسمٰعیل خاں نبیرۂ شیفتہ کا عطیہ ہیں، غالب کے اشعار فارسی کا ایک مجموعہ = م ہے، جس کے کاتب اور زمانۂ کتابت کے بارے میں کوئی اطلاع اس میں نہیں ملتی، لیکن، عجب نہیں کہ اس کا کاتب وہی ہو جو کلیات مذکور کا ہے، اور اُس کی طرح یہ بھی انھیں کی فرمائش سے لکھا گیا ہو۔ مستثنیات سے قطع نظر اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کلیات میں ہو، اور یہ یقین ہے کہ اس میں ۱۲۶۳ھ کے بعد کا کلام نہیں۔

م میں ایک قصیدہ اس عنوان سے ہے: "در تہنیت غسل صحت حضرت[1] اقدس" اور اس کا مصرعِ اوّل یہ ہے:
"در روزگار ہا نتوانند شمار یافت" غالب نے ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے بعد دستنبو لکھی اور چھپوائی تو اس میں یہ قصیدہ ترمیم شدہ شکل میں شامل تھا، اور ترمیم اس نوع کی تھی کہ اب یہ ملکۂ وکٹوریا کی مدح ہو گیا تھا۔ بعد کو یہ قصیدہ کلیات نظم فارسی طبع لکھنؤ میں درج ہوا تو اس کا عنوان یہ تھا:
"سی ام قصیدہ نیز در مدح شہنشاہ انگلستان"

م میں قصیدۂ ہٰذا کے اشعار کی تعداد ۶۶ ہے اور ان اشعار میں سے ۵۶ دستنبو[2] و کلیات (= کد) میں موجود ہیں۔ کد میں اس قصیدے کے جو ۶۰ اشعار ہیں، ان میں سے ۴ م میں نہیں ہیں۔

پچیسویں شعر تک م و کد میں کچھ فرق نہیں؛ اس کے بعد م میں ذیل کے ۴ اشعار ہیں جو کد سے غیر حاضر ہیں:

رنج از نہاد خسروِ دیندار رخت بست
مقبول شد دعا و دعا اعتبار یافت

طرف کلہ قسم بسر تاجدار خورد
روے نگیں نشان ز نشۂ نامدار یافت

گردد دوتا چو رشتہ شود استوار تر
عمر دوبارہ خسرو فرخ تبار یافت

آرے ز عمرِ خضر و مسیحا برد گرو
ایں نقدِ زندگی کہ شہنشہ دوبار یافت

ان اشعار کے بعد م میں کد کے اشعار ۳۰ و ۳۱ ہیں مگر

---

[1] مراد از بہادر شاہ۔ غالباً اس قصیدے کا اسی بیماری سے تعلق ہے جس کا ذکر غالب کے خطوط میں ہے۔ ان خطوط سے اس کے زمانۂ تصنیف کی تعیین ہو سکتی ہے۔

[2] دستنبو اس وقت پیش نظر نہیں، مگر جہاں تک مجھے یاد ہے، دستنبو میں قصیدہ اسی طرح ہے جس طرح کہ کلیات مطبوعہ میں ہے۔

موخرالذکر کا مصرع آخر م میں یوں ہے : "امروز (از بسکہ کد) تاج کام دل اندر کنار یافت" ان کے بعد کد کا شعر ۲۶ م میں اس طرح ہے :

دولت سپند سوخت کہ دین تازہ شد[1]
دین آفرین سرود کہ دولت مدار یافت[2]

کد کے اشعار ۲۷ و ۲۸ م میں نہیں ہیں :

از انتظام شاہی و آئین خسروی
سور و سرور و دانش و داد انتشار یافت

برخستگان ہند ببخشود از کرم
وکٹوریا کہ رونق از روزگار یافت

م میں کد کے شعر ۲۶ کے بعد ذیل کے ۲ شعر ہیں جو کد میں نہیں ہیں :

جشنے است چشم روشنیٔ شہریار را
خود چشم شہر روشنی از شہریار یافت

صاحبقران صورت و معنی ابو ظفر
کز نام وے قلم نفس مشکبار یافت

ان اشعار کے بعد م میں کد کا شعر ۲۹ اس اختلاف کے ساتھ ہے کہ اس کا آغاز "جشنے" کی جگہ "بزمے" سے ہوتا ہے۔ اب م میں کد کے اشعار ۳۲ تا ۳۸ آتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ شعر ۳۸ کی ابتدا "تقویٰ" کی جگہ "ہمت" سے ہوتی ہے۔ ان کے بعد م میں جو دو شعر ہیں، وہ کد سے غائب ہیں :

رضوان ز پیش گاہ خداوند نور و نار
فرمان نخلبندی دہلی دیار یافت

حوران خلد تا چہ بہم گفتگو کنند
زاں پیچ و تاب ہا کہ دریں شاخسار یافت

اب م میں کد کے اشعار ۳۹ تا ۴۱، اختلاف صرف اتنا ہے کہ شعر ۴۱ میں "کجاست" کے عوض "نبود" ہے۔ ان کے بعد م میں یہ دو شعر ہیں جو کد سے غیر حاضر ہیں :

در بزم بس کہ رنگ ہوا بارد از ہوا
ہر سادہ رو کہ بے خبر آنجا گذار یافت

تا دست در شکستن طرف کلاہ زد
در رخ نشان غازہ و بر کف نگار یافت

اب م میں کد کے اشعار ۴۲ تا ۴۷ ہیں اور پھر اشعار ۵۰ تا ۵۸ آتے ہیں۔ کد کے اشعار ۴۸ و ۴۹ م میں نہیں ہیں :

تاج و نگیں علامت شاہیست در جہاں
ایں ہر دو ہر کہ شد بجہاں شہریار یافت

فرمانروائے ماست کہ از فر شوکتش
شد تاج سرفراز و نگیں اعتبار یافت

کد کے اشعار ۵۸، ۵۹ م ... اس طرح ہیں :

ایں عمر را شمار نداند مگر خدا
در خود ز روے ہندسہ گاہے شمار یافت

تقدیر کار و بار مسمّیٰ باسم داد
ہر جا الف بنشست محاسب ہزار یافت

ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کی ناکامیابی کے بعد بہادر شاہ اور ان کے متعلقین پر جو کچھ گزری سب کو معلوم ہے، لیکن، اس کے کچھ ہی بعد، غالب نے اسی قصیدے کو ملکۂ وکٹوریا کی مدح کا قصیدہ بنا دیا اور اس میں انھیں کچھ قباحت نظر نہ آئی۔

● ●

"ھماری زبان" علی گڑھ، ۲۲ جنوری ۱۹۶۰ء

---

[1] "شد بکم تازہ روے" کد [2] "ملک" کد

غالبؔ کے ایک قصیدے کا اولین ممدوح

(۱) غالب خاتمۂ گل رعنا میں جو کلکتہ کا لکھا ہوا ہے اور پنج آہنگ میں شامل ہے سفر کلکتہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"نخست[۱] اتفاقِ ورود بہ لکھنؤ افتاد۔ نظم

اندر آن بقعۂ معمور ز دلتنگی خویش — حسرت آگین چو گنہگار بزندان رفتم
جلوہ در طالع خاشاک من افتاد زبون — شد غلط جادۂ گلخن بگلستان رفتم
تشنۂ بحر تماشا شدم صرفہ نکرد — کہ زجوش عرق شرم بطوفان رفتم
سبزۂ رنگ طراوت بخزان باختہ ام — خس شدم تا بچراگاہ غزالان رفتم
کاش میسوختم و داد فنا میدادم — شرم بادا کہ بدان تازہ خیابان رفتم

رفتہ رفتہ ذکر خاکساریہای مرا بہ بزم آغا میر.. کہ در آن روزہا بآہنگ معتمد الدولگی بلند آوازہ بود و بتر خانی فرمانروای آن کشور و مدار المہامی آن سلطنت اشتہار داشت رسانیدند، تا از آن جانب کششی رفت، ازین سو نیز آشوب ہوسی گل کرد، چون ملازمت قرار یافت خاستم دستمایۂ عقیدتی سرانجام دادن، و رہ آورد عالم عبودیتی عرضہ داشتن طبع از فکر قصیدہ شگفتگی گرد، و سینہ بریں آرزو تنگی، جنون شو قم. بیدای کنارہ ناپیدای نثر انداخت، وسواد عبارتی ہم در صنعت تعطیل روشن ساخت اگرچہ وقت اقتضای دیدن آن جاہمند نکرد، و آن ہوس از سینہ بدر رفت اما آن سودہ در سفینہ ماند"

فرمانروای آن کشور سے مراد غازی الدین حیدر متوفی ۲۷ ربیع الاول

---

[۱] کلیات نثر فارسی مطبوعہ ۱۸۶۸ء ص ۱۵

سنہ ۱۲۴۳ھ ہیں۔ آغا میر اس کے وزیر تھے۔ غالب نے صراحتہً کہا ہے کہ میں اس کی مدح میں قصیدہ نہ کہہ سکا۔ اشعار منقولہ بالا ایک قصیدے کے ہیں جو کلیات نظم فارسی میں موجود ہے لیکن کلیات میں ترتیب اشعار وہ نہیں جو خاتمے میں ہے، اور اس میں ایک شعر سبزہ الخ کے بعد ہے جو خاتمے سے غیر حاضر ہے۔ خاتمے میں جو اشعار ہیں وہ یا تو پہلے سے موجود تھے یا اس کی تحریر کے وقت موزوں ہوئے۔ گل رعنا کا ایک نسخہ مالک رام صاحب نے براہ کرم مجھے دکھایا تھا۔ میں اس وقت یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ اقتباس بالا اس میں بجنسہٖ اسی طور پر ہے یا اختلاف کے ساتھ ہے۔

(۲) غالب نے سبحان علی خاں کے نام ایک خط لکھا تھا جو پنج آہنگ میں موجود ہے اس کا اقتباس ذیل ملاحظہ ہو[1]

"فرخی طالع خویشتن راستایم کہ درین جستجو خاطر جز بالتفات خاں رفیع الشان (مکتوب الیہ) پیوند منت پذیری نگرفت۔ خار این آرزو بدامن دل آویختہ و شور این تمنا غوغای رستخیز از نہاد برانگیختہ کہ این عرضداشت بفروغ نگاہ آصف ثانی (وزیر) مشرقستان گردد، واین قصیدہ بیزم مینو مثال سلیمانی (مراد از دربار شاہی) خواندہ شود تا مرا۔ بجائزہ خسروی رخ امتیاز افروزش پذیرد، وانگاہ صلہ بدان گرانمایگی کہ ہم بدہرم بلند نامی دہد، وہم در نظر خویشم گرامی کند۔ خرد میسگالد کہ این آرزو ہای دشوار، چہ مایہ دور باش یاس در برابر است، اما ہم درین سگالش دل بدین اندیشہ نیرو میپذیرد کہ خان ارسطو تدبیر (مکتوب الیہ) را برگ چارہ فراوان است، وشاہ و وزیر را دست بخشش دراز۔"

قصیدے سے یقین ہے کہ وہی قصیدہ مراد ہے جس کے کچھ اشعار اوپر نقل ہوئے ہیں۔ اس کے بعض دوسرے اشعار ملاحظہ ہوں:[2]

ہم زاسمت کہ دہد نصرت دین حیدر	صفت ذات تو دانستم و نازان رفتم
بزم دستور ترا قطعۂ گلشن گفتم	چون بدیدم ہم از آن گفتہ پشیمان رفتم
روشن الدولہ بہادر کہ بایثار وعطا	حاتمش گفتم وشرمندۂ نقصان رفتم

[1] ایضاً صہ ۱۰۵ [2] کلیات نظم فارسی طبع ۱۸۶۳ء صہ ۳۱۱

بجیم لبِ پر دو نبویس براتم بردی تا بدانم کہ باصف ز سلیمان رفتم

قصیدے کا اصلی ممدوح نصیر الدین حیدر رہے، اور ضمناً روشن الدولہ کی بھی تعریف ہے۔ واضح رہے کہ سبحان علی خاں بقول صاحب تاریخ اودھ "میر کونسل معتمد الدولہ" تھے، معتمد الدولہ کی معزولی کے بعد یہ میر فضل علی خاں کے معتمد علیہ بھی رہے، اور جب روشن الدولہ وزیر ہوئے تو حضرات کنبوہ (مراد از سبحان علی خاں وغیرہ) کا گھر مرور صحبت خاص وعام ہوا۔ روشن الدولہ ۱۲۴۸ھ میں اس عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ اسی سنہ میں یا اس کے کچھ بعد غالب نے قصیدۂ زیر بحث سبحان علی خاں کے پاس بھیجا ہوگا۔

(۲) غالب نے کرم حسین خاں سفیر شاہ اودھ کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ عبارتیں ملتی ہیں:

آنچہ من[1] در صلۂ نگارش این قطعہ دستمزد خویش میشناسم روشناسی خسروست، و تشریف قبول و نوید التفات و عطیۂ فتوح۔ اما کشایش طلسم این مدعا در گرد آنست کہ پایہ و مقام ستایشگر بحضرت ممدوح برشمردہ شود، تا باندازۂ ارزش وی عطا تواند کرد، ورنہ پیداست کہ جائزہ بادخوانان تا چہ قدر است، و آبروی مدح گستران تا بکجا۔ اندیشہ فتوی میدہد کہ پیدائی این مراتب باندازۂ گفتار سبحان علی خاں صاحب نباشد۔ ایشان آبروی خاکساریہای سائل در نظر ندارند و جز شاعر صلہ جو نشمارند، اگر مخدوم مرا سربیکس نوازیست، قطعہ در نوردِ عرضداشت شاہی فرو پیچند، و آنچہ بحال نامہ نگار در خورد انند کما بیش رقم فرمایند تا ہم بنظر سلطان گرامی گردیدہ باشم وہم ببرگ و نوا رسیدہ۔۔ اگرچہ پایۂ فرمانِدہ اودھ بالاتر از آنست کہ چون منی لب بثنایش تواند گشود، لیکن من ہم درین شیوہ کہ عبارت از ثنا خوانی وسخن فروشیست، ننگ دودمان خویشم۔ بالجملہ سپاس از بخت دارم کہ مرجع من۔ مولوی سید کرم حسین خان بہادر باسد اللہ جز کرم نکند۔"

کلیات نظم[2] فارسی میں صرف ایک قطعہ ایسا ہے جس کا شاہ اودھ سے تعلق ہے، اس کا عنوان "در تاریخ کتخدائی پادشاہ اودھ" ہے۔ "پادشاہ اودھ" سے مراد نصیر الدین حیدر ہے۔ قطعے کے دو شعر درج ذیل ہیں:

---

[1] کلیات نثر فارسی صفحہ ۱۰۱ + [2] ۵۲ صفحہ ۲۱۰ +

بہ ترتیب این ہمایوں جشن — کہ بخسرو خجستہ باد بفال
زد رقم بزم عشرت پرویز — وینکہ گفتم بود زروی وصال

"بزم عشرت پرویز" = ۱۲۴۶، زروی وصال = ۴ شادی ۱۲۵۰ھ میں ہوئی تھی، اور قطعہ اس پر مشعر ہے۔ خط میں سبحان علی خاں کا ذکر جس طور پر ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ غالب ان کے رویّے سے ناخوش ہیں۔

(۴) تفتہ نے ایک قصیدہ زیر بحث کی زمین میں لکھا تھا، غالب اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔

"پرانا قصہ[1] تم نے یاد دلایا، داغ کہنۂ حسرت کو چمکایا۔ یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ کے پاس، اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گذرا اور جس دن گذرا اسی دن ۵ ہزار روپے .. بھیجنے کا حکم ہوا۔ منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ مظفر الدولہ لکھنؤ سے آئے انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ ناسخ کو لکھا۔ انھوں نے جواب لکھا کہ ۵ ہزار ملے۔ تین ہزار روشن الدولہ نے کھالئے، دو ہزار منشی محمد حسن کو دئے کہ اس میں سے ... جانو غالب کو بھیج دو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا؟۔ میں نے لکھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں ملے۔ انھوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اس کا مضمون یہ ہو کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے۔ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا۔ میں کہ ناسخ ہوں اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر ان کا کھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیجوں گا۔ یہ خط .. میں نے .. روانہ کیا، آج .. روانہ ہوا، تیسرے دن .. خبر اڑی کہ نصیر الدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں اور ناسخ کیا کرے"۔

ظاہر ہے کہ اگر قصیدہ لکھنؤ گیا تھا، تو اس کا زمانہ وفات نصیر الدین حیدر)
سے بہت قبل نہ ہوگا۔ روشن الدولہ سبحان علی خاں وغیرہ کی پاسداری کی وجہ سے معزول ہو چکے تھے اور وفات نصیر الدین حیدر کے وقت دوسرا شخص وزیر تھا۔ ناسخ کا رسوخ عہد معتمد الدولہ میں تھا، جو آغاز دور نصیر الدین حیدر میں ختم ہو گیا تھا۔ معتمد الدولہ کانپور چلے گئے

---

[1] اردوی معلی مطبع کریمی لاہور صفحہ ۹۵ +

اور ناسخ مدتوں جلاوطن رہے۔ نصیر الدین حیدر کے زمانۂ آخر میں، وہ اس قابل نہ تھے کہ بادشاہ کو اپنے نام کا خط پڑھوا کر معزول شدہ وزیر کا لکھایا ہوا روپیہ وصول کر کے غالب کو بھجواتے۔

(۵) اقتباسات مکاتیب غالب بنام "منشی محمد حسن خاں" (الف) "پیش ازیں نامہ بنام سبحان علی خاں و عرضداشتی بحضور.. وزارت پناہی با یک قصیدۂ مدحیۂ شاہ رقم کردہ، مجموع اوراق پیش وکیل راجہ۔ صاحب رام.. فرستادہ ام و خواستہ ام کہ.. بنظر خان صاحب گذشتہ، بحضرت دستور اعظم رسد۔ بو کہ این قصیدہ ببزم خسروی خواندہ شود و نامہ نگار از مائدہ جود خسرو داو (کذا) دزلہ بربندد۔ تا امروز کہ اربعین کامل گذشت، ہیچگونہ.. اثری پدیدار نگشت.. امروز کہ چارشنبہ ہژدہم ماہ ترسایانست.. خیال در دل این آشوب انگیخت کہ براجہ صاحب رام۔ عرض کردہ شود کہ بہ لکھنؤ وکیل خود را نویسند تا آن نامہ و آن عرضداشت کہ نورد آن بقصیدہ آبستن است، بوالا خدمت شمار ساند ذوق آرزو طلبی آنچنان بیتابم کرد کہ.. بشب نامہ نگاشتم و ہم بشب بخدمت راجہ صاحب فرستادم۔ امید کہ چون وکیل راجہ صاحب این صراحت نامہ یا نگاشتہ ہای کہ برشمردہ آمد بملازمان دہد بحر کرم بجوشش آید و تفقد بصرف غالب نوازی گردد۔ این قدر میگویم کہ مرا بپاسخ این نامہ باید نواخت" (کلیات صـ ۱۷۵)

(ب) مکتوب الیہ کو کوئی عہدہ ملا ہے۔ اس خط میں اس کی مبارکباد بھی ہے "غالب کہ نو آموز شیوۂ گدائیست یکچند بحکم حیا بخموشی ساخت، اکنون کہ جوشش گلبانگ تہنیت مہر سکوت از دہن برداشت.. آنچہ زدست از لب فرو میریزد۔ فرستادن قصیدۂ مدحیہ جامعہ (کذا) مدح شاہ و وزیر بسا گراں مایہ عزیمتہا راشامل است.. بو کہ مرا بجائزہ بادخوانی.. این مایہ سامان فراز آید کہ خود را گرد آوردہ، بہ کلکتہ توانم بر دوکاری توانم کرد.. اگر درین نزدیکی تقریبے اندیشیدہ قصیدہ گزارندہ (کذا) و حال سائل گزاردہ شود، موہبتی است سترگ و بخشایشی است عظیم" صـ ۱۷۶

ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے قصیدہ وغیرہ محمد حسن کے حوالے کرنے کی ہدایت کی تھی، مگر یہ پتا نہیں ملتا کہ یہ چیزیں وکیل راجہ صاحب رام نے انھیں دیں یا نہیں۔ محمد حسن کی طرف سے ظاہرا ان کی رسید غالب کو نہیں بھیجی گئی۔ اس کا امکان بھی ہے کہ غالب کی ہدایت موصول ہونے سے پیشتر ہی قصیدہ وغیرہ سبحان علی خاں کو دیدیا گیا ہو۔

(۶) اقتباس مکتوب غالب بنام ناسخ۔ یہ اوائل ۱۲۵۱ھ کا خط ہے، اس میں شمس الدین احمد خاں کے مقدمے کا ذکر ہے "آنچہ در باب پاسخ مکتوب من بزبان گہر فشان سبحان علی خاں رقم پذیرفتہ است، نہ چنانست بلکہ احق آنست کہ خان والاشان بگمنامان نپرداخت، والتفات بخاکساران ننگ پایۂ خود شناخت، ورنہ بشرط تامل پنہان نمیتواند ماند کہ مقصود من ہمہ آن بود کہ قطعہ بنظر بندگان خسرو سپہر آستان گذرد و لختی از خاکساری و بے اعتباری من گفتہ شود و اینہا خود این قدر دشوار نبود" کلیات ص۱۷۲

اس خط کا تعلق قصیدہ و عرضداشت سے نہیں، اس قطعے سے ہے جس کا ذکر آچکا ہے۔ کرم حسین خاں کو سبحان علی خاں کے متعلق جو کچھ لکھ چکے تھے اس کے بعد ان سے کاربرآری کی کیوں امید تھی یہ سمجھ میں نہ آیا۔

(۷) کتبخانۂ خدا بخش میں غالب کے کلیات نظم فارسی کے دو قلمی نسخے ہیں، اور یہ دونوں غالب کی نظر سے گزر چکے ہیں اور دونوں کی کتابت تیرھویں صدی کے چھٹے عشرہ میں ہوئی ہے (ان سے متعلق میرے مقالے شائع ہو چکے ہیں) قصیدہ زیر بحث ان دونوں نسخوں میں ہے، اور اس کا عنوان دونوں میں یہ ہے:

"گرایش خیال بہ لکھنؤ بسر و برگ ذریعۂ این قصیدہ و نگارش پذیرفتن مدح شاہ اودھ، در جریدہ، و بورق یادگار ماندن مدح بممدوح نارسیدہ از عالم مستی ببوی بادۂ ناکشیدہ۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قصیدہ ممدوح یعنی شاہ اودھ تک پہنچا ہی نہیں، صلے کا کیا سوال ہے۔ یہ معاملہ کہ بادشاہ نے ۵ ہزار غالب کو دئے جانے کا حکم دیا تھا، عالم خیال میں پیدا ہوا۔

(۸) امور بالا محض بطور تمہید ہیں۔ اس مقالے کی علت غائی یہ بتانا ہے کہ دراصل قصیدہ معتمد الدولہ کی مدح میں تھا۔ غالب نے یہ بات کہ قصیدہ نہ کہہ سکا، مصلحتہً لکھی تھی۔ فی الحال اس قصیدے کے ۴۰ اشعار ہیں ابتدا میں ۱۰ اتھے معتمد الدولہ سے ملاقات نہ ہوئی اور یہ قصیدہ پیش نہ ہوا تو وہ اسے نواب مرشد آباد کے نام سے شہرت دینا چاہتے تھے لیکن، یہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آسکا۔ غالب ایک غیر مطبوعہ خط میں محمد علی خاں (باندہ) کو لکھتے ہیں کہ میں نے

معتمد الدولہ کی مدح میں جو قصیدہ کہا تھا وہ، جب تک کہ ترمیم نہ ہو، کسی کو دکھایا نہ جائے خط کا اقتباس ذیل ملاحظہ ہو:

قصیدہ کہ در مدح آغا میر گفتہ ام خدا میداند کہ برائی خاندان من طرفہ داغ بدنامیست[1] ولطف اینکہ یک صد ودہ شعر را از صفحہ حک ساختن نمیتوانم ...[2] نواب مرشد آباد نیز سید ناہ است، این قصیدہ را بنام وی شہرت دہم، گو بملازمتش نارسیدہ ...[3] لیکن مداح بودن من ہمایون جاہ (نواب مرشد آباد) را بر من ناگوار نیست توقع تا زمانیکہ اشعار موضع اسم ممدوح ... قصیدہ را بکس ننمایند وعیب خسروان را چون بزرگان بپوشند"

میرے پیش نظر اصلی خط نہیں، اس کی نقل ہے۔ اس کے مکتوب الیہ کا نام مرقوم نہیں لیکن اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ محمد علی خاں کے نام سے ہے۔ خط زیر بحث جس مجموعے میں ہے اس کا مفصل ذکر کسی دوسرے مقالے میں کیا جائے گا۔

(صبح، پہلا حصہ: ۱۹۶۲ء)

---

[1] قصیدہ "داغ بدنامی" تھا، تو نثر کیوں محفوظ رکھی؟ [2][3] عبارات ضائع شدہ۔

۱) فغانِ دہلی
۲) تذکرۂ گوفتہ
۳) مکتوبِ ڈاکٹر صدیقی
۴) غالب نامہ

سبدِ چیں [1]

سبدِ چیں غالب کے فارسی اشعار کا ایک مختصر مجموعہ ہے جو کلیات کے انطباع کے کئی سال بعد چھپا تھا، اور جس کی دوسری اشاعت [2] اُن کی زندگی ہی میں غالباً کسی دوسرے نام سے طبع ہوئی تھی تیسری اشاعت [3] ۱۹۲۶ء میں منطبع ہوئی ہے اور اس کے مرتب مالک رام صاحب ہیں۔

الف کا جو نسخہ میں نے دیکھا ہے وہ بنگال رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے۔ تعداد صفحات ۴۲ اور سطر ۱۲ سطروں کا ہے۔ پہلے صفحے پر کتاب کا نام وغیرہ ہے اور دوسرے پر دیباچہ جو ج کے خلاف کسی عنوان کے بغیر درج ہوا ہے۔ اشعار تیسرے صفحے سے شروع ہو کر چالیسویں پر ختم ہو جاتے ہیں، اور اسی صفحے پر چند سطروں کا "خاتمۃ الطبع" ہے۔ آخر کے دو صفحے غلط نامے نے لئے ہیں۔ صفحۂ اوّل اور "خاتمۃ الطبع" کی عبارتیں جو ج میں نقل نہیں ہوئیں درج ذیل ہیں:۔

صفحۂ اوّل :۔ "ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ، بفضلِ الٰہی ایں نگارشِ رنگین نوآئین مسمّیٰ بہ سبدِ چیں بقیۂ دیوان حضرت غالب مدظلہ العالی در مطبع محمدی باہتمام محمد مرزا خاں طبع شد۔"

خاتمۃ الطبع :۔ "الحمدللہ کہ ایں نگارش نوآئین مصنفۂ نجم الدولہ دبیر الملک، اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ، غالب بتاریخ یزدہم ماہِ ربیع الثانی سال یک ہزار و دو صد و ہشتاد و چہار ہجری النبوی در مطبع محمدی باہتمام

---

[1] الف، ب، ج = سبدِ چیں کی اشاعت اول و ثانی و ثالث علی الترتیب۔ د = کلیات نظم فارسی اشاعت اوّل۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کا مملوکہ نسخہ جو میری نظر سے گزرا ہے ناقص الآخر ہے۔ اس سے سالِ طبع کا پتا نہیں چلتا۔ عرشی صاحب جنکے پیشِ نظر دکی الگ "پرانی نقل" تھی حواشی انتخاب غالب (صفحہ ۳۲۶) میں لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں چھپا تھا۔ ہ = کلیات نظم فارسی اشاعت دوم۔ یہ پہلی بار ۱۲۸۰ھ میں طبع ہوئی اور اس کے بعد کئی بار چھپی ہے۔ اس وقت جو نسخہ سامنے ہے ۱۹۲۳ء کا مطبوعہ ہے۔ خ = انتخاب غالب۔ کلب علی خاں کی فرمائش سے خود غالب نے ۱۸۶۶ء میں اپنے اشعار فارسی و اردو کا انتخاب کیا تھا۔ م = مکاتیب غالب مرتبہ عرشی صاحب اشاعت ثانی۔ ن = کلیات نثر فارسی طبع اوّل مشتمل بر پنج آہنگ، مہر نیم روز و دستنبو۔ اردو = اردوئے معلّیٰ مطبوعہ کریمی لاہور۔ یادگار = یادگار غالب حالی، نول کشور الٰہ آباد۔

[2] ب بہت کمیاب ہے ابتک اسکے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جن کر معلوم ہے کہ پاس اس کا ایک نسخہ ہے فی الحال ایران میں ہیں۔

[3] مطابق ۱۸۶۷ء

[4] ناشر اد، بہ ظاہر مرتب کے نزدیک۔۔

محمد مرزا خاں واقع دہلی کوچہ چیلہ گذر فیض آباد با تمام رسید و بحسن اختتام انجامید۔"

غالب دیباچے میں رقم طراز ہیں:-

"آنچہ پس از انطباع کلیات فارسی گفتہ شد۔ وآنچہ یاراں از دیرین مسودات داشتند ومن از آں خبر نہ داشتم، واینک بمن رسانند، در اوراق جداگانہ ضبط شد و آں را سبد چیں نام نہادہ آمد۔"

غالب نے غالباً بے ارادہ حقیقت سے کسی قدر انحراف کیا ہے۔ ان کے فحوائے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ تمام اشعار جو انطباع کلا (ترتیب چار سنہ) کے بعد منظوم ہوئے ہیں، الف میں شامل ہیں، مگر ایسے کچھ اشعار الف سے باہر بھی ہیں۔ مثلاً یہ تین رباعیاں:-

"سر تا سر دہر مشترستاں گوبا ہے الخ" (م ص ۳۶)، "نواب گرشتہ شوکت اقبالش الخ" (م ص ۳۷) "نوروز و دو عید از دو جانب امسال الخ" (م ص ۳۸)، جو علی الترتیب ۱۲۸۱ھ، ۱۲۹۲ھ اور ۱۲۸۶ھ کی ہیں! اور دو شعروں کا وہ قطعہ جس کا ذکر ص ۱۱۶ پر ہے اور جس کا مصرع آخر یہ ہے "آمد سال رحلت داغ جگر گداز ہائے" یہ قطعہ ۱۲۷۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ غالب کا یہ کہنا بھی صحت سے دور ہے کہ پرانے اشعار میں سے صرف وہی الف میں درج ہوئے ہیں جن کی انھیں "خبر" نہ تھی، اور جو دوستوں نے انھیں ~~ملتقط~~ مہیا کیے۔ ترکیب بند مہیت جو الف میں شامل ہے اور جس کی نسبت حالی کا بیان ہے کہ:-

"مرزا صاحب کے عزیزوں اور دوستوں نے کلیات فارسی میں .... چھپنے نہیں دیا" (یادگار ص ۳۲) کبھی ایسی نظموں میں نہیں ہو سکتا ~~جسے~~ غالب نے فراموش کر دیا ہو۔ نظم کی بلند پایگی سے قطع نظر اس کا تعلق ان کی زندگی کے ایک ایسے واقعے سے ہے جس نے انھیں بے انتہا متاثر کیا تھا۔ ایک رباعی جس کا مصرع اول یہ ہے:- ع

اے وادہ و بیادہ عمر در لہو و فسوس

دار کلیات شیفتہ کے دو قدیم نسخوں میں جنھیں غالب کی نظر سے گزرنے کا شرف حاصل ہے، موجود ہے۔ الف میں اس کا نہ ہونا یقین ہے کہ محض سہو کاتب پر مبنی ہو۔ اگر غالب کی ہدایت کو اس میں دخل ہوتا تو وہ اسے اس انتخاب میں شامل نہ کرتے جو انھوں نے کلب علی خاں کے لیے کیا تھا (انتخاب ص ۱۷)، الف میں اس کے اندراج کے لیے غالب احباب کے ممنون نہ ہوں گے۔ گلشن بے خار مصنفہ شیفتہ

---

۵ کتب خانہ شرقیہ بانکی پور میں ایک نسخہ ۱۲۵۴ھ اور ایک ۱۲۵۸ھ کا ہے۔ پہلے نسخے کے اختتام کتابت میں ۱۲۵۴ھ کے نسخے کا نام مصنف غالب نے میخانۂ آرزو بتایا ہے۔ اس نسخے پر یہ نام ثبت نہیں۔ اور نہ کسی دوسرے نسخے پر اس وقت تک یہ یا کوئی دوسرا خاص نام مرقوم ملا ہے۔ مرتب پنج آہنگ نے کلیات نظم فارسی کے پہلے نسخے کی نسبت پنج آہنگ کی تمہید میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا نام میخانہ ہے۔ مجھے مولوی مہیش صاحب کی اس رائے سے جو انھوں نے ایک خط میں ظاہر کی ہے اتفاق ہے کہ علی بخش خاں نے میخانۂ آرزو سرانجام نام بتایا ہے۔

کا قطعۂ تاریخ کلیات کے ایک قلمی نسخے میں ہے، لیکن الف میں خود گلشن بے خار سے لیا گیا ہوگا جو لا سے بہت پہلے چھپ چکا تھا۔ چار رُباعیاں :۔

"جائے کہ ستارہ شوخ چشمی ورزد الخ" (ل صفحہ ۱۹۵)، "در کالبد شہر رواں باز آمد الخ" (ل صفحہ ۲۰۳ب)،
"از دہر دلم وایہ زہر ورے جست الخ" (ل صفحہ ۵ب)، "زیبا بکہ بھیجہ وردوانی مائیم الخ" (ل صفحہ ۲)، بھی پنج دستنبو سے لی گئی ہیں، اور یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ ترتیب الف کے وقت غالب ان کے وجود سے بے خبر تھے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ الف میں وہ تمام پرانے اشعار جو کسی نہ کسی وجہ سے لا میں شامل نہ ہو سکے تھے موجود ہیں۔ (۱) جس طرح لا میں کچھ کلام مصلحت کی بنا پر جگہ نہ پا سکا تھا، غالب کی مصلحت اندیشی الف میں بھی کچھ کلام کے عدم شمول کا باعث ہوئی۔ مثلاً وہ مثنوی[۱] جو غالب نے الفر کی زبان سے ان کے مذہبی عقائد کی بابت لکھی تھی، اور جو ۱۲۶۳ھ میں لکھنؤ سے ایک دوسری مثنوی کے ساتھ طبع بھی ہو گئی تھی، یہ مثنوی غالب کے شیعی احباب کی رنجش خاطر کا سبب ہوئی تھی، الف میں اندراج ان کی مزید برہمی کا باعث ہوتا۔

(۲) غالب کا کچھ پرانا کلام ایسا بھی ہے جو ادبی نقطۂ نظر سے چنداں اہمیت نہیں رکھتا، یہ بھی ممکن ہے کہ غالب نے اسے فراموش کر دیا ہو، اور دوستوں نے یاد دلایا بھی ہو تو وہ اسے محفوظ رکھنے کے قابل نہ سمجھے ہوں۔ کلیات کے قلمی نسخے مکتوبہ ۱۲۵۳ھ میں ایسا کچھ کلام موجود ہے۔

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ چیزیں غالب کے نزدیک الف میں شامل کرنے کے لائق ہوں، لیکن اس کی ترتیب کے وقت مل نہ سکی ہوں۔

(۴) غالب نے ان سے کچھ اپنے اشعار جو ان میں تھے، الف میں لے لیے تھے لیکن ان میں ایسے بہت سے اشعار ہیں جو نہ لا میں ہیں نہ الف میں :۔

(۵) غالب کی ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے :۔

شب ہائے غم کہ چہرہ بہ خوناب شستہ ایم ۔۔۔ از دیدہ نقش و سر بستہ خواب شستہ ایم (لا صفحہ ۵۵ب)

لا کے علاوہ ج اور نسخہ ۱۲۵۴ھ میں بھی ہے۔ اس زمین کی بیت ذیل :۔

تر دامنی نصیب کس از ازل دہیں مباد ۔۔۔ مائیم و لوث بادہ کہ از آب شستہ ایم (خ صفحہ ۱۳)

جو کسی قلمی کلیات میں اب تک ملی ہے اور نہ کلیات کے کسی مطبوعہ نسخے میں، بحیثیت مجموعی ترتیب ۱۸۶۳ء میں اس قابل سمجھی گئی تھی غالب کے انتخاب میں آنے کے، الف میں کیوں نہ شامل ہوئی اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

(ترتیب الف کے وقت پرانے اور نئے اشعار جو چھوٹ گئے تھے ان میں کس حد تک داخل ہو سکے۔

---

[۱] یہ مثنوی متفرقات غالب میں شامل ہے۔ (صفحہ ۵۹) اس کے متعلق معلومات کے حصول کے لیے متفرقات مع ضمیمہ اس کے مقدمے کے صفحات ۱۰ تا ۱۳، یادگار صفحہ ۲۲ اور ص صفحہ ۵۵ ملاحظہ ہوں۔

اس کا مجھے علم نہیں کہ غالب نے دیباچے میں لکھا ہے کہ ابیات الف "در شمار بہ ہزار بیت نتواند رسید" لیکن، مکررات سے قطع نظر، ان کی تعداد ۷۷ ہے۔ ان میں سے ایک رباعی کے دو شعر :۔

نام اب و جد و عم نہ گیرند ایں قوم　　　فیض از دم مادراں پذیرند ایں قوم

از مادر و از مادرِ مادر گویند　　　کس در کس امیر ابن امیر ند ایں قوم (الف ۳۱)

ج میں موجود نہیں، باقی ۷۵ ہیں۔ اس رباعی کا حذف جائز بلکہ بعض اصحاب کی رائے میں مستحسن قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے متعلق مرتب کی کامل خاموشی کسی طرح قابل تعریف نہیں۔ ۹۰ اشعار ج میں ایسے ہیں جو الف میں نہیں، یہ مرتب نے بڑھائے ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر ج کے کل اشعار ۱۶۰ ہیں۔ یہ زائد اشعار کہاں سے لئے گئے ہیں؟ اس کے بارے میں مرتب کا بیان ہے :۔

"میرزا صاحب کا بہت سا کلام تھا، جو مختلف کتابوں میں منتشر پڑا تھا، اور ان کے کسی مجموعے میں آج تک شامل نہیں ہوا تھا، ہم نے اسے بھی اکٹھا کر کے اس مجموعے میں شامل کر دیا ہے۔ امید ہے کہ کلیات نظم و نثر کے باہر ان کا جتنا کلام ہے آپ اس ایڈیشن میں پائیں گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ مرتب نہ تو غالب کے کل کلام کو "جو مختلف کتابوں میں منتشر پڑا تھا" ج میں جمع کر سکے، اور نہ انھوں نے ایسے اشعار کو جو "کلیات نظم و نثر" میں موجود ہیں، اس میں شامل کرنے سے کامل احتراز کیا ہے۔ مثال کے لئے اسی مثنوی کو لیجئے جو ظفر کے متعلق ہے اور جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ نہ یہ ج میں ہے اور نہ وہ مثنوی[۵۷] جو غالب نے اپنے بھانجے کی فرمائش سے لکھی تھی اور جو ۱۲۸۲ھ میں نول کشور نے چھاپی بھی تھی۔ ان دونوں کے سوا اور بھی کلام ہے جو ج میں نہیں۔ ان کے ماخذ حسب ذیل ہیں :۔ 　　　کی طرف سے

(ا) کلیات[۵۸] نثر غالب جس سے یہ بیت منقول ہے :۔

شاہی و درویشی ایں جا باہم ست　　　پادشاہ عہد قطب عالم ست (ج ص ۸۵، ن ص ۱۳۹)

یہ بیت اس مثنوی کی ہے جو ظفر کی مدح میں ہے، نہ معلوم اس کے اور ابیات کیوں ج میں جگہ نہ پا سکے۔

(۲) ک جس سے ذیل کی رباعی لی گئی ہے :۔ ع

ایں گروہ یہ مہر زر فشانی تعلیم الخ (ج ص ۷۹، ک ص ۱۴)

(۳) م جس سے بیت آخر قطعہ ۷۷ (ج ص ۵۴، م ص ۸۲)، قطعات ۴۲ تا ۴۴ (ج ص ۳۹ و ۴۲، م ص ۱۲ و ۱۳ و ۴۷)، قطعہ ۴۸ (ج ص ۵۴، م ص ۷۹) اور ج ص ۸۰ کا چوتھا اور پانچواں شعر ماخوذ ہے (م ص ۱۵ و ۸۴)۔

---

۵۷ مقدمہ م ص ۴ و ص ۳ ملاحظہ ہو۔

۵۸ یہ ممکن ہے کہ مرتب نے یہ بیت ن سے نہیں کہیں اور سے لی ہو لیکن اس کا اصلی ماخذ ن ہی ہے۔

(۴) اردو جس میں قطعات ۳۵ تا ۳۶ (ج ص۵۵ اردو ص۲۳۲ و ۲۹) قطعات ۳۸ تا ۴۲ (ج ص۵۹ و ۶۰ اردو ص۲۲ و ۳۲۱ و ۱۶۷ و ۸۳ و ۲۹۲) رباعی ۱۸ (ج ص۶۹ اردو ص۱۶۶) اور ج ص۷۵ کا پہلا اور دوسرا شعر (اردو ص۴۱ و ۲۹۵) موجود ہے ص۷۵ کا دوسرا شعر: ؎

فرخ آں روز کہ از خانۂ زنداں بروم　　سوئے شہر خود از یں وادی ویراں بروم

بخوبی ممکن ہے کہ غالب کا نہ ہو۔ غالب کے کسی خط میں اس کا پایا جانا اس کا ثبوت نہیں کہ غالب کا زادۂ طبع ہے۔

(۵) یادگار جس سے قطعہ ۴۳ (ج ص۶۱ یادگار ص۹۰) اور غزل ۱۰ (ج ص۷۲۔ یادگار ص۵۰) لی گئی ہے۔

(۶) دیوان اردو جو شجاع الدین احمد خاں تاباں مرحوم کے خاندان میں محفوظ ہے۔ قطعہ ۴۹ (ج ص۶۳) اس کے آخر میں ہے۔

(۷) تذکرۂ غوثیہ۔ جس سے قطعہ ۵۴ (ج ص۶۴) ماخوذ ہے۔

(۸) تیغ تیز جس سے ایک مثنوی نقل ہوئی ہے (ج ص۶۵ تیغ تیز ص۳۲ +)۔

(۹) واقعات دارالحکومت دہلی حصۂ دوم جس سے قطعہ ۳۷ (ج ص۵۵) لیا گیا ہے۔

(۱۰) نامعلوم ماخذ جس سے قطعہ ۴۷ (ج ص۶۲) منقول ہے۔　　ہر کہ غالب بود ماخذ او دہر نی

ان کے علاوہ اور ماخذوں کی طرف مرتب نے توجہ نہیں کی۔

مرتب نے اپنے ماخذوں کی نشان دہی کا کوئی معقول طریقہ اختیار نہیں کیا۔ نظموں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جس کے ماخذ کی نسبت ج میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ ان میں سے بہت زیادہ وہ نظمیں ہیں جو الف میں ہیں، لیکن بعض ایسی بھی ہیں جو الف میں نہیں۔ ج ص۴ کے متفرق اشعار، رباعیات ۱۷ و ۱۸، اور قطعہ ۴۸ ماخذوں کے ذکر سے خالی ہیں، اور ان میں سے کوئی الف میں نہیں۔ قطعہ ۴۷ کے ۵ ابیات میں سے ۴ الف میں موجود ہیں، صرف پانچواں اس میں نہیں م سے لیا گیا ہے، لیکن کل قطعے کا ماخذ م بتایا ہے، جو صورت حال کو صحیح طور پر نہیں ظاہر کرتا۔ قطعہ ۴۳ کے لئے مرتب نے اردو کا حوالہ دیا ہے، مگر یہ الف میں بھی ہے۔ پڑھنے والا ضرور اس نتیجے پر پہنچے گا کہ الف اس سے خالی ہے۔ قطعہ ۴۹ کے بارے میں مرتب نے لکھا ہے (ج حاشیہ ص۶۳) کہ یہ اور اس کے بعد کے "قطعے" مہر صاحب سے ملے ہیں۔ لیکن اس کے بعد صرف ایک قطعہ ہے۔ یہ بالکل پتا نہیں کہ قطعہ ۴۷ کہاں سے لیا ہے۔

حواشی ج میں جو معانی درج ہیں وہ حاشیہ ص۹ کے معانی کے سوا الف سے ماخوذ ہیں، اس کے

؎ یہ کتاب میرے پاس نہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کوئی قطعی ثبوت اس امر کا کہ قطعہ ۴۵ غالب کا ہی موجود ہے یا نہیں۔

؎ اس کتاب میں دیکھیے غالب نے

متعلق مرتب نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ مرتب نے یہ اچھا کیا ہے کہ علائی کا ایک قطعہ جو قطعہ ۳۰ سے تعلق رکھتا ہے حاشیۂ ص۵۲ پر رسالۂ "زمان" لاہور سے لیکر درج کر دیا ہے۔

مرتب نے جیسا کہ وہ خود مدعی ہیں اشعار ج میں جس ترتیب سے پیش کیے ہیں، وہ الف سے مختلف ہے: ج میں ص۷ سے ص۳۳ تک قصائد، ترکیب بند اور ترجیع بند ہیں، الف میں یہ نظمیں ج ہی کی ترتیب کے ساتھ ص۳ سے ص۲۰ تک ہیں۔ ج میں ص۳۴ پر جو مثنوی ہے، الف کے ص۳۶ پر ہے۔ ج میں ص۳۵ سے ص۵۱ تک ۲۶ قطعے ہیں جو الف میں ص۲۴ سے ص۳۴ تک ہیں۔ ج میں قطعات ۲۷ تا ۳۳ ص۵۱ سے ص۵۲ تک ہیں اور الف میں ص۳۷ تا ص۴۰ پر درج ہیں۔ قطعہ ۳۴ ج میں ص۵۲ پر اور الف میں ص۳۶ پر ہے۔ ج کے قطعات ۳۵ تا ۵۰ جو ص۵۳ سے ص۶۴ تک ہیں، الف میں موجود نہیں۔ ج کے ص۶۵ پر جو مثنوی ہے وہ بھی الف میں نہیں۔ ج میں ص۶۶ سے ص۷۱ تک ۷ غزلیں ہیں جو الف میں ص۲۰ سے ص۲۴ تک ہیں۔ ج کی آٹھویں غزل جو ص۷۱ پر ہے الف میں ص۳۵ پر اور ج کی نویں غزل جو ص۷۲ پر ہے الف میں ص۲۴ پر ہے۔ ج کی دسویں غزل (ص۷۲ و ۷۳) الف میں نہیں۔ متفرق اشعار جو ج ص۷۴ پر ہیں الف میں ص۲۴ پر ہیں، ج ص۷۵ کے متفرق اشعار سے الف خالی ہے۔ رُباعیات ۱ تا ۱۵ ج میں ص۷۶ سے ص۷۹ تک ہیں اور الف میں ص۳۴ سے ص۳۶ تک۔ رُباعی ۱۶ ج کے ص۷۹ پر اور الف کے ص۳۶ پر مثنوی کے بعد ہے۔ رُباعیات ۱۷ تا ۲۰ ج میں ص۷۹ و ص۸۰ پر ہیں، اور یہ الف میں نہیں۔

ایک نظم کو جس کی بیت افتتاحی یہ ہے: ؎

تعظیم غسلِ صحت نواب کم نگیر	زاں عید کاں مضاف بود جانبِ غدیر (ج ص۵۱)

غالب نے الف میں قطعہ کہا ہے، مرتب نے اُسے عنوان قصائد کے تحت درج کیا ہے۔ اس کا پہلا شعر مطلع ہے، اور اس کے اشعار کی تعداد ۳۶ ہے۔ مگر اس کا لہجہ قصائد کا نہیں۔ قطعے کی تعریف میں اختلافات ہیں، میں اس وقت اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اسے قطعہ کہنا چاہئے یا قصیدہ: ؎

نوروز و دو عید از دو جانب امسال	خوب ست زروئے وضع و نیک ست بہ فال (ج ص۶۲)
امید کہ ایں سہ عید نذر نواب	آرند دوام عمر و عزّ و اقبال
داد و دہش تو روز افزوں بادا	بردولتِ تو زمانہ مفتوں بادا (ج ص۶۲)
ایں عید و دو صد ہزار عید دیگر	برذات تو فرخ و ہمایوں بادا

مرتب کے نزدیک یہ دونوں نظمیں قطعے ہیں، لیکن یہ فاحش غلطی ہے۔ یہ دونوں رباعی کے مقررہ اوزان میں ہیں، اور انھیں رُباعی کے سوا کچھ اور نہیں کہنا چاہئے۔ میں اس سے ناواقف نہیں کہ غالب نے م میں

پہلی رُباعی کو قطعہ کہا ہے، مگر غلطی میں تقلید کیا ضرور ہے؟ ج ص۵ پر یہ بیت :- تماہی دور دلشی --- الخ 'متفرق اشعار' کے ذیل میں درج ہے، لیکن یہ بیت مثنوی کی ہے۔ ج ص۶۵ پر مثنوی کے اشعار عنوان 'نظم' کے تحت مرقوم ہیں، ج ص۳۲ پر عنوان مثنوی کے تحت جو مثنوی مندرج ہے۔ یہ اشعار اس کے بعد کیوں نہیں لکھے گئے سمجھ میں نہیں آتا۔ نیا عنوان قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ج میں بہت سی نظمیں ہیں جو کسی نہ کسی واقعے سے وابستہ ہیں اور ان میں فن جمل کے مطابق اُن واقعات کے سنین موجود ہیں۔ مرتب کا فرض تھا کہ وہ یہ دکھائیں کہ مادّہ ہائے تاریخ سے مطلوبہ سنین نکلتے ہیں یا نہیں؛ اور نکلتے ہیں تو کس طرح۔ اُنھوں نے بالالتزام اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ قطعہ اول میں گلشن بے خار کے اتمام کی تاریخ ہے۔ اس کی بیت آخر یہ ہے :ے

گر کسے لب تشنۂ تاریخ اتمامش بود ‏ ‏ ‏ ‏ جو بہائے آب ہم در گلشن بے خار ہست (ج ص۳۵)

اگر پورے دوسرے مصرع کو لیجئے تو اس سے مطلوبہ اعداد سے کہیں زیادہ نکلتے ہیں۔ صرف 'جو بہائے آب' اور 'گلشن بے خار' کے اعداد کو ملانے سے ۱۲۴۸ مستخرج ہوگا جو غالب چاہتے ہیں۔ ایک قطعے کے آخری دو ابیات یہ ہیں :ے

قطعۂ تاریخ آں فرخ بنا ‏ ‏ ‏ ‏ ہم درآنجا صورتِ ارقام یافت
نشست یا چوں راحت واکرام جست ‏ ‏ ‏ ‏ ہر دو را در گوشۂ حمام یافت (ج ص۳۵)

یہ پہلے سے معلوم نہیں کہ غالب کو کون سے اعداد مطلوب ہیں۔ پہلے مصرع سے ۲۱۴۲ نکلتا ہے اور دوسرے سے ۱۴۴۲۔ ان دونوں مصرعوں کے اعداد نہ مل کر کام دے سکتے ہیں نہ الگ الگ۔ صریحاً تعمیہ ہے۔ خواہ خارجی ہو یا داخلی یا دونوں! مگر اس وقت سمجھ میں نہیں آتا کہ غالب کیا چاہتے ہیں۔ 'چشمۂ زمزم صفت مسجد کعبہ بنا' (ج ص۴۲) میں کوئی دشواری نہیں' ۱۲۶۹ نکلتا ہے۔ قطعہ ۱۳ (ج ص۴۲) کے آخری اشعار یہ ہیں :ے

گفتم از خوبی رخش مانا بہ خورشید ست گفت ‏ ‏ ‏ ‏ سال ایں فرخ ولادت نیّر اعظم بگو
گفتمش دیگر چہ گوئی زیر لب خندید و گفت ‏ ‏ ‏ ‏ بائے زاید باید افگند از بگو ایں ہم بگو

نیّر اعظم سے ۱۲۷۱ نکلتا ہے۔ غالب اس میں سے ب کے عدد ۲ نکالنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ 'خاقانِ ہند مُرد افسوس' (ج ص۴۴) سے بے تکلف ۱۲۷۱ نکلتا ہے۔ اور 'نخجستہ بہار ادب' (ج ص۴۹) سے بھی بے تعمیہ ۱۲۰۳ مستخرج ہوتا ہے۔ 'ظفر نامۂ ابد' (ج ص۵۰) سے ۱۲۸۳ نکلتا ہے اور الف میں یہی لکھا ہے لیکن ج میں غالباً کاتب کی غلطی سے یہ ۱۲۸۲ ہوگیا ہے۔ "رستخیز" سے ۱۲۷۷ نکلتا ہے اور نبی بخش حقیر کی وفات سنہ ۱۲۷۷ھ میں ہے، مرتب کا 'رستخیز' کے اعداد ۱۰۸۹ بتانا حیرت انگیز ہے۔ (ج ص۶۰) ایک قطعہ ہے :ے

- بشیر احمد

- تعنالب حطیر

۱۰/۰

شاہ‌زادہ بنا احسن اللہ خاں — سر رہ بد انساں دردل کشا
کہ غالب پے سال تعمیر او — زقم زد کہ دل گشا مرحبا (الف ج ص ۴۲)

مادۂ تاریخ "دردل‌گشا مرحبا" ہے، مگر اسکے اعداد الف اور ج دونوں میں سے کسی میں مرقوم نہیں۔ اس سے ۹۔ نکلتا ہے، جو ظاہر ہے کہ کسی طرح عدد مطلوب نہیں ہو سکتا۔ میرا قیاس ہے کہ 'مرحبا' طباعت کی غلطی ہے۔ اس کی جگہ دراصل 'جبذا' ہوگا۔ اس صورت میں ۱۲۷۰ نکلے گا جو قرین قیاس ہے۔

الف کے بعض اغلاط بجنسہٖ ج میں منتقل ہو گئے ہیں، اور کچھ نئے اغلاط بھی ہیں جو ج میں داخل ہو گئے ہیں۔ کہیں کہیں دونوں میں املا کا بھی فرق ہے۔ بعض اغلاط کی تصحیح اور املا کے بعض اختلافات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) صـ زمانہ دار = زمانہ وار (۲) صـ۱۵ روا کردہ = رواں کردہ (۳) صـ۱۶ برترانۂ سودا و درد میر = برترانۂ سودا و درد و میر (۴) صـ۱۷ ثنائے کنم = ثنائے کنم (۵) صـ۱۹ نگاری = انگاری (۶) صـ۱۵ ارنائیں = ارنائیس (۷) صـ۲۰ زیبے = نخبے (۸) صـ۲۳ انگلینہ = انگلنہ (۹) صـ۲۹ مے ریزندہ = مے ریزم (۱۰) صـ۳۹ صدوشصت = صدوشست (۱۱) صـ۴۰ وستادہ = استاد (۱۲) صـ۵۲ الگزنڈر = الگزنڈر (۱۳) صـ۶۶ غم زیادہ = غم زبادہ (۱۴) صـ۷ ارواح = ارواح و (۱۵) صـ بیخودی = بیخودی (۱۶) صـ۷۶ اندریں = ایں (۱۷) صـ نواب کہ شد ز شوکت اقبالش بخشیدن باج علا ز اقبالش (الف و ج) اس بیت میں ایطائے جلی ہے۔ دوسرے مصرع میں اقبالش کی جگہ 'افضالش' بے تکلف آسکتا ہے۔ (۱۸) صـ۳۰ بقاست قرض و نم حمزہ و زبہر من اند = الف اور ج — دونوں میں 'بقا' ہے، اور الف کے غلط نامے میں اس کی صحت نہیں ہوئی۔ یہ 'لقا' ہے۔ غالب کا مصرع ہے:

"در معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی"

دیباچہ سبد چیں کے آخر میں غالب نے لکھا ہے:-

"اکنوں کہ ناسور کہن را تراوش نماند، کلک از کف فرو گذاشتہ ام۔ بس اگر سخن در اندیشہ خواہد گذشت روشناس صفحہ نخواہد گشت"

الف میں جو نیا کلام ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اس زمانے کا ہے جب غالب کے دماغی قویٰ انحطاط پر تھے۔ بعض احباب کا یہ خیال کہ آخر عمر میں غالب نے قاآنی کا تتبع شروع کیا تھا، اس کلام سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں کسی کا یہ کہنا البتہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں بھی اُن کی ظرافت کم نہ ہوئی تھی۔

(مصنف، ستمبر ۱۹۴۸ء)

غالب اور خان آرزو

خان آرزو (۱۰۹۹ تا ۱۱۶۹ھ) کا آبائی وطن آگرہ تھا، اور یہ اپنے زمانے کے مشہور ترین ایران شناسوں اور فارسی گویوں میں تھے۔ حزیں سے تو اُن کی نہیں بنی لیکن امید والہ وغیرہ ایرانی جو ان کے عہد میں ہندوستان آئے تھے۔ ان کے قدر شناس تھے۔

آرزو کی ایک کتاب موہبت عظمیٰ ہے جسے ۱۲۶۸ھ میں دہلی کے ایک مطبع نے چھاپا تھا۔ اور جس کے ایک نسخے کے حواشی میں غالب کے ملاحظات درج ہیں۔ یہ پہلے لوہارو میں تھا اور اب کتب خانہ رضائیہ رامپور میں ہے۔ غالب نے بہت سے امور میں آرزو سے اتفاق ظاہر کیا ہے، اور کہیں کہیں تعریف بھی کی ہے، غالب لکھتے ہیں:

(۱) "ایں شیوہ را نداند و نمک ایں طرز را نشناسند مگر گراں مایگانِ پارس و فرہنگان ایران۔ صد ہزار آفریں بر خان آرزو کہ دادِ ایں روش داد۔"

(۲) "کلام خان آرزو علیہ الرحمۃ دریں مقام دو قسمے وارد و حقا کہ ہم چنیں است کہ او گفتہ است۔"

(۳) "حقیقت معنی شعر عربی ہمیں است کہ خان آرزو میفرماید ایں مضمونیست بسیار نازک و دقیق و لطیف۔ جز ایں ہرچہ گویند مقبول طبائع سلیمہ نمیتواند بود۔"

غالب نے اگر آرزو سے اختلاف ظاہر کیا ہے تو سنجیدگی کے ساتھ، کہیں وہ لہجہ اختیار نہیں کیا جو قاطع برہان کا ہے۔

حواشی کی یہ عبارتیں عجب نہیں اگر ۱۲۶۸ھ میں یا اس کے کچھ ہی بعد لکھی گئی ہوں۔[1] غالب نے آرزو کی شاعری کے متعلق کوئی رائے ان عبارات میں ظاہر نہیں کی لیکن

---

[1] یہ نسخہ میں نے دیکھا ہے لیکن اس کی عبارتیں جناب عرشی کے مقالے (شائع کردہ ہندوستانی ادب) سے ...

واضح ہے کہ ان کی فارسی دانی کے قایل تھے۔ خود ہندی کے ایک خط میں (اس وقت تک جو یقین ہے کہ ان عبارات کے بعد کا ہے) خسرو و فیضی کے ذکر کے بعد رقم طراز ہیں:

زہے (رہے) بہ بیاہی (سیاہی) فا یز، آرزو، فقیر اور شیدا اور بہار وغیرہم انھیں میں آگئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت اُن کی فارسی کیا، منت اور نکہت اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجئے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ "ص۱۳۲"

وارستہ نے مصطلحات میں (اور اس کا ثبوت موجود نہیں کہ وارستہ کی کوئی اور کتاب غالب کی نظر سے گذری تھی) آرزو کو کہیں سراج المحققین ص ۲۹۵ اور کہیں سراج المدققین ص ۲۲۲ لکھا ہے اور اُن کے اشعار بطور سند پیش کرنے میں ص ۲۵ و ص ۶۵ وغیرہ تامل نہیں کیا۔

وارستہ نے اس کتاب میں آرزو کا نام لیکر جو اعتراض کئے ہیں، ان کی تعداد ۵ سے زیادہ نہیں۔ صفحات ۲۱، ۹۵، ۲۳۵، ۲۹۵، ۳۹۷۔ کچھ اعتراض ایسے بھی ہیں۔ جن میں آرزو کا نام موجود نہیں۔ اگر ان کی تعداد دس بھی ہو، تو کل اعتراض ۱۵ ٹھہرتے ہیں۔ آرزو نے اپنی مختلف کتابوں میں ہزاروں الفاظ سے بحث کی ہے، یہ مان بھی لیا جائے کہ وارستہ کے کل اعتراضات بجا ہیں تو بھی آرزو کے مرتبہ میں کمی نہیں ہوتی

غالب نے ایک خط میں ایک محاورے کی بحث میں تحریر کیا ہے "جب تک کلام اہل زبان میں نہ دیکھ لیں۔ جائز نہ جانئے۔ مگر کلام سعدی و نظامی و حزیں اور ان کے امثال اور نظائر کا معتمد علیہ ہے، نہ آرزو اور واقف اور قتیل وغیرہم کا" عود ص ۱۳۳

قاطع برہان میں غالب نے آرزو سے متعلق ایک حکایت لکھی ہے۔ "برسات کی اندھیری رات تھی۔ مینھ برس رہا تھا، تیز ہوا چل رہی تھی کہ آرزو نے ایک مصرعہ کہا۔ "نیکستاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد" غالب نے اس بارے میں کہا ہے "حقا کہ اگر گویند کہ ایں زمزمہ از فغانیست یا از نظیری کیست کہ باور نکند۔" یہ آخری مصرع تھا، مصرع اول جو آرزو نے کہا تھا یہ تھا۔ "تند دیو شور و سیہ مست ز کہسار آمد" آرزو اُسی وقت میرزا مظہر کے پاس گئے، مطلع سنایا اور داد لی۔ مطلع شہر میں مشہور ہوا اور ایک تازہ وارد شیرازی سوداگر نے بھی اسے سنا۔ آرزو اُسے اپنا مطلع سنانے گئے، پہلا

مصرع زبان سے نکلا تھا کہ وہ بہت ہنسا اور بولا۔ "میں جانتا ہوں آپ دوسرے مصرع میں کیا کہیں گے۔ آرزو کو ناگوار ہوا، بولے، بتائیے میں کیا کہوں گا۔ سوداگر نے جواب دیا۔ "خواہی گفت کہ خرس آمد" آرزو نے "زہر خند" کیا اور اپنا مصرعہ سنایا۔ سوداگر نے دوسرے مصرع کی تعریف کی اور پہلے کی جگہ یہ مصرع تجویز کیا۔ "قطرہ افشاں بسوئے شہر زکہسار آمد۔" غالب کا قول ہے

"با آنکہ میرزا شیرازی سخنور نہ بود۔ لطف طبع را میرم کہ تندی و پر شوری و بد مستی کہ میان ابر و خرس مشترک ست، نہ پسندید و مصرع صدرہ از مصرع استاد نغز تر و خوشتر بہ بدیہہ گفت۔ صاحب موئید برہان کے اس خیال سے مجھے اتفاق ہے کہ آرزو کا مصرع بمراتب بہتر ہے اور اعتراض لغو۔ یہ مطلع آرزو کے مقبول ترین اشعار میں ہے، بعض شعرا نے اس کی تضمین کی ہے اور متعدد تذکروں اور بیاضوں میں ملتا ہے۔ صاحب موئید برہان نے یہ بھی لکھا ہے کہ حکایت اختراعی ہے۔ غالب نے تیغ تیز (رد موئید برہان، میں اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ قاطع برہان کے سوا یہ حکایت کہیں اور نہیں ملتی اور قرینہ یہ ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

قاطع برہان میں غالب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کسی شخص نے آرزو سے خاقانی کے شعر ذیل کے معنی پوچھے۔

پرویز و ترنج زر کسریٰ و تره زرین ؛ زرین تره گو برخواں روکم ترکو برخواں

آرزو نے جو معنی بتائے سائل نے لکھ لئے اور حزیں کو جا کر دکھائے۔ حزیں نے کہا کہ مصرع آخر یوں ہے:۔ "زرین تره کو برخواں روکم ترکو برخواں" حزیں نے خود جو معنی بتائے وہ قاطع برہان کے الفاظ میں یہ ہیں:۔

پرویز ترنجے از زر داشت کہ ہر چیزے کہ میخواست از آں می ساخت چوں خسروی ایران بنوشیرواں رسید، فرمود تا آں زر دست افشار را۔ پہن کردند پس تنک واز گاز بیاژند برگ پودینہ و گندنا پدید و ہنگام گستردن خوان آں را بر خوان بیفشاندند۔ پس معنی ایں باشد کہ۔۔ پرویز را ترنج زر بر خوان می بود و کسریٰ، تره زر۔ اکنوں بنگر کہ۔۔۔ کجاست۔۔ اے شنوندہ، عبرت پذیر واز مصحف مجید آیہ کم ترکو (کذا) برخواں"

ف۱۔ قاطع برہان ص۸۰ میں ایک جگہ ترکو، دوسری جگہ تره کو

صاحب مؤید برہان نے صحیح لکھا ہے کہ یہ ایک شعر کے دو مصرع نہیں، دو تمام شعروں کے دو مصرعے ہیں۔ جن کے درمیان ایک اور شعر ہے۔ یہ تین شعر جو خاقانی کے ایک مشہور قصیدے کے ہیں، یوں ہیں

کسریٰ و ترنج زر پرویز و تره زریں — بر باد شده یکسر از یاد شده یکساں
پرویز بہر خوانے زریں تره آوردے — کردے ز بساط زر بساط زر زریں تره بستاں
پرویز کنوں گم شد زاں گم شده کمتر گو — زریں تره کو برخواں رو کم ترکو برخواں

صاحب مؤید برہان نے اس حکایت کو افسانہ محض کہا ہے اور غالب کے تیغ تیز میں اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا — غالب پر یہ اعتراض بھی ہے کہ انھیں علم نہ تھا کہ پرویز نوشیرواں کا پوتا تھا، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ پرویز کا زمانہ نوشیرواں سے قبل ہے (غالب نے قاطع برہان کی اشاعت دوم میں اس اعتراض سے بچنے کے لئے عبارت میں ترمیم کر دی ہے۔)

اس حکایت کی اگر کچھ بنیاد ہے تو یہ کہ کسی شخص نے حزیں کے پاس خاقانی کے متعدد اشعار بھیجے تھے۔ ان پر اعتراض کئے تھے اور ان کے معانی دریافت کئے تھے۔ حزیں کے جواب میں مصرع ہائے زیر بحث بھی ہیں (انہوں نے نو شعر دیے ہیں)، حزیں لکھتے ہیں:

طومار رسالہ متضمن سوال معانی از ابیات حکیم خاقانی..... و اشکال و اعتراضی بر آنہا بود رسید..... از نظر گذشت و بر شگفت افزود، چہ آں عزیز را بفکر اشعار حکیم مذکور افتادن و معترض بحث و حل شدن حاصلے و ثمرہ نبخشیدے چہ تمام دیوان او بر یک سیاق و یک سوال است... و در نظر آں عزیز از آغاز تا با انجام متشابہ الاجزا... و دریں جز و زماں خاصہ در مملکت ہند حقیقت احوال ایں است کہ از دانستن اشعار خاقانی بلکہ از ندانستن عدد نماز ہائے پنجگانہ و جمیع آنچہ از ضروریات ملت و کمال نفس و انتظام معاش است، اصلا نقص و نفرت دنیوی و عیب و حقارت معنوی متصور نیست.. دیگر ایں دو بیت نگاشتہ آند:

کسریٰ و ترنج زر پرویز و تره زریں — بر باد شده یکسر از یاد شده یکساں
پرویز کنوں گم شد زاں گم شده کمتر گو — زریں تره کو برخواں رو کم ترکو خواں

بسیارے از الفاظ ایں ہر دو بیت ما کہ نوشتیم ز دال ترنج طلا .. داشتہ ا۔ .. پرویز .. ترہ زریں معمول داشتہ۔ از لفظ یکجان مراد اینکہ آں ترنج و ترہ زریں ہر دو بیک و بیرہ فراموش شدہ ... و در بیت دوم خوان اول بمعنی سفرہ است و دوم بمعنی خواندن، پس میغ ماید زاں کم تر کو بر خوان یعنی .. ایں آیہ بخواں ...،

اس خط کو مکتوب الیہ علیگڈھ کے ایک مجموعۂ مکاتیب حزیں کے بموجب شمس الدین فقیر ہیں، اور بقول خواجہ محمد علی تمنا، خان آرزو۔ خلاصۃ الافکار میں بھی یہ خط ہیں۔ مگر اس میں مکتوب الیہ کا نام نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ خط فقیر یا آرزو کے نام سے نہیں، کوئی اور شخص اس کا مکتوب الیہ ہے۔

غالب نے وارستہ اور بہار کے ساتھ آرزو پر بھی یہ الزام لگایا ہے کہ یہ حیان فارسی دانی ہر اس شخص کو جو ہندوستان کے عجم سے آیا تھا۔ خواہ وہ کابلی ہو یا قندھاری کیچی یا مکرانی، اہل زبان سمجھتے ہیں۔ مگر اس کا کوئی ثبوت انہوں نے پیش نہیں کیا۔ جہاں تک میرا علم ہے، آرزو، وارستہ اور بہار نے کسی کیچی یا مکرانی کی نظم و نثر سے استناد نہیں کیا اور نہ اُن کی تصانیف میں ان علاقوں کو کسی ناظم و ناثر کا نام لیا ہے۔ آرزو وغیرہ صرف ایرانیوں کو اہل زبان مانتے تھے۔ مگر سند ہر اس شخص کی دیتے تھے جس کی فارسیدانی اُن کے نزدیک مسلم تھی، خواہ وہ کہیں کا باشندہ ہو۔

حزیں کے ساتھ جو سلوک آرزو، بہار اور وارستہ نے کیا تھا، غالب اُس کے متعلق قاطع برہان میں لکھتے ہیں :۔ "حاشا کہ بعد از صائب و حکیم چوں حزیں دیگرے از خاک پاک ایران برخاستہ باشد۔ میبالیست مقدم او را گرامی داشتن و سخنش بر ورق دل نگاشتن۔ غوامض نطق پارسی از وے فرا گرفتند و ز نگار شک از آئینہ دانش بمقولۂ ارشاد وے میزدودند۔ چہ در خور بود باوے چہرہ شدن و بر سخنش انگشت نہادن .. ہے ہے، ایں بیخبراں فرہنگ ناطق و برہان قاطع ما کہ حزیں بود نشناختند و قدر ناشناسی را با مسافر آزاری جمع کردند۔"

آرزو کو حزیں سے عناد ہے اور تنبیہ الغافلین میں حزیں پر جو اعتراض انہوں نے کئے ہیں، اُن میں سے بیشتر، جیسا کہ صہبائی نے قول فیصل میں دکھایا ہے غلط ہیں۔ لیکن بہار و وارستہ کو اُن سے عداوت نہ تھی اور ان دونوں نے

۲ بر تصحیف لفظ ہمہ نوشتہ اند ..... در انجا مذکور است

اگر اُن پر اعتراض کئے ہیں تو ان کی طرف سے دوسروں کے اعتراضات کے جواب بھی دیئے ہیں۔ اس سے قطع نظر، حزیں اتنے بڑے محقق نہ تھے کہ وہ جو کچھ کہتے بے چون وچرا قبول کر لیا جاتا۔

طغرا کے ایک شعر میں دریچہ آیا ہے، غالب کو اصرار ہے کہ یہ دریچہ نہیں، دریچہ بحرکت یا ہے۔ آرزو نے چراغِ ہدایت میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ "بفتح اول سکون را .. فتح با ... وجیم فارسی بمعنی درخیرد ک ، دیچہ بیائے معروف نیز گویند ہمین شہرت دارد، اوّل خالی از غرابت نیست" (اس کے بعد شعر طغرا) غالب نے قاطع برہان میں لکھا ہے

"سخنوراں یارائے تصرف دارند، تحتانی ساکن را بحرکت متحرک ساختہ وہم اہرمن پیشہ ... بیان را درخمیر انداختند کہ در خرد را نچہ در اندیشند دریچہ را "دریچہ گویند" اس کا امکان ہے کہ چراغ ہدایت غالب کی نظر سے گذری ہو اور "اہرمن پیشہ پیشیان" سے جن اصحاب کی طرف اشارہ ہے ان میں آرزو بھی ہوں۔ یہ دراصل واب کی تصغیر ہے، نہ بچہ دریچہ ہے نہ دریچہ۔

آخری عبارت جو آرزو سے متعلق غالب کے قلم سے نکلی ہوئی تیغ تیز ہے۔ "مولوی سند لاتا ہے آرزو کے کلام کو۔ راقم .. آرزو کا ایسا معتقد کب ہے کہ اس کے ہر قول کو معتبر جانے۔"

حواشی موہبت عظمیٰ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غالب آرزو کی فارسی شاعری کے قائل ہوں یا نہ ہوں، اُن کی فارسی دانی کے معترف تھے۔ مگر بعد کو آرزو کے بارے میں جو کچھ اُن کے قلم سے نکلا وہ سب کچا اس پر منحصر ہے کہ وہ نہ آرزو کو فارسی کا اچھا شاعر مانتے تھے نہ انھیں اچھا فارسی داں سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں اتنی بات یاد رہے کہ غالب نے قاطع برہان میں "انا ولا غیری" کا علم بلند کیا ہے اور اس سے قطع نظر کہ اور جگہ انہوں نے کیا کہا ہے، انہوں نے واضح الفاظ میں دعویٰ کیا ہے کہ خود انھیں چھوڑ کر نہ ہندوستانی فارسی کے اچھے شاعر ہیں نہ اس زبان سے کماحقہ واقف ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں آرزو کی عظمت کا اقرار ممکن نہ تھا۔

(صبح: ج-۱، ۱۹۶۱ء)

غالب کی غزل گوئی کے پانچ دور

شیخ محمد اکرام صاحب نے غالب کی شاعری کے پانچ دور قائم کئے ہیں: (۱) ۱۸۰۷ء تا ۱۸۲۱ء، (۲) ۱۸۲۱ء تا ۱۸۲۷ء، (۳) ۱۸۲۷ء تا ۱۸۴۷ء، (۴) ۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۷ء، (۵) ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء۔ اسے فی الحال قبول کیا جاتا ہے۔

دورِ اول کے کلام میں خیال کی نامناسب پیچیدگی اور غیر معتدل فارسیت بہت ہے، یہ اس کثرت کے ساتھ اردو کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں۔ مگر ساتھ ساتھ ایسے اشعار بھی ہیں جو بے تکلف دوسرے د... اشعار میں شامل ہو سکتے ہیں۔

ع بشغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شبہا الخ

اور غزل ذیل جس کے سات اشعار نسخہ مروجہ دیوان میں بھی ہیں، اسی دور کی ہے۔

غزل

کہتے ہو: "نہ دیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا" — دل کہاں کہ گم کیجے؟ ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا — درد کی دوا پائی، دردِ بے دوا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا — آپ سے کوئی پوچھے: "تم نے کیا مزا پایا؟"

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم، یارب؟ — ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

بے دماغِ خجلت ہوں، رشکِ امتحاں تا کے؟ — ایک، بیکسی، تجھ کو عالم آشنا پایا

خاک بازیِ امید، کارخانۂ طفلی — یاس کو دو عالم سے لب بخندہ وا پایا

سادگی و پرکاری، بے خودی و ہشیاری — حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل — خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی — ہم نے بارہا ڈھونڈا، تم نے بارہا پایا

دوستدارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم — آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا

کیوں نہ وحشتِ غالب باج خواہِ تسکیں ہو؟ — کشتۂ تغافل کو خصمِ خوں بہا پایا

دورِ دوم میں خیال کی نامناسب پیچیدگی نہیں اور غیر معتدل فارسیت اگرچہ ہے تو برائے نام۔ ع مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے الخ اور غزل ذیل اسی دور کی ہے:

غزل

ظلمت کدے میں میرے، شبِ غم کا جوش ہے — اک شمع ہے دلیلِ سحر، سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال، نہ نظارۂ جمال — مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

ہو کر شہید، عشق میں، پائے ہزار جسم
ہر موج گردِ راہ مرے سر کو دوش ہے

مجھتے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
اے شوق، ہاں، اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے!

دیدار، بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست
بزمِ خیال، میکدۂ بے خروش ہے

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
ق زنہار! اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے، جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو، جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی، بجلوہ، دشمنِ ایمان و آگہی!
مطرب، بہ نغمہ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھئے آکر، تو بزم میں
نے وہ سرور و شور، نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے، سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے، یہ مضامیں، خیال میں
غالب، صریرِ خامہ، نوائے سروش ہے

دورِ سوم کی غزلوں کا انداز وہی ہے جو دورِ دوم کا ہے۔ ع دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی الخ اور غزل ذیل اسی دور کی ہے:

غزل

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس کس برائی سے، ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

بس، ہجومِ نا امیدی! خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

رنجِ رہ کیوں کھینچیے؟ واماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ، ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے

ہے دلِ شوریدۂ غالب، طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

دورِ چہارم میں فارسیت نسبتاً کم، اور اشعار مقابلتاً آسان ہیں۔ غزلہائے ذیل اسی دور کی ہیں:
ع یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا الخ، ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا الخ، جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا الخ، سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں الخ، دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟ الخ۔

غزل

کسی کو دے کے دل، کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو؟
نہ ہو جب دل ہی سینے میں، تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو؟

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟
"سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟"

کیا غمخوار نے رسوا، لگے آگ اس محبت کو!
نہ لاوے تاب جو غم کی، وہ میرا رازداں کیوں ہو؟

وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر، اے سنگدل، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر، ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی، وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟

یہ کہہ سکتے ہو "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو، تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ، دیکھو، جرم کس کا ہے؟
نہ کھینچو گر تم اپنے کو، کشاکش درمیاں کیوں ہو؟

یہ فتنہ، آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

یہی ہے آزمانا، تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟
عدو کے ہو لیے جب تم، تو میرا امتحاں کیوں ہو؟

کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی؟"
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ "ہاں کیوں ہو؟"

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو، غالب؟
ترے بے مہر کہنے سے، وہ تجھ پہ مہرباں کیوں ہو؟

دور دوم تا چہارم میں غالب کے بہترین اشعار کا بڑا حصہ وجود میں آیا، دور پنجم کا کلام ایک تو بہت کم ہے، دوسرے یہ کہ چنداں بلند پایہ نہیں۔ اس دور کی ایک غزل درج ذیل ہے:

غزل

بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے؟
غلام ساقیٔ کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے؟

تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم، کیا ہے؟
رقیب پر ہے اگر لطف، تو ستم کیا ہے؟

کٹے، تو شب کہیں، کاٹے، تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے؟

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے؟

نہ حشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے! ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟

وہ داد و دیدِ گراں مایہ شرط ہے، ہمدم
وگرنہ، مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے؟

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے؟

(مطالعہ پٹنہ جنوری فروری ۱۹۶۹ء)

دیوانِ غالب کے دو نسخے

اس مقالے میں دیوانِ غالب کے نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ شیرانی سے بحث کی گئی ہے، مگر یہ ناتمام ہے، اس کا تکملہ آیندہ لکھا جائے گا۔ اس میں حسبِ ذیل مخففات مستعمل ہوئے ہیں: ب = بھوپال کا خطی نسخہ جس کی کتابت بتاریخ ۵ صفر ۱۲۳۷ھ مکمل ہوئی۔ دو چار سال قبل میں بمبئی میں تھا، تو میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے یہ نسخہ کتب خانہ دانش گاہ بمبئی میں آ جائے، لیکن یہ خبر ملی کہ بھوپال سے جس کتب خانے میں تھا، وہاں نہیں ہے۔ بعد کو ڈاکٹر گیان چند نے بھی اس کی تصدیق کی۔ ح = نسخۂ حمیدیہ۔ حب = حاشیۂ ب۔ حش = حاشیۂ ش۔ ش = نسخۂ شیرانی جو اب کتب خانۂ دانشگاہ پنجاب میں ہے۔ ن = دیوانِ مروجہ۔ اس وقت میرے پیشِ نظر، جناب مالک رام کا مرتبہ نسخہ ہے، جس کا متن ان کے بیان کے مطابق مطبع نظامی کانپور کے نسخے[1] (طبع ۱۲۷۸ھ) کے مطابق ہے اور جس میں پہلے صرف وہ کلام (باضافۂ یک شعر) ہے جو نسخۂ مذکورہ میں تھا، اور آخر میں بطور تتمہ کچھ ایسا کلام بھی ہے جو کانپوری نسخے میں نہیں۔

(۱) غالب نے ایک خط میں لکھا تھا: "ابتدائے فکرِ سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا، چنانچہ ایک غزل کا مقطع تھا:

---

1. میرے پاس ہے مگر اس وقت پیشِ نظر نہیں، اس کے اور دوسرے قدیم نسخوں کے سنینِ طبع و وران کے اشعار کی تعداد ماخوذ از دیباچہ نسخۂ مالک رام

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا، آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا، اوراق یک قلم چاک کیے دس، پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوان میں رہنے دیے"۔ اس سلسلے میں امور ذیل توجہ طلب ہیں: (۱) بیدل کا ذکر پرانے دیوان میں بہت جگہ ہے، لیکن اسیر و شوکت کا نام تک نہیں آیا۔ اس میں ایسے اشعار بھی ہیں، جو ان شاعروں کے مخصوص رنگ میں نہیں (۲) غالب رجب ۱۲۳۷ھ میں ۲۵ برس کے ہوئے تھے، اور ان کا ایک دیوان جس کی کتابت اسی سال کے اوائل میں ہوئی تھی، چند سال قبل تک موجود تھا اس سے قدیم تر نسخہ زمانۂ حال کے کسی شخص کے علم میں نہیں۔ یہ دیوان "بہت بڑا" (قول آزاد) کیا معنی، "بڑا" بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی زمانے میں بھی اردو دیوان کی ضخامت اتنی نہ رہی ہوگی کہ اسے "بڑا" کہہ سکیں۔ (۳) غالب نے خطوط زیر بحث میں انتخاب نہیں، دیوان کے (باستثنائے چند اشعار)، یکقلم ضائع کر دینے کا ذکر کیا ہے، مگر دیباچۂ دیوان اردو کو خود انھوں نے "انتخاب" کہا ہے۔ مروجہ دیوان اور بوش کے مقابلے سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں سیکڑوں اشعار مشترک ہیں۔ آزاد کا یہ قول کہ انتخاب غالب کے دو دوستوں نے کیا، اور خود غالب کا اس سے کچھ سروکار نہیں، میرے نزدیک قابل قبول نہیں۔ (۴) غالب نے پرانے دیوان کا انتخاب کب کیا اس کے بارے میں فی الحال اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا زمانہ گلشن بیخار میں ان کا ترجمہ تلمیذ ہونے (غالباً ۱۲۴۸ھ میں) سے قبل ہے۔ (۵) دیوان اردو پہلی بار ۱۲۵۷ھ میں طبع ہوا اور ۱۰۹۵ اشعار پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں انتخاب کے بعد کے اشعار بھی شامل ہوں گے۔ طبع ثانی کا زمانہ اس کے چند سال بعد ہے، اور ان کے اشعار کی

تعداد ۱۱۱ ہے۔ غالب کے دوران حیات میں دیوان چار بار اور[1] چھپا۔ ان چاروں میں کانپوری نسخہ سب سے زیادہ صحیح المتن ہے۔ غالب کی وفات کے بعد برسوں تک اس کی نقل یا نقل در نقل چھپا کی، مگر ان میں اول کانپوری نسخے میں یہ فرق ہے کہ "سہرا" موخر الذکر سے غیر حاضر ہے۔ کانپوری نسخے کے اشعار کی تعداد ۱۸۰۲ ہے۔

۲) ح میں ب کے حوض و حواشی کے اشعار کے علاوہ وہ اشعار بھی ہیں جو ب میں نہیں، لیکن ن میں ہیں۔ ح کے حواشی میں دو چار اشعار ایسے بھی ہیں، جو زمانۂ حال کے نسخ دیوان میں ادھر ادھر سے لے کر شامل کیے گئے ہیں۔ قاعدہ یہ رکھا ہے کہ پہلے ہر حرف کی وہ غزلیں ہیں، جو کلاً یا جزءً ن میں موجود ہیں، یا جن کی زمین میں ایسے اشعار ہیں جو ب میں نہیں ہیں؛ ان کے بعد وہ غزلیں ہیں جن کا تعلق ن سے نہیں، اور آخر میں ان غزلوں نے جگہ پائی ہے، جن کا ب سے کچھ سروکار نہیں۔ غزلوں کے بعد قصائد وغیرہ ہیں۔ قسم اول کی غزلوں میں پہلے وہ اشعار ہیں جو ب میں ہیں، اس سے قطع نظر کہ وہ ن میں ہیں یا نہیں۔ ب ون کے مشترک اشعار جن میں اختلاف نہیں، عموماً م کے ساتھ مرقوم ہیں، اختلاف ہے، تو یہ دکھایا گیا ہے جس سے اشتراک کا حال معلوم ہو جاتا ہے، لیکن اس صورت میں م کبھی ہے، کبھی نہیں۔ آخر میں ایسے اشعار جن میں ہیں، مگر ب سے غیر حاضر ہیں، زیر عنوان "مطبوعہ"[1] درج کیے گئے ہیں۔

۳) مرتب ح نے اپنی تمہید کے ص ۹ میں ایک نقشہ دیا ہے، جو اس پر مشتمل ہے کہ ب کی ۲۷۵ غزلوں کے اشعار ۱۸۸۲[2] ہیں، اس نقشے سے یہ پتا بھی چلتا ہے کہ

---

1. اس میں نگارستان سخن شامل ہے۔

1. "مطبوعہ" کے تحت بعض اوقات ایسے اشعار بھی جو ب میں باختلاف موجود ہیں۔

2. یہی تعداد جناب مالک رام کے مقدمۂ دیوان میں بھی ہے۔

ہر ردیف میں کتنی غزلیں اور کتنے اشعار ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی غزلیں اور کتنے اشعار ان زمینوں میں ہیں جن کے اشعار نیما میں بھی ہیں۔ اور کتنی غزلیں نئی زمینوں میں ہیں اور ان کے اشعار کی تعداد کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عوض بہ کی غزلیں ۲۷۶ اور ان کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۹۰۶ ہے۔ ذیل کے نقشے سے واضح ہوگا کہ مرتب نے ہر ردیف کی غزلوں اور ان کے اشعار کی تعداد کیا لکھی ہے اور یہ دراصل کیا ہے۔ میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مشترک زمینوں کی غزلیں اور ان کے اشعار کتنے ہیں (قسم اول)، اور غیر مشترک زمینوں کی غزلوں اور ان کے اشعار کی تعداد کیا ہے:

ردیف	غزلیں	اشعار	تصحیح	قسم ا کی غزلیں	اشعار	قسم ۲ کی غزلیں	اشعار
الف	۶۰	۴۰۵	×	۳۸	۲۶۸	۲۲	۱۳۷
ب	۲	۱۳	×	×	×	۲	۱۳
ت	۲	۱۱	×	۲	۱۱	×	×
ث	۲	۱۳	×	×	×	۲	۱۳
ج	۲	۱۴	×	۱	۸	۱	۶
چ	۲	۲۳	×	۱	۹	۲	۱۴
خ	۱	۵	×	×	×	۱	۵
د	۵	۴۰	تعداد اشعار ۴۱	۱	۱۱	۴	۳۰
ر	۸	۵۶	×	۵	۳۶	۳	۲۰
ز	۹	۵۹	×	۵	۳۳	۴	۲۶
س	۳	۱۶	×	×	×	۳	۱۶
ش	۲	۱۴	×	۱	۹	۱	۵
ع	۲	۱۳	×	۲	۱۳	×	×

غ	۲	۱۴	×	×	×	۲	۱۴
ف	۳	۱۱	×	۱	۵	۱	۶
ک	۴	۳۰	غزلیں ۳، اشعار ۲۱	۲	۱۶	۱	۷
گ	×	×	۱ غزل، اشعار ۹	۱	۹	×	×
ل	۵	۳۴	×	×	×	۵	۳۴
م	۵	۳۶	×	۳	۲۳	۲	۱۳
ن	۲۸	۱۸۹	غزلیں ۲۹، اشعار ۲۰۳	۱۶	۱۱۳	۱۳	۹۰
و	۶	۴۷	×	۱	۹	۵	۳۸
ہ	۸	۵۴	×	۲	۱۴	۶	۴۰
ی	۱۱۴	۷۸۸	اشعار ۷۹۴	۶۴	۴۵۸	۵۰	۳۳۶
				۱۴۶	۱۰۳۵	۱۳۰	۸۶۱

ہی) (۱) غزل[1] گ: گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ صفحہ ۹۹ (۲) غزل قسم ۲: ضبط سے مطلب بجز وارستگی دیگر نہیں (اشعار ۶) صفحہ ۱۳۵، مگر ن کا شعر ذیل، ظاہرا یہ سمجھ کر کہ اس میں "بیزبانوں" قافیہ ہے، صفحہ ۱۳۶ (قسم ۳) میں درج کیا ہے:

ہو گئی ہے غیر کی شیریں زبانی کارگر　　عشق کا اس کو گماں ہم بیزبانوں پر نہیں

(۳) غزل قسم ۲: شفق بدعوی عاشق گواہ رنگیں ہے (اشعار ۶) صفحہ ۲۲۳۔ ن میں اسی زمین کی ایک غزل ۱۴ اشعار کی ہے (ح صفحہ ۲۶۹ قسم ۳) جس کے دو شعر: کرے ہے بادہ الخ اور بجا ہے الخ ب[2] میں بھی ہیں (۴) غزل قسم ۳: بہار تعزیت آباد عشق ماتم ہے (۶ اشعار) صفحہ ۲۲۲ ب کا کوئی شعر ن میں نہیں، لیکن اسی زمین کے دو شعر: نہ پوچھ الخ

---

[1] غزل کا پہلا مصرع مکمل یا نامکمل بجائے غزل۔ [2] یہ دونوں شعر ح میں ۲ جگہ۔

اور بہت دنوں الحزن میں ہیں (ح ص ۲۶۹ قسم ۳) (۵) غزل قسم ۲: مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے (۶ اشعار) ص ۱۳۳ ۔ اس غزل کے ۳ شعر: مطلع، جز زخم الخ، جوش جنوں الخ ان میں بھی ہیں (۶) غزل قسم ۲: فرصت آئینہ صد رنگ خود آرائی ہے (۷ اشعار) ص ۲۲۶ ۔ اسی زمین کا ایک نیا شعر ن میں ہے:

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

یہ ح ص ۲۴۶ میں (قسم ۳) نقل ہوا ہے (۷) غزل قسم ۲: تا چند نفس غفلت ہستی سے بر آوے (۹ اشعار) ص ۲۳۸ اس زمین کا ایک نیا شعر جو ح میں نقل ہونے سے رہ گیا ہے، مگر ن میں ہے، یہ ہے:

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

۵) قسم اول کی غزل کا ایک اور شعر ایسا ہے جو ب و ن میں مشترک نہیں، ح میں نقل نہیں ہوا:

دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

۶) مرتب ح نے تمہید میں (حوض ب کے متعلق، مگر یہ صراحتہً مرقوم نہیں) لکھا ہے: "غزلوں ... میں ۱۸۸۳ ابیات، ان میں سے نصف کے قریب اشعار مروجہ دیوان میں موجود ہیں" اس سلسلے میں امور ذیل شایان التفات ہیں:

(۱) ح میں سہل المنتہے "دیوان مروجہ" سے ان کی مراد یہ نسخہ نہیں؛ بعض قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں اسی کی کوئی نقل یا نقل در نقل ہے: ا ص ۳۷ کی ایک غزل میں ایک شعر: "پھر وہ سوئے چمن ... گلستاں میں ہوا داروں کا" ایسا شامل ہے جس کے متعلق وہ حاشیے میں لکھتے ہیں: دیوان ... شائع کردہ ... حسرت اور دیوان ... جلابونی کی طبع ثانی کے آخر میں غالب کے غیر مروجہ اشعار کے ضمن میں شائع کیا گیا ہے لیکن، اس کے باوجود، یہ غزل قسم ۲ کی غزلوں میں محسوب ہے ۔ ۲ ص ۱۵۶ کا ایک شعر:

"ہر داغ .. امتحاں نہ پوچھ" بھی ن میں نہیں، لیکن نسخۂ حسرت اور نسخۂ بدایوں میں ہے، بدون م درج ہے۔ یہ بات کہ اس نوع کے دو شعر: "شب .. فسوں خواب تھا" اور "وال .. مضراب تھا" ح ص۹ بین م کے ساتھ مرقوم ہیں، اس خیال کے خلاف پڑتی ہے جو اوپر ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مرتب نے ایک شعر: کار رطنے سے جنوں کے بھی میں عریاں نکلا الخ جو ب میں ہے، لیکن 'ن' میں نہیں، ح کے ص۵ میں م کے ساتھ لکھا ہے اور ذیل کے مشترک[1] اشعار کے ساتھ م نہیں دیا: نقشے .. قیود تھا ص۳، تھیں .. پایا ص۵، نہ بندھے .. ساحل باندھا ص۸، لکھتا .. انگشت ص۵۵، نظر.. در و دیوار ص۲، وہ بھی .. ناز ص۸۱، نہیں .. گلباز ص۸۱، میں نے .. یاد آیا ص۲۲۳، فروغ .. آتش ص۸۳، سراغ .. قدم دیکھتے ہیں ص۱۱۳، بناکر .. رم دیکھتے ہیں ص۱۱۳، نگہ .. جیراں مجھ سے ص۱۸۶، سمجھ .. نہ ہو جائے ص۱۹۱، حسن .. پیدا کرے کوئی ص۱۹۸۔

(۲) حسب ذیل اشعار ظاہرا مرتب کے نزدیک مشترک اشعار میں شامل نہیں، مجھے ان سے اتفاق نہیں۔ ذیل میں صرف وہ شکل پیش کی جاتی ہے جو ب میں ہے؛ ن میں ان کی جو شکل ہے وہ بھی ح میں درج ہے:

گرمی برق تپش سے زہرۂ دل آب تھا — شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا — ص۹

داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے — اے ہوس ہیبا کہ جو کار عشق آساں ہے — ص۲

آشفتگی پا ہوں گداز وحشت زنداں نہ پوچھ — موئے آتش دیدہ ہے ہر حلقہ یاں زنجیر کا — ص۱

اسد کا قصہ طولانی ہے لیکن مختصر یہ ہے — کہ حسرت کش رہا عرض تمنا ہے جدائی کا — ص۱۲

فلک کو دیکھ کے کرتا ہے تجھ کو یاد اسد — اگرچہ گم شدہ ہے کاروبار دنیا کا — ص۱۵

---

[1] ان میں مطلق اختلاف نہیں۔

[2] ممکن ہے کہ مرتب نے اس مقطع کے ساتھ سہواً "مطبوعہ" نہ لکھا ہو۔ اس غزل میں اس کے علاوہ ایک اور مقطع ہے، اور پہلے مقطع کا مضمون اسی غزل کے ایک اور شعر میں بھی بندھا ہے۔

ہے اسد بیگانۂ افسردگی اے بیکسی — دل ز انداز تپاک اہل دنیا جل گیا ص ۲۳

انداز نالہ یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا ص ۲۶

اسے عجز و مصلحت چند کھینچا افسردہ رہ — کو دل ہے جمع تاب شوخی دیدار دوست ص ۵۶

اسد اٹھے بے تحمل عربدہ بیجا ہے ناصح سے — کہ آخر بیکسوں کا زور چلتا ہے گریباں پر ص ۷۱

بکہ ہش مانع دیوانگیہائے جنوں آئی — لگایا خندۂ ناصح نے بخیہ جیب و دامن میں ص ۱۱۷

لوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش اسد — لیکن یہ بیم ہے کہ کہاں سے ادا کروں ص ۱۰۸

جوں مردمک چشم سے ہوں جمع نگاہیں — خوابیدہ بحیرت کدۂ داغ ہیں آہیں ص ۱۱۹

چشم خوباں مے فروش نشہ زار ناز ہے — سرمہ گویا موج دود شعلۂ آواز ہے ص ۱۸۴

یاد ہیں اے ہمنشیں وہ دن کہ وجد ذوق میں — زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک ص ۹۶

نہ لائی شوخی اندیشہ تاب درد نومیدی — کف افسوس سودن عہد تجدید تمنا ہے ص ۱۸۹

(۳) حصص ب و ن کے مشترک اشعار غزل ۴۶۵، مروجہ دیوان ۱۴۶۰-

(۴) مرتب نے حصص ح میں قسم ۳ کے صرف ۱۵ اشعار دیے ہیں، جو ن میں ہیں۔[۱] لیکن اس قاعدے کے خلاف ص ۲۴۷ میں شعر ذیل درج ہے:

دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سب آپ کا — دل لیجیے مگر مرے ارمان نکال کے

(۷) مرتب نے تمہید میں یہ نہیں لکھا کہ حواشی ب میں مکمل غزلیں اور متفرق اشعار کس قدر ہیں یا کسی خاص غزل یا کسی خاص شعر کے متعلق یہ اطلاع کہ حاشیۂ ب میں ہے حاشی ح میں بھی ملتا ہے۔

(الف) حواشی ب میں حسب ذیل غزلیں ملتی ہیں: کچھ ہوا وقت کہ ہو یا لکھنا موج شراب (تعداد اشعار ۱۲) ص ۵۳، اس کے کل اشعار ن میں ہیں۔ رہا گر کوئی تا قیامت

۱؎ یہ شعر مشترک نہیں، مگر مرتب کے نزدیک یہ ہے: نہیں بند زلیخا بے تکلف ماہ کنعاں پر — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر ص ۷۱۔

سلامت (اشعار ۱۰) ص۵۷، ان میں سے ۳ ن میں نہیں۔ کب فقیروں کو رسائی بت میخوار کے پاس (اشعار ۸) ص۸۵، باستثنائے مطلع کل اشعار ن میں ہیں۔ ہے کس قدر ہلاک فریب وفائے گل (اشعار ۱۱) ص۱۰۰، ۲ کے سوا کل ن میں ہیں۔ وہ فراق اور وہ وصال کہاں (۱۰ اشعار) ص۱۰۹، ایک کے سوا کل ن میں ہیں۔ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو (۱۰ اشعار) ص۱۴۷، کل ن میں۔ غزلیں ۶، اشعار ۶۱، مشترک اشعار ۵۱۔

(ب) قسم ا کی غزلوں کے متفرق اشعار حواشی ب میں: ۱ روانیہاے.. قاتل پسند آیا ص۳ حوض میں سواد چشم الخ جس پر "لالا"[1] مرقوم ہے۔ روانیہاے الخ اس کا بدلا ہے ۲ ص۱۷ ۱ ۳ ص۲۰ ۲ (ن) ۴ ص۲۳ اعتبار عشق.. تجھ پہ ہوا ص۲۳ ح میں اس کے مقابل "مطبوعہ" لکھا ہے، مگر حاشیۂ ح میں ہے کہ یہ حاشیۂ ب کا شعر ہے، جس کی جگہ حوض میں "زہر.. ششدر ہوا ہے جس پر "لالا" مرقوم ہے ۵ ص۲۴ ۱ (ن) ۶ ص۲۶ ۱ ۷ ص۵۵ ۵ جن میں سے ۲ ن میں ہیں ۸ ص۱۶ ۱ ۹ ص۹۷ ۲ (ن) ۱۰ ص۹۸ حوض ب و ح میں مقطع: اسد سے ترک الخ، حاشیۂ ح سے معلوم ہوتا ہے کہ اسد الخ پر "لالا" اور حاشیۂ ب میں اس کی جگہ یہ مقطع: نہ پوچھ .. خاک انداز (ن)، حاشیے میں اسی زمین کے ۳ شعر اور جن میں سے ایک ن میں تھا ہے ۱۱ ص۹۴ ۲ (ایک ن میں) ۱۲ ص۱۹۶ ۱ (ن) ۱۳ ص۱۰۵ ۱ (ن) ۱۴ ص۱۰۹ ۴ ان کے مقابل "مطبوعہ" مرقوم ہے، لیکن حاشیۂ ح سے پتا چلتا ہے کہ یہ حاشیۂ ب میں ہیں۔ ۱۵ ص۱۱۵ ۲ (ان میں) ۱۶ ص۱۵۶ ۱ (ن) ۱۷ ص۱۶۶ ۱ (ن) ۱۸ ص۱۶۷ ۲ (ن) ۱۹ ص۱۶۰ ۱ (ن) ۲۰ ص۱۷۱ ۳ (۲ ن میں) ۲۱ ص۱۷۳ ۱ (ن) ۲۲ ص۱۸۷ ۳

---

[1] ایسے اشعار ب میں اور بھی ہیں، جو کبھی حوض اور کبھی حاشیۂ ح میں درج ہیں۔

شعر ("مطبوعہ") جن میں سے ایک یہ ہے:

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے

یہ شعر حوض ح ص ۲۱۱ میں بھی قسم ۲ کی ایک غزل میں (باختلاف قافیہ، ناچار کی جگہ مجبور) شامل ہے۔ دونوں نسخوں کے حاشیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقافیہ مجبور حاشیہ ب میں ہے ۲۳ ص ۱۸۹ میں پہلے ایک غزل جس کے کسی شعر کی نسبت اطلاع نہیں دی گئی کہ ن میں ہے، اس غزل کے بعد بعنوان "مطبوعہ" اسی زمین کے ۴ شعر جن کے متعلق حاشیہ صفحہ مذکور میں یہ لکھا ہے کہ یہ اشعار حاشیہ ب میں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک: دہ نہ لائی شوخی .. نکتا ہے" باختلاف بعض الفاظ اس غزل میں بھی ہے جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حاشیہ ب میں اس زمین کے نئے شعر صرف ۳ ہیں۔ مجموعی تعداد ۴ ہے، جن میں سے ۲ ن میں بھی ہیں۔

(ج) قسم ۲ کی غزلوں کے اشعار حاشی ب میں: ۱- ص ۳۲ ۲ ۲- ص ۳۶ ۳ ۳- ص ۶۰ ۱ ۴- ص ۶۴ ۱ ۵- ص ۹۵ ۱ ۶- ص ۹۸ ۲ ۷- ص ۱۲۲ ۱ ۸- ص ۲۱۱ ۱ (یہ اس شعر کے علاوہ ہے جس کا قافیہ "مجبور" ہے) = ۱۲-

(د) حواشی ب کے کل اشعار کی تعداد ۱۱۶ ہے؛ ان اشعار میں سے ۸۱ ن میں بھی ہیں۔

۸) ب (حوض و حاشیہ) کی کل غزلیں ۲۷۶، کل اشعار ۲۰۲۲۔ مشترک اشعار ۴۶۵ + ۸۱ = ۵۴۶-

۹) ب میں فارسی قصیدے سے قطع نظر (اس سے بحث تکملے میں ہوگی) ۳ قصائد ہیں: ۱- مصرع ۱: ساز یک ذرہ نہیں ساز زمیں سے بیکار ص ۲۹۳۔ مرتب نے اس کے اشعار کی تعداد ۱۰۱ صحیح بتائی ہے، اور یہ بھی درست لکھا ہے کہ مشترک اشعار ۲۸

ہیں۔ ب و ن میں ترتیب اشعار یکساں نہیں، اور کئی شعر کے مقابل ح میں، جہاں چاہیے
م نہیں۔ ۲ مصرع ۱: توڑے ہے عجز تنگ حوصلہ بر روئے زمیں ص ۳۰، تمہید
میں تعداد اشعار ۷، ۶ صحیح ہے، مگر مشترک اشعار ۲۹ (بموجب تمہید) نہیں، ۳۲ ہیں۔
اس قصیدے کا ایک شعر "دہر بجز ... خود بیں" ن میں ہے، لیکن ب میں نہیں ۳ مصرع ۱:
جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی ص ۳۰ کی تعداد ۲۹ تمہید میں ٹھیک ہے۔
یہ قصیدہ ن میں بھی نہیں، لیکن اس کے ۳ شعر (تمہید میں ۲) اس میں بطور غزل موجود
ہیں۔ ب میں ۱۱ رباعیوں میں سے صرف ۵ ن میں ہیں۔ اشعار قصائد و رباعیات
۲۲۸، مشترک اشعار ۲۰۷۔

(۱۰) مرتب کا قول ہے: "مروجہ دیوان میں جتنی کٹی چھٹی غزلیں وہ سب
اس (ب) میں مکمل موجود ہیں؛ جو اشعار متفرق طور پر تلاش کر کے بعض دیوانوں
میں بڑھائے گئے تھے، اور جن کی بابت قیاسی طور پر کہا جاتا تھا کہ غالب کے ہیں،
وہ بھی سب کے سب اسی میں پائے جاتے ہیں" (تمہید)۔ بہت سی کٹی چھٹی غزلیں
بے شبہ ب میں مکمل موجود ہیں، لیکن ب میں ایسی متعدد غزلوں کا ایک شعر بھی نہیں
(مثلاً "شرم" اور "کیا کریں" والی ردیف کے اشعار)۔ اور شواہد درکنار، خود حواشی
ح سے ثابت ہے کہ "متفرق" اشعار میں سے بعض (مثلاً "شکوہ ... ویرانہ تھا") ب
یا اس کے حواشی میں نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ب (حوض و حاشیہ) میں ۵ صفر ۳۷ھ
کے قبل کا بھی کل کلام نہیں مثلاً وہ غزل جس کا مقطع غالب کے خط میں ہے اور جو یقینی ہے
کہ تاریخ مذکور سے پیشتر کی ہے۔ اس کے بعد کے کل کلام کے تو اس میں ہونے کا سوال
ہی نہیں۔

(۱۱) "یہ دیوان کم سے کم ایک بار اور ممکن ہے کہ چند مرتبہ تصحیح و ترمیم کی غرض
سے غالب کے پاس بھیجا گیا ہے اور ان کی نظر سے گزرا ہے اور انھوں نے خود اس میں

جابجا اصلاحیں کی ہیں، کیونکہ اگرچہ اصلاحوں کا خط بہت خراب اور شکستہ ہے، لیکن پھر بھی اس میں اور غالب کے طرزِ تحریر کے موجودہ نمونوں میں ایک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے، اور گو محض اس کی بنا پر ان کو غالب کا قلمی قرار دینا شاید درست نہ ہو، لیکن خود ان اصلاحوں کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کو مصنف کے سوا اور کسی کے قلم کی طرف منسوب کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان میں اکثر ایسی ہیں کہ لفظ کو کاٹ کر اسی کی جگہ دوسرا لفظ لکھ دیا ہے یا کسی مصرع کی کچھ صورت بدل دی ہے۔ بہت سی غزلیں بھی اسی قسم سے حاشیے پر بڑھائی گئی ہیں" (تمہید)۔ حواشی میں جو اشعار ہیں وہ بے شبہ غالب کے ہیں اور اصلاحوں کے ذمہ دار بھی وہی ہیں، لیکن کاتب کون ہے اس کے متعلق قطعی بات کتاب کو دیکھے بغیر نہیں کہی جا سکتی۔ اضافات و اصلاحات کے متعلق مرتب کے ایسے اقوال سے جو نقل نہیں ہوئے، ان کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب ۱۲۳۸ھ کے بعد کے ہیں۔ مگر اس کا امکان ہے کہ کچھ اس سے قبل کے ہوں۔

نسخۂ شیرانی[1] (لاہور) میں میری نظر سے گزرا تھا، لیکن اس مقالے کی تحریر کے وقت اس کا عکس سامنے ہے۔ یہ موجودہ حالت میں ۱۰۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ ورق اول کے صفحہ ا میں صرف "دیوانِ غالب اردو" مرقوم ہے، دوسرے صفحے سے دیوان شروع ہوتا ہے اور اس میں ۶ شعر ہیں۔ مسطر ۱۱ سطروں کا ہے، مگر بہت کم صفحے ایسے ہیں جن میں ۱۱ اشعار ہوں۔ ورق ۲۶ الف مقطع پر تمام ہوتا ہے جس کا مصرع ۲ یہ ہے: "عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ" (ح ص ۶۲) اور انشائے کاتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کی غزل لفظ "نقش" سے شروع ہوتی ہے، لیکن ورق

---

[1] کسی اور شخص نے اگر اس پر کچھ لکھا ہے تو وہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ مگر اس کی مجھے خبر ہے کہ اس کے وجود سے غالب شناس واقف ہیں۔

۲۷ کا آغاز "نوازش[1] ... استخواں فریاد" (ح ص ۶۹) سے ہوتا ہے جو "فریاد" ردیف والی غزل کا مطلع نہیں۔ ح ص ۶۳ سے پتا چلتا ہے کہ "نفس" ج کی ایک غزل "نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ" کا پہلا لفظ ہے۔ ورق ۲۶ کے بعد کم از کم ایک ورق غائب ہے۔ ورق ۱۰۶ "دل و دیں نقد .. دستگرداں ہے" پر تمام ہوتا ہے اور انشانۂ کاتب اس پر شعر ہے کہ صفحۂ آئندہ "ہم آغوش" سے شروع ہوتا ہے جو اسی زمین کا ایک شعر ہے اور ن میں موجود ہے۔ ورق ۱۰۷ کا آغاز غزل کے کسی شعر سے نہیں بلکہ قصیدۂ نونیہ کے اس شعر سے ہوتا ہے جو ب میں اس قصیدے کا چوتھا شعر ہے۔ ورق ۱۰۶ کے بعد کتنے اوراق ضائع ہو گئے، اس کے بارے میں قطعی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں۔ قصیدے کا خاتمہ ورق ۱۰۹ کے دوسرے صفحے پر ہوتا ہے، آخری مصرع یہ ہے: رفتند احباب گل و لالہ فردوس بریں۔

(ii) ش (عوض و حاشیہ) کے حسب ذیل ۲۵ اشعار ب یا ن سے غیر حاضر ہیں، ابتدا میں غزل کا شمار دیا گیا ہے:

۳۳ عالم طلسم شہر خموشاں ہے سربسر — یا میں غریب کشور گفت و شنود تھا

۷۰ سمجھا ہے ابھی عشق میں نقصاں کو فائدہ — جتنا کہ ناامید تر امیدوار تر

"شیشۂ محراب کی قبلے کی طرف رہتی ہے — محو نسبت ہیں تکلف ہمیں منظور نہیں" حاشیہ

۱۱۳ ہیکستی کو نہ سمجھے بے حاصل — بادہ غالب عرق بید نہیں

ابر روتا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو — برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو حاشیہ

طاقت رنج سفر بھی نہیں پاتے اتنی — ہجر یاران وطن کا بھی الم ہے ہم کو

لائی ہے معتمد الدولہ بہادر[2] کی امید — جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

---

[1] ہر حرف کی غزلوں پر نمبر دیے ہوئے ہیں، دال کی آخری غزل کا شمار ۳۳ ہے۔

[2] ن میں دوسرا مصرع بجنسہ ہے اور پہلا یوں: لے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب۔

ہو کر شہیدِ عشق میں پائے ہزار جسم — ہر موجِ گردِ راہ مرے سر کو دوش ہے۔ حاشیہ

۱۵۴ وہ بات چاہتے ہو کہ جو بات چاہیے — صاحب کے ہمنشیں کو کرامات چاہیے

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی — ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے

۱۷۷ زندگی میں بھی رہا ذوقِ فنا کا مارا — نشہ بخشا غضب اس ساغرِ خالی نے مجھے

بس کہ ہے فصلِ خزانِ چمنستانِ سخن — رنگِ شہرت نہ دیا تازہ خیالی نے مجھے

جلوۂ خورشید سے فنا ہوتی ہے شبنم غالب — کھو دیا سطوتِ اسمائے جلالی نے مجھے

۲۱۰ اے بجز ان میرے لبِ زخمِ جگر پر — بخیہ جسے کہتے ہو شکایت ہے رفو کی

گو زندگیِ زاہدِ بیچارہ عبث ہے — اتنا ہے کہ رہتی تو ہے تدبیر وضو کی

۲۱۴ دل تو ہو اچھا نہیں ہے گر دماغ — کچھ تو اسبابِ تمنا چاہیے

۲۲۰ یہ کون کہوے ہے آباد کر ہمیں لیکن — کبھی زمانہ مرا دلِ خراب تو دے

۲۲۱ طلسمِ منتِ یک خلق سے رہائی دی — جہاں جہاں مرے قاتل کا مجھ پہ احساں ہے

جنوں نے مجھ کو بنایا ہے مدعی میرا — ہمیشہ ہاتھ میں میرے مرا گریباں ہے

اسد کو زیست تھی مشکل اگر نہ سن لیتا — کہ قتلِ عاشقِ دلدادہ تجھ کو آساں ہے

۲۲۵ انجام شمارِ غم نہ کچھ پوچھ — یہ مصرف تا بکے نہیں ہے

جس دل میں کہ تا بکے سما جائے — واں عزتِ تخت کے نہیں ہے

۲۲۸ پوچھے ہے کیا معاشِ جگر تفتگانِ عشق — جوں شمع آپ اپنی وہ خوراک ہو گئے

۲۴۳ کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو — تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

۲۴۴ خوانا نہیں ہے خطِ رقمِ اضطراری — تدبیر پیچ تاب نفس کیا کرے کوئی

(۳) ذیل میں متونِ ش و ح کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ان کے اختلافات تو کھل کے ہی جائیں گے، خاص خاص امور میں ان کے اتفاق کی طرف بھی ناظرین کی توجہ منعطف کرائی جائے گی۔ پہلے غزل کا شمار اور اس کے نیچے ش میں اس کے اشعار کی تعداد ہے۔

غزل ب میں نہیں، تو یہ بتانا غیر ضروری سمجھا گیا ہے، کہ ح کے کس صفحے میں ہے، موجود ہے،
تو صفحے کا شمار دیا گیا ہے۔ غزل کا پہلا مصرع مکمل یا نامکمل شکل میں دیا گیا ہے۔ اگر اس کے
سب یا کچھ الفاظ کے نیچے نشان ہے، تو یہ اس پر مشعر ہے کہ متن ح مختلف ہے۔
اختلاف یا اتفاق اس طرح دکھایا گیا ہے کہ پہلے وہ شکل ہے جو ش میں ہے، اس کے بعد
= اور ح کے الفاظ۔ غزلوں کے اشعار کی جو تعداد درج ہے، اس میں اقسام ذیل
کے اشعار ہیں: (۱) وہ جو صرف ش میں ہیں، اور ۲ میں نقل ہو چکے ہیں۔ (۲) وہ
جو ش و ب میں ہیں، لیکن ح سے غیر حاضر ہیں (۳) وہ جو ان تینوں میں ہیں (۴)
وہ جو ش و ح میں ہیں، لیکن ب میں نہیں۔ ترتیب اشعار میں اختلاف ہے تو اس کا
ذکر صرف اسی صورت میں کیا گیا ہے کہ یہ ضروری تھا۔ قوسین کے اندر لفظ "قطعہ" کا
ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ش میں یہ لفظ موجود ہے اور اس سے قبل جس شعر کی طرف
اشارہ ہے وہ بعد کے شعر یا اشعار کے ساتھ مل کر قطعہ ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ اسی
صورت میں مرقوم ہے کہ ش میں ہے اور ح میں نہیں۔ مکمل شعر کی طرف اشارے کے
لیے اس کی ابتدا کے بعض الفاظ کا دینا کافی سمجھا گیا ہے اور ان کے بعد، لزاماً الخ
لکھا گیا ہے۔ بہت سے اختلافات جن کی نشاندہی کی گئی ہے، دراصل کاتب ش یا ح
کے اغلاط ہیں۔ املا کے کچھ اختلافات ۳ اور کچھ ۵ میں دکھائے گئے ہیں، مگر ایک
قسم کا اختلاف بکثرت ہے تو ہر جگہ لازماً اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۱/۹ ص۱ نقش.. تحریر کا۔ جز مزہ (مژہ)۔ آتشیں پا الخ کی دوسری شکل حش
میں ہے۔ تماشا = تماشہ۔

۲/۹ ص۲ جنوں.. کمند آیا۔ زنجیری = زنجیرے۔ نادیدنی دعوت = کذا
(حاشیۂ ش داغ جگر ہدیہ)۔

۳/۲ ص۳ عالم.. وجود تھا۔ جوں (کذا) = چوں۔ ہے عرض = کذا (حش

درست)۔

۴/۴ ص۲ شمار۔۔ پسند آیا۔ ش میں سہواً الخ نہیں، روانیہائے الخ ہے۔
بادہ پر = بادہ بر۔

۵/۷ ص۳ تنگی ۔۔ وجود تھا۔ متاع = مطاع۔ ڈھانپنے = ڈھاپنا۔

۶/۷ ص۲۹ عود۔۔ خو تھا۔ سیہ پیمانہ پر = سیاہ از حلقہ ہائے۔ بے نقابی
آپ پر = بے نقابیہا بخود۔ شمنہ بر رو = شیشہ برو۔ سے زانو زانو = کانا بزانو۔

۷/۷ ص۴ کہتے ۔۔ پڑا پایا۔

۸/۷ دوست۔۔ فرماویں گے کیا = فرمائیں گے۔ بھرتے = بھرنے۔ خانہ الخ
(قطعہ)، گرفتار وفا = گرفتار بلا۔ دلی = دہلی۔ رہے = رہیں۔

۹/۹ ص۵ عشق۔۔ مزا پایا۔ خرام = خیال۔ وادن گل = وادن دل۔ ہم سے
تیرے کوچے = ہم نے تیرے کوچہ۔ بے ستم = نے ستم۔

۱۰/۱۰ ص۲۳ اف ۔۔ سمجھا جل گیا۔ شمع رویوں = شمع رویاں۔ ذوق آتش
= شوق آتش۔ دکھاؤں (گدا) = دکھاتا۔ شعلہ رو جب ہوگئے = شعلہ رویاں
جب ہوئے۔ بسوز آتش (ش وحب) = ز آتشنیزی۔ میں ہوں اور الخ = ہے
اسد بیگانہ الخ۔

۱۱/۷ ص۵ کار۔۔ عریاں نکلا۔ بوے گل نالۂ دل دود دو چراغ محفل (ش وحب)
= عشرت ایجاد چہ بوے گل، وکو دو چراغ۔ ب میں اس پر "لا لا"

۱۲/۴ ص۲۹ دویدن ۔۔ زمیں پایا = دمیدن۔ سرمہ = سرمو۔ اگی = اگے۔
باگیرائی = ناگیرائے۔ ممکن ہے (ہے صاف نہیں) = ممکن سے۔ یکدست و
(و مشکوک) = یکدست۔

۱۳/۷ ص۶ شوق = ساماں نکلا۔ پردے میں کھچی = پردے سے کھچی۔ پردہ

(پر صاف نہیں) = پھر وہی۔

۱۴/۷ دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا۔

۱۵/۹ ص۶ دہر۔۔ تسلی نہ ہوا صفحۂ آئینہ جولانگہ = صفحہ آئینہ ہوا آئینہ۔ کرنے میں = کرنے پہ۔

۱۶/۱۴ ص۳۱ بر ہن۔۔ شوخی اہتمام اس کا = شہرت۔ زینت ریزی = زینت ریز ہے۔ دیویگا = لایا ہے۔ چہر (قہر؟) = قہر۔ عنانگیر = عناگیر۔

۱۷/۹ ص۷ شب۔۔ محمل باندھا۔ جلوہ سے ہے = جلوہ سے۔

۱۸/۷ ص۱۱ نہ ہوگا۔۔ کم میرا۔ بیدماغی = بددماغی۔ غبار راہ = میں گرد راہ۔ آوازۂ = آوازہ۔

۱۹/۷ ص۸ جب۔۔ محمل باندھا۔ نہ بندھے الخ نئی میں نہیں۔ پایہ = پاپیہ۔

۲۰/۷ ص۱۰ نہ بھولا۔۔ انتظار اپنا۔ ہے چمن = سے چمن۔ نیاز = نثار۔ ہوائی نقشبند = ہوا ہے نقشبند۔

۲۱/۷ محرم نہیں۔۔ راز کا۔

۲۲/۱۲ ص۹ شب۔۔ تیرے دل بیتاب تھا = تیری۔ عنانگیر = عناگیر۔ ہجوم اشک میں = ہجوم اشک سے۔ فوارۂ سیماب = فوارۂ سیلاب۔ ب میں اس زمین کی ۳ غزلیں ہیں (ص۹ و ص۱۰)، غزل ۲۲ کے ۲ شعر: دیکھنے الخ اور موج سے پیدا الخ ب کی دوسری غزل اور ۲ شعر: جلوۂ گل الخ، یاں سر پر شور الخ، فرش سے تا عرش الخ اور یاں نقش کرتا تھا الخ تیسری میں ہیں۔

۲۳/۶ ص۳۵ یک۔۔ بہار صحرا۔ یک قدم = اک قدم۔ خانہ ہے خاک = خانۂ خاک۔ سر میں = درد۔ دل میں = درد دل۔

۲۴/۹ ص۹ نالۂ دل۔۔ نایاب تھا۔ محشر ستاں = محشر آباد۔ یاد آیا ہیکہ

= یادِ ایام کہ غزل ۲۳ کے ۵ شعر: نازش الخ، مقدم الخ، پھونکی الخ، آج کیوں پروا الخ ("قطعہ" بیشی از یں = کل تک) اور یاد کر الخ (جو آج کیوں پروا الخ کے بعد ہی ہے)، ب کی غزل ۳ میں ہیں۔

۲۵/۶ ص ۱۶ لب .. مژگاں کا۔ کمینگاہ = کمیندار۔ ستمدیدہ = بدرجستہ۔

۲۶/۸ ص ۳۶ کیا .. شکستن کا۔ نادیدہ صف = نادیدہ صفت۔ زنگ بستن = رنگ بستن۔ عاقبت بیں = عافیت بیں۔ اندیشہ رستن (؟) = اندیشہ رفتن۔ جوش موم = خون موم۔ بیمار ہوتا = بیمار رہتا۔ آئینہ = آئینہ۔

۲۷/۹ ص ۳۲ یاد .. بسلسلۂ یارب تھا = درگرہ۔ تماشا چمن = تماشائے چمن۔

۲۸/۱۰ ص ۱۵ کس .. انتظار تھا۔ ہاتھ یک شہر آرزو = خون دو عالم معاملہ۔ توڑ = توڑا۔

۲۹/۷ ص ۱۶ زبس .. دہم بسمل کا۔

۳۰/۹ ص ۲ بسکہ .. آساں ہونا۔

۳۱/۷ ص ۳۳ رات .. جانا نہ تھا۔ جناع = جناح۔

۳۲/۷ ص ۳۴ کرے .. نکتہ گو نہ کیا۔ آئینہ ہووے = آئینہ ہو سے۔ چشمۂ آئینہ دھووے = چشمۂ آئینہ ہوئے۔ رنگی = زنگی۔

۳۳/۹ ص ۳۵ بس کہ .. پروانہ تھا۔ سعی سپند = سعی لپند۔ جنبش سینہ = تخت رہا۔ تڑپھنا = تڑپنا۔

۳۴/۹ ص ۳۶ شب .. تیر آیا۔ پائے بہ زنجیر = پائے بہ زنجیر۔

۳۵/۸ ص ۳۷ سیر آنسوئے تماشا ہے طلبگاروں کا

۳۶/۷ ص ۳۱ شب .. اندازہ تھا۔ ترصدائی = ترصدائے۔

۳۷/۷ ص ۳۸ عبادت .. نگہ کا۔

۳۸/۷ ص ۱۲ پے .. نارسائی کا۔ جہاں مٹ = جہاں مٹ۔ مغرور = معروف۔
غوغا = پرچا۔

۳۹/۸ ص ۱۴ ضعف .. یہ دور تھا = بھی۔ جبھی کے نام = اسی کے نام۔ کا منتظر
= کی منتظر۔

۴۰/۷ ص ۱۲ نہ ہو .. بیوفائی کا۔ بُمہر (بضمۂ میم، بعض اصحاب م کو مکسور سمجھتے ہیں)۔
بے سامانی = بے مانی۔ ن کا شعر وہی اک بات الخ نش میں ہے۔ وہی = وہی۔

۴۱/۸ صفحہ ۲۰ یکصدرہ .. باغ کا۔ چشم میں ہوتا = چشم جنوں میں۔

۴۲/۷ ص ۲۲ قطرہ .. پرورِ ہوا۔ نگیں اخگر = نگیں اختر۔ زہد گردیدن الخ نش میں
نہیں، اعتبار الخ ہے۔ خونابزدگاں = ناافسردگاں۔ ریشہ واری = ریشہ داری۔ شکر لطف
= لطف عام۔ سنتے ہی (کذا) = جو ہے۔ مژگاں سیاہاں (سیاہاں؟) = مژگاں
سیاہاں۔

۴۳/۴ ص ۱۴ وہ .. پنہاں سمجھا۔ جیسے میں تب = سے تپش

۴۴/۸ ص ۲۴ پھر .. تریاد آیا۔ تھا ہیں صحرا میں کہ = دشت کو دیکھ کے۔
حب کا شعر: پھر ترے الخ نش میں ہے۔

۴۵/۷ ص ۲۵ تو دوست کسو .. ستمگر نہ ہوا تھا۔ ظلم کہ = ظلم جو۔

۴۶/۷ ص ۲۷ شب .. ناموس تھا۔ پرستی بہار = پرستی ہے بہار۔ طبع کی واشدنے
= غنچۂ خاطر نے۔ رنگ یک = رنگ صد۔ یہ دل وابستہ گویا = گرہ تصویر گلشن۔

۴۷/۱۲ ص ۲۵ عرض .. قابل نہیں رہا۔ جوں شمع = ہوں شمع طلب ذوق توجہ = شایان
دست و بازوے۔ بوادی حیرت (حیرت مشکوک) = بوادی حیرت۔ مٹ گئی = مٹ
گئی۔ بیداد عشق سے نہیں ڈرتا ہوں پر اسد = انداز نالہ یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد

۴۸/۹ ص ۱۸ طاؤس .. آہ کا۔

۵۷/۱۲ صــ ۵۶ نیرنگی .. زار دست - بجز از نقش = بجز تمثال - پہ اُس کے = پہ اس کے - آفتاب روز = آفتاب صبح - اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر = اے عدوے مصلحت چند (کذا) بضبط افسردہ رہ - کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ = کردنی ہے جمع تاب شوخی . ب کے اشعار برنی الخ اور لغزش الخ شو میں نہیں، اور ان کے کل زائد اشعار اس میں موجود ہیں - یعنی یوں کرتا ہے الخ (قطعہ) - میری پرسش = پرسش مجھ سے - پسند آتی = پسند آئی -

۵۸/۱۰ صــ ۵۷ رہا .. قباحت سلامت - خونابہ = خوں نابہ - خط فنا = خط وفا - گریہ کام = گریہ کام - جگر خالی = جگر خواہی - خستہ و شور = خستہ دشوار - دفور وفا = وفور بلا - ہجوم بلا = ہجوم وفا -

۵۹/۷ صــ ۵۹ ناز .. توانائی عبث - کھک = کھک - کنج (گنج ؟) = کنج - جان عاشق = طبع عاشق - باسبانی = پاسبانی -

۶۰/۹ صــ ۶۱ گلشن .. دگر ہے آج - انتظام = انتظار - ہر رشتہ = سر رشتہ - دور افتادہ = دور او فتادہ -

۶۱/۹ صــ ۶۲ جنبش ہر برگ .. اختلاج = گلبرگ - وحشی = وحشت - قہرمانِ عشق میں (؟) = کذا - جہاں دیتی ہے حیرت = نے بخشا بسکہ حیرت - گیسو شدن = گشتن ہر زلف - میخانہا = میخانہا ، "میناپہ" کے بعد "باج" حرف ب کے اوپر دو نقطے بھی اس کے اوپر لفظ وحشی مرقوم ہے ، یہ اس کی ی کے نقطے ہو سکتے ہیں، مگر آخر میں جو ی آتی ہے وہ عموماً نسخہ میں نقطوں سے محروم ہے = باج -

۶۲/۷ صــ ۶۳ بیدل .. دیدہ کھینچ -

۶۳/۷ صــ ۶۴ قطع سفر ہستی و آرام فنا کھینچ = آرام فنا -

٦٤/٥ ص ٦٩ نوازش .. نہاں فریاد - دیکھا ہے = دیکھا ہے - با کے ابتدائی دو شعر نش سے غائب -

٦٥/١١ ص ٦٦ حسن .. چھٹا میرے بعد - ساقی ہیں = ساقی یہ - سیلاب فنا = سیلاب بلا - ان کے ناخن (ان بدون ن) = اُن کے ناخن -

٦٦/١٠ ص ٦٦ بلا سے .. بہ پیش نظر در و دیوار - کسو سے = کسی سے - پالو = پاؤں - زمانہ میں = زمانے میں -

٦٧/٧ ص ٦٧ بس کہ .. ماہتاب آئینہ پر - چھڑکے = (کذا) "مدعی" کے بعد کا لفظ پڑھا نہیں جاتا، ح میں جیرے، مگر یاے معروف کی جگہ ہے - مجرم = خونی - بیچتاب = پیچ و تاب - سینے = ہواز

٦٨/٩ ص ٦٨ نہیں بند .. کنعاں پر چشم سے جس کی = چشم سے جس کے - زمانے سے = زمانہ سے - پارہ ہا سے = کذا

٦٩/٧ ص ٦٩ صفا سے .. زنگ آخر - تڑپا = تڑپ - نغمے سے = نغمے سے -

٧٠/٨ ص ٧٠ بینش .. نو بہار خزاں - نالہ نگاہ = نالہ یہ کاہ - از زخم = از زخم -

٧١/٥ ص ٧١ دیا .. فریب آخر - بیقراری سے = بیقرارانہ - پر فشانی ہو گیا = بال افشانی ہوا -

٧٢/٩ ص ٧٢ فسون یکدلی .. دشمن پر - خون تمنا = خون دو عالم - نقش = فرش -

٧٣/٤ ص ٨٢ حسن .. تغافل ہنوز

٧٤/٩ ص ٧٩ بیگانہ وفا .. چمن ہنوز - زنجیر یاسی = زنجیر یا ہے - اس زمین کی صرف ایک غزل نش میں ہے، ب میں ٢ - غزل ٢ کے ٣ اشعار "نظارہ غبار الخ" (اے دل صبح و آفتاب = مانند صبح و مہر - جیب کفن = جیب و کفن)، "اے شعلہ الخ" "میخانہ جگر الخ" غزل ١ میں ہیں -

۷۵/۲ ص ۸۰ چاک.. تامل ہنوز۔ تجمل = تحمل۔

۷۶/۹ ص ۸۰ حریف.. نیاز۔ پردماغ = بپھر دماغ۔ کو پرواز = کذا۔ صورت
پرواز = کذا، لرزاں ہے = لرزے ہے۔ اسد سے! لغزش میں نہیں صہبا ہے
آبگینہ = صہبائے آبگینہ۔

۷۷/۴ ص ۸۳ کو.. جولانِ عجز۔

۷۸/۷ ص ۸۲ داغ.. بکہسار ہنوز = بہ کہسار۔ وہ دریا = دور بیں۔ تب
= تپ۔ گذرے = گزرے۔

۷۹/۹ ص ۸۱ نہ گل.. ساز۔ سجدہ ہائے = سجدۂ جبیں۔ خم گیسو = خم کاکل۔
دور دراز = دور و دراز۔ آرائیش = آرائش۔

۸۰/۶ ص ۸۵ نہ بندھا.. مور ہنوز۔ غنچہ = غنچے۔

۸۱/۹ ص ۸۵ حاصل.. کوتاہ اور لبس۔ تا چاک = بر چاک۔ پیچتاب = پیچ و
تاب۔ ہم خود = خود ہم۔ عقد ہائے = عقدہ ہائے

۸۲/۸ ص ۸۵ کب.. بیجا رکے پاس۔ اک بار = ہے ہے۔

۸۳/۵ ص ۸۶ دشت.. مجبوس و لبس۔ پیچتاب = پیچ و تاب۔ ڈھونڈھنا
(کذا) = خواستن۔ بپردہ = کذا۔

۸۴/۵ ص ۸۶ کرتا ہے.. مایوس۔ ترے جلوے کی = رخ دوست کے۔ جلوہ
پرستار = جلوہ نظر جوش۔

۸۵/۹ ص ۸۸ ہوئی.. بہار آتش۔ گداز موم ہے افسوں = نہ پاوے بے گداز موم۔
نکالے کب = نکالے کیا۔ طبیدن = تپیدن۔ ہوتی ہے حل = کذا

۸۶/۵ ص ۸۸ با قلیم.. سواد آتش = بہ اقلیم۔ دیباچہ = دیباچہ۔ سامان = رنگ
اور۔ بت بہر = بت ہی بر۔

۸۷/۶ ص۹۰ جادہ سوز.. شعاع۔

۸۸/۷ ص۹۱ رخ.. جاودانی شمع۔ حسرت پروانہ = حسرت پرواز۔ بایاے = برایاے

۸۹/۴ ص۹۲ عشاق.. ہزار داغ۔ محو = نبیت۔ یہاں = یاں

۹۰/۴ ص۹۳ بلبلوں.. بار باغ۔ نُقطہ = نقطۂ۔

۹۱/۸ ص۹۴ نامہ.. غبار حیف۔ کسو = کسی۔ کرم = کرم نے۔

۹۲/۲ ص۹۵ عیسی.. شفاریز یکطرف۔ سنجیدنی = سنجیدگی۔ ہم یکطرف ہیں = ہم اک طرف ہیں۔ ہرسوہو (کذا) = ہوسوہو۔ دادہ = دادہ

۹۳ ص۹۶ زخم پر باندھے (کذا) ہیں.. بے پروا نمک۔ وجد ذوق = وجد ذوق۔ چھوڑ کر جانا = چھوڑ کر جانا۔ مانگے = مانگیں۔ منت نہ کھچونگا = منت نہ کھینچونگا۔ خوباں ہے = خوباں ہیں۔ نصارا = اضارا۔

۹۴/۸ ص۹۷ آ.. اثر ہونے تک = ہونے (ہر شعر میں) کے ساتھ۔ ساتھ دن = سات دن۔

۹۵/۷ ص۹۷-۹۸ آئی.. پارہ (کذا).. درمیان اشک۔ اشارا = اشارہ۔ طبیدن = تپیدن۔

۹۶/۹ ص۹۹ گر.. وعانہ مانگ۔ جنبش شاط (بساط؟) = جنبش نشاط۔ برگ وحنا = برگ حنا۔ اس کی = اُس کی۔ پایال = پائمال۔

۹۷/۷ ص۱۰۱ بدن.. ہلال۔ رخ سے تُرے = رخسار سے داغ مہ = داغ شب۔ ورنہ تھا = ورنہ ہے۔

۹۸/۱۱ ص۱۰۰ ہے.. وفاے گل۔ رہ گیا = مر گیا۔ گل جیب = گل و جیب۔ اسے = اُسے۔

۹۹/۷ ص۱۰۱ ہوں.. خیال۔

۱۰۰/۹ ص۱۰۲ بہر .. سے رقم ایجاد گل = ہے ۔ حسرتیں کرتی ہے = حسرتیں کرتی ہیں ۔

۱۰۱/۹ ص۱۰۳ گرچہ .. تنگ دل ۔ شوقِ پروا = شوقِ بے پروا ۔ نشۂ = نشہ

۱۰۲/۷ ص۱۰۴ اثر کمندی .. نارسا معلوم ۔

۱۰۳/۷ ص۱۰۶ ازانجا .. یار ہیں ہم ۔ لاچار = کذا ۔ محمل آرائے = محفل آرائے ۔

۱۰۴/۱۰ ص۱۰۴ بسکہ .. میخانہ ہم ۔ ہر موج ایک = ہر موج یک ۔ تصویر بیاک

= تصویر بر خاک ۔ جوں شمع خلوتخانہ = جوں شمع ماتمخانہ ۔

۱۰۵/۹ ص۱۰۶ جس دم کہ .. نفس تمام ۔ بہ گلوے = بہ گلوئے ۔ یوہیں = یونہی ۔

۱۰۶/۷ ص۱۰۵ رہئے .. بیدردانہ ہم ۔ شعلہ ہا = شعلہا پیر (پر ؟) موہوم = پر موہوم ۔

۱۰۷/۹ ص۱۰۸ خوش .. فناکروں ۔

۱۰۸/۱۰ ص۱۰۹ وہ .. وصال کہاں ۔ خوباں ہی = اک شخص کے ۔ مضائقہ = مضائقہ ۔

۱۰۹/۱۰ ص۱۱۱ آنسو .. ہوا کہوں ۔ گراوسے = گراسے ۔ نواوسے = نواسے ۔

۱۱۰/۸ ص۱۱۲ ہم .. مے پرستی ایک دن ۔ غرۂ اوج = غرۂ رفعت ۔ دھول دھپہ

= دھول دھپا ۔ لاوے = لائے ۔ نغمہ ہاے = نغمہاے دشیوا = دشیوہ ۔

۱۱۱/۱۰ ص۱۱۳ مانع دشت .. تدبیر نہیں ۔ جادۂ غیر نگہ = جادۂ غیر از نگہ سبزے ہیں

= پردے ہیں ۔ میر کے شعر کا الخ (قطعہ)

۱۱۲/۷ ص۱۲۰ طاؤس .. رنگ نکالوں ۔ شمع سی = شمع کو ۔

۱۱۳/۷ عشق .. نومید نہیں ۔ کہتی ہے = کہتے ہیں ۔ جلتی ہے = جلتے ہیں ۔

خلق = لوگ ۔ ڈریئے (کذا) = ڈرہے ۔

۱۱۴/۷ ص۱۲۱ کیا .. دل تنگ نکالوں ہے کس ۔ کس پردے ہیں فریاد کی = اے

نالہ ہیں کس پردے میں ۔ بغبار دل دلتنگ = بغبار دل تنگ ۔ آئینہ جلے زنگ

= آئینۂ بے رنگ ۔

۱۱۵/۸ ص ۱۱۸ صاف ۔۔ گلزار چمن ۔ میر آب = میزاب ۔ کھل گئی = کھل گئی ۔
گریۂ عشاق = دیدۂ عاشق ہے ۔

۱۱۶/۷ ص ۱۱۹ ہوں ۔۔ میں ہوں جمع نگاہیں = سے ۔ کاکل میں پڑی = کاکل میں
پڑا ہیں ۔ آئینہ کے = آئینہ کی ۔ حسرت کش یک = حیرت کش یک ۔ شوق تراشی ہیں
= تراشے ہے ۔

۱۱۷/۷ ص ۱۲۱ سودا ہے ۔۔ کشیدہ ہوں ۔ خونابۂ = خون نابۂ ۔ گذشتنی = گزشتنی ۔
ہوں گرمی الخ اس غزل میں نہیں ، غزل ۱۱۹ میں ہے ۔

۱۱۸/۷ ص ۱۲۳ برگ ۔۔ کوہکن کی فکر میں ۔ موج دود = موج درد ۔
۱۱۹/۹ ص ۱۲۲ خون در جگر ۔۔ رسیدہ ہوں ۔ پاے ہوس = پائے ہوس ، اس قسم کی
غلطی ح میں بکثرت ۔

۱۲۰/۸ ص ۱۲۲ بقدر ۔۔ گریباں ہیں ۔ اتفاق جسم = اتفاق چشم ۔ بہر = باصد ۔
۱۲۱/۸ ص ۱۱۲ بجہاں ۔۔ قدم دیکھتے ہیں ۔ کسو کو = کسی کو ۔ یک ندہ = اک قند ۔
ہا تماشا کرتے = تماشا کر ۔ آئینہ سازی = آئینہ داری ۔ نالہ پی (کذا) = نالہ لے ۔

۱۲۲/۷ ص ۱۱۴ جس جا کہ ۔۔ درمیاں نہیں = جائیکہ ۔ وہاں = واں ۔
۱۲۳/۸ ص ۱۱۳ فتادگی ۔۔ استوار رکھتے ہیں ۔ گذشتگاں = گزشتگاں ۔ زلف
ناز = زلف بازہ ۔ ادس کافر = اس کافر ۔

۱۲۴/۸ ص ۱۱۶ سرشک ۔۔ جانتے ہیں ۔

۱۲۵/۷ ص ۱۱۵ بے ترحم ۔۔ بیدادیاں ۔ اپنی بیکسی کی = اپنے درد دل کی ۔ اون کو
= ان کو ۔

۱۲۶/۷ ص ۱۲۶ ظاہر ۔۔ گیرا نہیں ۔ حسرت کشی دامن یہ = داماں کے حسرت پہ ۔

سیلاب = طوفان ۔ ایک امروز = یک امروز ۔ خذف = نسخی ۔ بعد از ضبط = بعد ضبط ۔ طلسم دہر = طلسم دیر ۔

۱۲۷/۸ ص ۱۲۴ ضبط .. دیگر نہیں ۔ ن کا شعر " ہوگئی ہے تیری شبیہ ایج " اسی میں ہے (بیانی = زبانی) ۔

۱۲۸/۷ ص ۱۲۳ پانو میں .. حنا باندھتے ہیں ۔ پاؤں

۱۲۹/۵ ص ۱۲۴ بے نوا .. بکت چلتا ہوں میں ۔ یکطرف = اک طرف ۔ آئینہ آپ ، دوالی = دیوالی ۔

۱۳۰/۷ ص ۱۱۸ تیرے توسن .. صبا باندھتے ہیں ۔ نشہ = نشۂ ۔

۱۳۱/۷ ص ۱۲۰ نقش بر بنیاد .. نہ دادہ رکھتے ہیں ۔ سرپاے بپاے = سرے بپاے ۔ بیہدہ = بیہودہ ۔ دل = دلے

۱۳۲/۱۰ دیوانگی .. زنار بھی نہیں ۔ ہمارے جیب = ہماری جیب ۔ ملنا ترا اگر = ملا اگر ترا ۔ یکطرف = اک طرف ۔ ہے سر = سر ہے ۔

۱۳۳/۷ ص ۱۲۵ بغفلت .. مخمور ملتے ہیں ۔ آئینہ پرواز تسلی = آئینہ پرواز تسکیں

۱۳۴/۶ ص ۱۱۶ عزوں .. کشتی میں ۔ سواد = سویدا ۔ بیربطی شور = دیوانگیہا ۔

۱۳۵/۷ مزے .. نظر میں خاک نہیں ۔ آب صرف = اب صرف ۔

۱۳۶/۵ ص ۱۲۸ دیکھیے .. ضبط افسردگاں ۔ مہراز بہر = بہر جاں ۔ خاطر آزردگاں = خاطر افسردگاں ۔

۱۳۷/۷ ص ۱۲۶ بیدماغی .. تنہائی نہیں ۔ چیونٹی کے پر = مور کے پر ہیں ۔

۱۳۸/۷ ص ۱۲۵ ہوئی .. تدبیریں ۔ کھینچی ہے = کھینچی ہیں ۔ ہجوم سادہ لوحی = درشتی تامل ۔ غبار آلودہ ہیں = غبار آلودہ ہیں ۔ کریں ہیں = کرے ہیں ۔

۱۳۹/۱۰ ص ۱۰۹ غنچہ .. دکھا کر یوں ۔ خاموشی = کہا ۔ ہیں نے = میں نے ۔

۱۴۰/۱۰ ص ۱۴۵ وارستہ .. محبت ہی کیوں نہ ہو۔ کسو سے = کسی سے۔ گِلا = گلہ۔
ہر چند عمرت = عمر عزیز۔ بہانۂ سکی (کذا) دلی = بہانۂ بیگانگی۔

۱۴۱/۷ ص ۱۴۴ بے درد .. فرو نہ ہو۔

۱۴۲/۹ ص ۱۴۳! حسد پیمانہ ہے .. تماشا ہو = ہے۔ وہ دل = دلِ۔ لا جس سے = لا یعنی۔
خرام ناز بیجاوے = خرام اہتزاز آور ۳۱ عیش معاصی = ذوق معاصی (حاشیۂ ح
"پہلے ذوق کی جگہ عیش تھا")

۱۴۳/۸ ص ۱۴۵ مبادا .. تو اگر ہو۔ فرد ہوتا ہے سر سجدے میں = جبیں میں در لباس
سجدہ۔ حسن بیک = حسن اسد بیک۔

۱۴۴/۱۰ ص ۱۴۶ رنگ .. وفا گرو۔ آئینہ ہا = آئینہا۔

۱۴۵/۶ ص ۱۵۶ رفتار .. قدم باندھ۔ جوں سبحہ = جو سبحہ۔ تمنا سے پری ہے
= کذا۔ سمت (کذا) = تہمت۔ آئینہ پر = آئینہ بہ۔ دیباچہ = دیباچۂ۔

۱۴۶/۹ ص ۱۵۵ جز .. خفتگاں نہ پوچھ۔ پادشاہی = بادشاہی جشن ناز = خشتِ بازہ۔
ہمرہاں = ہمزباں۔ گرمئ (کذا) = گرمئ۔

۱۴۷/۵ ص ۱۵۷ خلق .. ناخواندہ۔ دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں = میکدہ
میں زدل افسردگی بادہ کشاں۔ برجا ماندہ = ہر جا ماندہ۔

۱۴۸/۵ ص ۱۵۷ بس .. پوشیدہ۔ ہے ہی (کذا) = ہے ہے۔

۱۴۹/۷ ص ۱۵۸ جوش .. مجھ سے حسن .. بیدل نہ پوچھ = نشہ ہا ہے۔ قطرہ سے میخانہ
= قطرہ ہی میخانہ ہے۔ نشۂ محفل = کذا۔

۱۵۰/۸ ص ۱۵۸ شکوہ .. کا سمجھ۔ ہر تپش = مر تپش۔ توڑ = طور۔ عناں گسل = عنا
گسل۔ آئینہ دار = آئینہ وار۔ خفتہ ہوں = خفتہ ہو۔ نغمۂ بیدلاں = نغمۂ بیدلی۔
گریہ کو ماجرا = گریۂ ماجرا۔

۱۵۱/۷ صـ۱۵۵ از مہر .. دل ہے آئینہ ۔ پرفشاں = پُرفشاں ۔

۱۵۲/۱۰ صـ۱۵۹ بھفت .. مدعا مجھ سے بے نیازرہ = بے نیازرہ ۔ نشہ = کذا ۔
نازرہ = نازرہ ۔

۱۵۳/۱۰ صـ۱۶۰ دل ہی .. درباں اٹھایئے ۔ دوکان = کتا ۔

۱۵۴/۱۰ مسجد .. خرابات چاہیے ۔ ایک اور شخص = اک اور شخص ۔ ایک گونہ = اک گونہ ۔
نشوونما الخ (قطعہ) کے بعد اشعار ذیل :

ہے رنگ الخ ، سرپاے الخ (کیجیے ۔ یہ کیجیے بھی پڑھا جا سکتا ہے = چاہیے) ، یعنی الخ ۔

۱۵۵/۹ صـ۱۶۲ بساط .. خون وہ بھی ۔ یک صید = اک صید ۔ یک موج = اک موج ۔ سونچا = سوچا ۔

۱۵۶/۷ صـ۱۶۰ ہے نرم .. لبوں سے ۔ غصہ کم فرصتی = وعدہ کم فرصتی ۔

۱۵۷/۷ صـ۱۶۱ غم .. اٹھانے کی ۔ وہی طاقت = مری طاقت ۔ بتاں = بتوں ۔
آساں ہے = پنہاں ہے ۔

۱۵۸/۶ صـ۲۰۷ پھونکتا .. اسرافیل کی ۔

۱۵۹/۵ صـ۲۰۸ کیا .. کاہی سے لطف وجور = لطف جور

۱۶۰/۸ صـ۱۶۳ حاصل .. خامی ۔ سے فراغت = سے بھی فراغت ۔

۱۶۱/۱ صـ۲۰۸ نگاہ .. ناتوانائی ۔ دسترد = دسترد ۔ بیدماں = بیدماغ ۔
محو نازہ = عوض ناز ۔

۲۴۲/۹ صـ۱۶۳ کیا تنگ .. جہان ہے ۔ بوسا = بوسہ ۔ دلّی = دہلی بحال آنکہ = حالانکہ ۔ غمی (کذا) = غم سے ۔

۱۶۳/۱۲ صـ۱۶۴ درد .. بیقراری ہائے ہائے ۔ محبت مل گئی = محبت مل گئے ۔

اٹھا لیا = اٹھا لینے۔

۱۶۴/۷ ص ۱۶۵ سرگشتگی.. یاس ہے۔ تپ (کذا) = تپ۔ غرورِ حسن = غرورِ حسن۔

ہر یک = ہر اک۔

۱۶۵/۸ ص ۱۶۶ گر جا موشی.. حال ہے = خامشی۔ سمجھنی = سمجھنا۔ خرج = خرچ۔

آجائیو کہیں = آجائیو اسد۔ شوق = ذوق۔ درد کہ = درد کر۔

۱۶۶/۷ ص ۱۶۶ نظر.. ادی ہے۔ میں کس کی یہ = ہیں کس کے یہ۔ جنون یاس

= جنون و یاس۔

۱۶۷/۹ ص ۲۱۰ بزم.. نور ہے۔ بسکہ چشم الخ شعر یہاں نہیں۔ افتادگی = افتادگی ہی۔

نشہّ (کذا)۔ بیماری = نشۂ بیمائی۔ پاسباں معذور = پاسباں مجبور۔ والی سے

ہے تکلیف = سے ہے وہاں تکلیف۔ اوس = اس جگہ۔

۱۶۸/۱۱ ص ۱۸۶ بس کہ.. زنہار ہے۔ جلوۂ رخسار = صافی رخسار۔ شوریدہ

ذوق = شوریدہ ناز۔ جوشِ سودا کب حریف = یکطرف سودا و یکسو۔ یاں تک حسرت

= اس کو حسرت۔

۱۶۹/۱۱ ص ۱۸۷ تغافل.. پیدا ہے۔ ب میں اس زمین کی ۳ غزلیں ہیں اور شعر ہیں ۲۔

غزل ۱۶۹ کا مطلع بالا اور اشعار ذیل غزل ۱ میں ہیں: تصرف وحشیوں الخ (لیلا

= لیلیٰ)، محبت طرزِ پیوند الخ، کیا یکسر الخ (نیاز = بناز)؛ اشعار ذیل غزل ۲

(ص ۱۸۸) میں ہیں: اثر سوز الخ، تصور بہر الخ (طبیدن = کذا)، مجھے شبہائے الخ،

ترے نوکر الخ، لبسی یکسر الخ۔ شعر ذیل: خزاں کیا الخ (ص ۱۸۹) حسب میں ہے۔

۱۷۰/۵ ص ۲۱۵ بےخود.. بیتاب ہو گئی۔ کھلی جلوہ = ہوئی جلوہ۔

۱۷۱/۱۱ ص ۱۸۹ نیرم.. تکلیف بیجا ہے۔ یہ مطلع اور اشعار ذیل غزل ۳ میں ہیں:

نہ لائی الخ (افسوس ملنا = افسوس سودن)، نشاط دیدہ الخ (روبے بروے = بوسۂ روے)، نہ سووے الخ، بسنجیدہاے الخ (یعنی صید = دربند)، نگہ معمار الخ (بکف = کف)، اسد یاس الخ (آبیار ہر تمنا = آبیار آرزو)۔ اشعار ذیل دوسری غزل میں ہیں: نہاں الخ، عزیز وار الخ، اشعار ذیل حب میں ہیں: مری ہستی الخ، وفاے دلبراں الخ۔

$\frac{۱۷۲}{۱۰}$ عشق … وحشت ہی سہی، چھیڑ خوباں سے = یار سے چھیڑ

$\frac{۱۷۳}{۹}$ ص ۱۶۷ رفتار … اضطراب ہے۔ بھاگتے گوں = بھاگنے کی گوں۔ جادادہ = جاداد۔

$\frac{۱۷۴}{۱۲}$ ص ۱۶۸ ہے … بجا مجھے۔ بے پردۂ = یہ پردۂ۔ کسو پہ = کسی پہ

$\frac{۱۷۵}{۱۰}$ دیکھنا … آجائے ہے۔ ٹہرا = ٹھہرا۔ اوتنا = اتنا

$\frac{۱۷۶}{۹}$ ص ۲۱۱ اے … آشنا می زی۔

$\frac{۱۷۷}{۷}$ گرم … نہالی نے مجھے۔ نسیہ = نسیۂ۔

$\frac{۱۷۸}{۷}$ ص ۲۲۶ فرصت … آرائی ہے۔ ہر رنگ جنوں = ہر رنگ تپش۔ ماہتابی بکفِ = گل مہتاب (بکفِ)۔ ب کے مقطع: باغ خاموشی الخ کی جگہ اگ رہا ہے الخ (سے سبزہ = پہ سبزہ) جو بیں نہیں، لیکن ن میں ہے۔

$\frac{۱۷۹}{۹}$ ص ۲۱۲ ربط … صدا ہے۔ بندا = بندہ۔

$\frac{۱۸۰}{۵}$ ص ۲۱۶ خدایا … لقب کاٹے۔ میں نے = کذا۔

$\frac{۱۸۱}{۹}$ ص ۲۱۲ گر … فضا ہے۔ یک بام = یک نام۔

$\frac{۱۸۲}{۷}$ ص ۲۰۰ داغ … بد نداں ہے۔ عشق کار = کارِ عشق۔ ہرزہ گرد ہے = ہرزہ گردی۔ زنداں = زنداں۔ وحشت انجمن ہے گل دیکھ لالے کا عالم = گل بکوہ از لالہ بزم ساز بیتابی۔ جگر کے = جگرہا۔ بے گہر صدف = از گہر صدف

۱۸۳/۱۴ پھر .. بیقراری ہے ۔ چشم دلال (قطعہ) ووہی صد = وہی صد ۔ سررشتہ
= سرشتہ ۔ بیقراری کا حکم = اشکباری کا حکم ۔

۱۸۴/۸ صـ ۲۱۶ ہر رنگ .. سانپ ہے مجھے ۔

۱۸۵/۹ صـ ۱۶۹ کہوں .. شعلہ رویاں کی ۔ گر جاوے = گر جائے ۔ کیونکہ (کیونکے)
= کذا ۔

۱۸۶/۷ صـ ۱۷۰ جنوں .. گو شادمانی کا = گر ۔ کماں ہم = کہاں ہم ۔

۱۸۷/۸ صـ ۱۷۱ نکوہش .. دلبری کی ۔ بجز دیوانگی الخ نسخ میں نہیں ۔ نشۂ = نشہ ۔
جایا = جانا ۔

۱۸۸/۵ صـ ۲۱۶ نگاہ ناز .. شرارت کی = یار ۔ آشنا ہووے = آشنا ہوے ۔
تپ = تب ۔ یہ نبض = کیا تپش ۔

۱۸۹/۷ صـ ۲۱۳ ضبط .. گیر ہے ۔ ہر نہال شمع میں اک = از نہال شمع پیدا ۔
نکیں = نگیں ۔

۱۹۰/۹ صـ ۲۱۸ خبر .. عدو جانے ۔ بکسوت = نہ کسوت ۔ زباں سے عرض الخ
نسخ میں نہیں ۔

۱۹۱/۷ صـ ۲۱۴ ذوق خودداری .. تسخیر ہے = بے پروا ۔ پرواز عرض = عرض سواد ۔
غافل از = غفلت ۔

۱۹۲/۷ صـ ۲۱۹ دیکھ .. رام ہے ۔ بخشے = بخشی ۔

۱۹۳/۵ صـ ۲۲۱ سوختگاں .. داغ ہے ۔ نار = ناز ۔ واسے = عذر ۔

۱۹۴/۱۰ بے اعتدالیوں .. ہم ہوئے ۔ آپ ہم اپنی = آپ ہی اپنی ۔ وہم سے = بیم سے ۔
او تنے = اتنے ۔

۱۹۵/۸ ص ۱۷۸ نشۂ مے .. کشتہ ہے۔ داغ ربط ہم = داغ ہائے جگر۔

۱۹۶ ص ۲۳۱ صبح .. شام ہے۔ بسکہ ہے = بسکہ ہیں۔ محو کمیں = صرف کمیں۔

۱۹۷/۸ ص ۱۸۴ چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے = مے فروش نشۂ نماز ناز۔
تو کہیے کہ = گویا موج۔ عشاق ساز = عشاق سارا۔ بال و پر = بال پر۔ خار خار خاطر
= خار در پیراہن۔ نغمہ ہے کانوں میں اس کے نالۂ مرغ اسیر = نالۂ دل نغمہ ریزاں ہے
مضراب، خیال۔ غیر از وحشت مجنوں نہیں = کو بجز وحشت مجنوں اسد۔ لیلی معنی اسد = بسکہ
لیلائے سخن۔

۱۹۸/۷ ص ۱۷۲ آ .. قرار نہیں ہے۔ تیری بزم = تری بزم۔ کیا ہے عہد تو = عہد تو کیا ہے۔

۱۹۹/۵ ص ۲۱۷ ہوا .. سادہ آتا ہے۔ گذشتن = گزشتن۔ ہر یک = ہر اک۔

۲۰۰/۵ ص ۲۱۸ بفکر .. نرالا ہے۔ کوششوں = کوششاں۔ لاوے = لائے۔

۲۰۱/۷ ص ۱۷۲ ہجوم .. حاصل ہے۔ غنچۂ گل = غنچۂ دل۔

۲۰۲/۱۱ ص ۱۷۶ ہمزباں .. تو مجھے۔ ب میں اس زمین کی دو غزلیں، دوسری ص ۱۷۵
میں ہے۔ اس مطلع کے علاوہ اشعار ذیل: یاد الخ، خاک الخ، اضطراب الخ، چاہیے
الخ (ناز = یار) کثرت الخ (عاقبت = غالب) پہلی غزل، اور اشعار ذیل دوسری
میں ہیں: باعث الخ (سر دیا = کر دیا)، پا بدامن الخ، دیکھنا الخ، ہوں سراپا الخ،
ساز الخ۔

۲۰۳/۷ ص ۱۷۵ نہ ہوئی .. تسلی نہ سہی۔ لگا لو یعنی = لگائے ہی بنی۔

۲۰۴/۴ ص ۱۷۴ دل .. نہالی ہے۔ تار جادہ = تار جادۂ۔ اوٹھنا = اٹھنا۔

۲۰۵/۶ عجب .. ہم آگے۔ پانو = پاؤں

۲۰۶/۷ ص ۱۷۶ تغافل .. عالی ہے۔ عجز عالی = عجز تالی۔ سیہ مستی = سیہ مستی ہے۔

۲۰۷/۱۱ ص ۱۷۷ تشنہ.. پانی مانگے۔ رنگ سے نکل نے = رنگ نے گل سے۔ خط ہے = خط سے۔ پرواز (؟) = پرداز۔

۲۰۸/۶ ص ۲۱۹ ستادشی.. افسوں ہے مجھے۔ فعل = لعل۔ وا شگفتن = ور شگفتن۔ دیکھ لی = دیکھ لے۔

۲۰۹/۶ ص ۱۷۹ گلشن.. خوش آئی ہے۔

۲۱۰/۷ جیں زخم.. تدبیر رفو کی۔ صاحب = یاں تو۔ صد حیف الخ (قطعہ) کے بعد دشنے الخ۔

۲۱۱/۷ ص ۱۸۰ یوں.. گر دیار کے۔ رہتے ہیں ہم = رہتے ہم۔

۲۱۲/۸ ص ۲۴۰ اگر.. جو شیدنی جانے۔ بہار اُس = بہار اس۔ زندہ دار = زندہ وار۔ بجز چک میں = در بیچک۔ مستی کہ (مستیکہ؟) = شوخیکہ۔ تماشا ہے = تماشا ہے۔

۲۱۳/۷ ص ۱۸۳ عاشق.. جانانہ چاہیے۔ مل جائے گا بوسہ = مل ہی جائے گا بوسہ۔ گذر گئے = گزر گئے۔ جادو = جادہ۔

۲۱۴/۱۱ چاہیے خوباں کو جتنا چاہیے = اچھوں۔ اودھر = ادھر۔ چاہتے ہیں الخ۔ (قطعہ) اس شعر کے بعد غافل الخ۔

۲۱۵/۷ ص ۱۸۱ خواب جمعیت مجمل ہے پریشاں مجھ سے = مجمل۔ چشمک = چشمک۔

۲۱۶/۹ ص ۲۲۴ جوہر.. بدل آسودہ ہے۔ یکسر = چندیں۔ پنبۂ مینا سے = پنبۂ مینائی ہی۔

۲۱۷/۹ ص ۱۸۵ ہر قدم دوری.. نمایاں مجھ سے۔ بہتر = خوشتر۔ دود کی طرح = دود کی طرح۔

۲۱۸/۸ اے خوشا.. وا کرے۔ حلقۂ گرداب = صفحۂ گرداب۔ گر برسا = گو برسا۔

یک خم = یکقلم۔

۲۱۹/۷ ص ۱۸۴ چاک۔ بعریانی کرے۔ صبح کے = صبح کی۔ پاوے = پائے۔
کہ کر کیجے = اگر کیجے۔ دل مایوس = دل نومید۔

۲۲۰/۸ وہ آئے.. اضطراب تو دے۔ پانو = پاؤں۔ ذرا = زرا۔

۲۲۱/۹ ص ۲۲۳ عذار.. گریاں ہے۔ ہجوم ضبط فغاں سے مری زباں خموش
= زباں بکام خموشاں زفرط تلخی ضبط۔ بستہ (کذا) = پستہ۔ فزا ہے = فزا ہے۔
کہ بخیہ جلوۂ آثار (آثار مشکوک) = نشان برش شمشیر۔ غنچۂ خاطر = غنچہ دلہا۔ اسد
جہاں کہ علی الخ کی جگہ ش میں دوسرا مقطع "اسد کو زیست الخ"

۲۲۲/۷ ص ۱۸۹ عیادت.. بازار بستر ہے۔ نور چشم وا ماندہا = نور العین واماندہا۔
اضطرار = اضطراب۔ شام تنہائی = وحشت شبہا۔ بذوق الخ اور ان کا مقطع کہوں کیا
الخ ش میں نہیں۔

۲۲۳/۵ ص ۱۹۰ خط.. گردن نہ ہوجاوے = ہوجائے۔ سوزن۔ ے (سے ؟)
= سوزن ہے۔ دوری = دوزی۔

۲۲۴/۹ ص ۲۲۷ نوا ے.. بیتاب ہوجاوے۔ دخل تصرف کر = اعجاز پیدا کر۔
مشق = عجز۔ آب گل = آب و گل۔

۲۲۵/۹ فریاد.. لے نہیں ہے۔ سی = سی تو۔ غم نہ رہوے = غم نہ ہووے۔

۲۲۶/۷ ص ۲۲۲ بہار.. ماتم ہے۔ درہم = برہم۔ ان کے اشعار نہ پوچھ الخ (اوس
= اِس) اور بہت دنوں الخ ۲۲۶ میں ہیں۔

۲۲۷/۸ ص ۲۲۳ شفق.. رنگیں ہے۔ برنگ پرتو خور سے پرتو خورشید ص ۲۲۳
کی غزل کے علاوہ ۲۲۷ میں اشعار ذیل: کبھی تو اس سر شوریدہ الخ اور اسد ہے
نزع میں الخ ش میں ہیں۔

۲۲۸/۷ ص ۱۹۱ دل سراپا وقف سودائے نگاہ تیز ہے۔ وہ مژہ برآہ او بنیادِ ازدل۔ حسرت تغافل = محو تغافل۔ ان ستم کیشوں الخ نسخ میں نہیں ہے۔ دوس کا فرد = اس کا فر۔

۲۲۹/۸ ص ۲۲۷ تا چند .. بتخانہ کھینچے۔ کرتے ہوئے تصویر یاد آتی ہے حیا = خود نامہ بنکے جائیے اس آشنا کے پاس (وہ شعر جس کا یہ مصرع ا ہے' پ کی اس غزل میں ہے جو "تا چند... بتخانہ کھینچے" کے بعد ہے؛ نسخ کی غزل ۲۳۰ - پرواز آشیانہ الخ ۲۲۹ میں نہیں، ۲۳۰ میں ہے۔

۲۳۰/۸ ص ۲۲۸ داماں.. تماشا نہ کھینچے۔ نشہ = نشّہ۔ غبار چشم = غبار راہ۔

۲۳۱/۹ ص ۱۹۲ تر... سامانی مجھے۔ محال = مجال۔ جوش پرافشانی = جوش پریشانی۔ ۲۳۱ کے دو شعر "کیوں نہ ہوا الخ" (صید = محو) اور "میرے غمخانے الخ" ن کی غزل: "دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے" میں ہیں جو پ سے غیر حاضر ہے۔

۲۳۲/۸ ص ۱۹۴ یاد... یارب مجھے

۲۳۳/۸ کبھی نیکی ... آجائے ہے مجھ سے۔ کھینچتا = کھنچتا۔ کب یہ فتنہ = کب یہ ظلم۔ ٹھہرا = ٹھہرا۔ داستانِ شوق = داستانِ عشق۔

۲۳۴/۹ ص ۲۲۹ مژہ .. جلوۂ ادراک باقی ہے۔ رشست وشوے = شست وشوے۔ خندہ یعنی = عقدہ یعنی۔ تمنا ہو گئی = کذا۔

۲۳۵/۷ ص ۲۲۹ بس کہ.. وحشتناک ہے۔ صید انداز = ناوک صید۔ نزاکت بیتابی = آشفتہ نزاکی۔

۲۳۶/۵ ص ۱۹۵ از بسکہ .. علامت ہے۔ بہ تیغ = بہ تیغ۔ کیونکہ = کذا۔ ورطۂ سلامت = ورطۂ ملامت۔ بجاتوں = نہ جاؤں۔ کیونکہ = کذا۔

۲۳۷/۱۱ ص ۲۳۰ تنگی.. بنایا ہے مجھے۔ رنگ دکھایا = چشم دکھایا۔ سم (کذا)

= ستم کانٹوں سے = کانٹوں میں۔

۲۳۸/۷ رونے سے.. بیباک ہو گئے۔ اسباب = آلات۔ پوچھے ہے کیا وجود الخ شامیں نہیں لگا = گلہ

۲۳۹/۸ صـ ۱۹۶ شوخی.. آبیار نغمہ ہے۔ دہاں = واں۔

۲۴۰/۷ صـ ۱۹۷ خود فروشیہائے ہستی بسکہ جائے خندہ ہے۔ ہر شکست = تا شکست۔ دل ہیں = دلہا۔ عرض ناز شوخی دنداں = شوخی اظہار دندانہا ہے علام میں غنچہ خو عبرت = ہیں علام نیا غنچہ ہا عبرتکش۔ شورش باطن = سوزش باطن۔

۲۴۱/۵ صـ ۱۹۷ حسن.. متاع جلوہ ہے۔

۲۴۲/۹ صـ ۱۹۸ جب تک.. پیدا کرے کوئی۔ جوں در دہیرے = ہاں درد بنکے لیلا (قافیہ، دوسری جگہ قافیہ نہیں، تو لیلی) = کذا۔

۲۴۳/۸ صـ ۲۳۱ جنوں.. تدبیر بہتر ہے = زنجیر۔ دلبستگی = دلتنگی۔ تدبیر غفلت = تدبیر و غفلت۔ خود آرائے = خود آرائی۔ تمنا ہے اسد = تمنا ہے اصرار۔

۲۴۴/۹ صـ ۱۹۹ وحشت.. انتشار کرے کوئی۔

۲۴۵/۸ صـ ۱۹۹ باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے۔ ب کا باغ تجھ بن الخ اور ن کا زندگی میں الخ ۲۴۵ میں نہیں۔

۲۴۶/۴ صـ ۲۰ کوہ.. صدا ہو جائیے۔ پر پہ ہے = پہ ہے بہ۔ کر (کذا) ہمہ = گر ہمہ۔

۲۴۷/۲ صـ ۲۳۲ گر بہ سر شاری شوق بیاباں زدہ ہے = شوقے بہ بیاباں۔ دل بر = دلے بر۔

۲۴۸/۷ صـ ۲۳۲ خواب.. نظر پنہاں ہے۔ ببضہ مژہ سے = ببضۂ مژگاں۔

۲۴۹/۶ صـ ۲۳۳ مستی.. ہلاک ہے۔

۲۵۰/۹ صفحہ ۲۰۲ غم .. آئیں ہے۔ خوردگاں لبریز = کردگانِ عشق۔ رسواے آئیں
= رسواے آئیں۔ عقد = عمزہ۔ کی خواب = کا خواب۔ پسینا = پسینہ۔

۲۵۱/۱۷ صفحہ ... کہاں کیسے ہوئے۔ بکھر رہا ہوں = بھر رہا ہے۔ نالہ ہاے = نالہائے۔
ڈھونڈھے (کذا) بھر کسو = مانگے ہے پھر کسی۔ مانگے ہے پھر کسو = چاہے ہے پھر کسی۔
ناز کو چاہیے = ناز کو ناکے۔ شش میں جی الخ بھر دل میں الخ سے قبل ہے۔ پہ کسو = پہ کسی۔

۲۵۲/۶ صفحہ ۲۰۲ دیکھنا .. آمادہ ہے۔ کھینچے ہے انگلی = رکھتا ہے انگلی۔

۲۵۳/۷ صفحہ ۲۲۳ نظر پرستی .. خود آرائی = وخود آرائی۔ گذشتن = گزشتن۔

۲۵۴/۷ صفحہ ۲۲۴ سوشتی شکستی ہے۔ با مرد = با مزد۔ بے تنگی = ہے تنگی۔

۲۵۵/۵ صفحہ ۲۲۳ کاشانہ .. انداختنی ہے۔ اور واں = چارہ گر۔ حوصلہ پرداز
= حوصلہ اذکار۔ تماشاے = تماشاے۔

۲۵۶/۶ گلستاں .. مضموں ہے سلام الخ شعر میں نہیں۔ ایجاد = ایجاد۔ ہجوم گریہ
= رجوع گریہ۔

۲۵۷/۹ صفحہ ۲۰۲ منت .. اختیار ہے۔ بہ آب = پرآب۔ ۲۵۶ میں بھی اسی
زمین کی دوسری غزل (صفحہ ۲۰۲) کے دو شعر: دل مدعی الخ اور نہ الخ شامل ہیں۔

۲۵۸/۹ صفحہ ۲۳۶ گدائے طاقت .. زباں تجھ سے۔ اسد طلسم قفس میں رہے قیامت
ہے = اسد بوسم گل در طلسم کنج قفس۔

۲۵۹/۹ صفحہ ۲۰۳ جس جا .. زلف یار ہے۔ گذر = گزر

۲۶۰/۷ صفحہ ۲۳۷ حکم .. آرمیدن منع ہے۔ طوفاں بہا = طوفان ہے۔

۲۶۱/۶ صفحہ ۲۳۸ چار سوئے .. صاحب کا نی صفت ہے۔ جو سمجھیں = جو کہوں۔ دست
دیالی (کذا) = دست و پاے۔ نقد الخ شعر میں نہیں۔

۲۶۲/۷ صفحہ ۲۳۷ قتل .. تدبیر آوے .. اُس بیاباں = اِس بیاباں۔ بعیر (کذا) تغیر۔

۲۶۳/۱۰ صفحہ ۲۳۸ تا چند.. سے برآوے۔ نالہ ہے = نالہ سے۔ زاہد کہ = زاہد کو۔
بعریانی زخم = بعریانی داغ۔ ن کا شعر موں ہیں بھی تماشائی الخ بھی نسخ میں ہے۔
۲۶۴/۶ صفحہ ۲۰۶ خموشیوں.. ادا نکلتی ہے۔ ہوتی ہے شبنم = آتی ہے شبنم۔
۲۶۵/۷ صفحہ ۲۳۹ بیتابی.. تسلی ہے۔ غافل = موج۔ گردن ہمہ = گردن ہا۔ گیران
= گیری۔

۲۶۶/۱ صفحہ ۱۸۰ بنقص ظاہری.. پنہاں ہے۔ سواد سنگستاں = سواد سنبلستاں۔
حجاب ناز = غنچہ بار۔ ہوئی یہ کثرت غم سے تلف = اسد یہ فرط غم نے کی تلف۔ اس
زمین میں ب میں ۳ غزلیں۔ ۲۶۶ میں ۳ ذ ل کے اشعار: غبار دشت الخ،
زبس دوش الخ اور اسد بند الخ موجود ہیں اور غزل ۳ کا شعر ذیل بھی ہے: رہا بقدر
الخ (صفحہ ۱۸۲)۔
۲۶۷/۱۰ صفحہ ۲۰۵ آئینہ.. تماشا کہیں جسے۔
۲۶۸/۸ صفحہ ۱۸۱ تمام اجزائے عالم صید دام چشم گریاں ہے = جہاں زندان موحسینان
دلہائے پریشاں۔ صاحبدلاں = صاحبداں۔ نقطے میں = در نقطہ۔ ب کی غزل ۳
کے اشعار: ہجوم نالہ الخ، کجا ہے الخ، تکلف ساز الخ، تماشا سر خوشی الخ، تکلف
برطرف الخ اور ن کا شعر دل و دیں الخ ۲۶۸ میں ہے۔

قصیدہ صفحہ ۳۰۲ جوش تمنا = درد دو عالم۔ نشہ = کذا۔ صفحہ ۳۰۳ ستایش
= ستائش۔ پریشاں ہے = پریشاں ہیں۔ او ٹھے = اٹھے۔ پاس پیمانہ = پاس پیماز۔
نقش نمکیں = نقش نمکیں۔ پر پروانہ = پر پرواز صفحہ ۳۰۴ ہر صبح = مہ صبح۔ جلوہ تحریر الخ
(صفحہ ۳۰۵) نسبت الخ سے نسخ میں قبل ہے۔ صفحہ ۳۰۵ اس کی گنجیں = اس کے گنجیں۔ دامن زیں
= دامن دیں۔ بجز نکدہ = بجز نکدہ۔ بادشہا = کذا۔ پذیر = کذا صفحہ ۳۰۶ آستاں پہ

تیرے = آتشاں پر تیرے۔ دے گئی = در کے لیے۔ آرائش = آرائش۔ شبیر = شبیر۔
جہاں تک بج = جہاں تک چمکے۔ توحید فضا = توحید فضا۔ گل و لالہ گل و سنبل۔

(۴) ذیل کی ۸ غزلیں حشش و ن میں ہیں، مگر ب میں نہیں:

$\frac{1}{12}$ ستائش... رضواں کا بعنوان "از باندہ فرستادند" ورق ۳ ب و ۴ الف
کھودنے پر گھاس (کذا) کے ہے = گھاس کے ہے کھودنے پر۔ سونے = سوئے۔

$\frac{2}{13}$ ہوس = کیا کیا، ورق ۹ الف۔ ناپیدا = مدعا۔ شعلہ رخ = شعلۂ حسن۔
قیمت دل = شیشۂ دل۔ کیا کس نے الخ (قطعہ)۔

$\frac{3}{11}$ آبرو.. کہ گلشن میں نہیں بعنوان "از باندہ رسید" ورق ۳ و ۴ الف۔ کہ گلشن
= جو گلشن۔ یوں خوں کہ = جو خوں کہ۔ موجۂ صہبا کی = موج سے کی آج۔ ناتوانی کی
نمود = ناتوانی کی نمو۔ درد سے خالی = درد سے فارغ۔

$\frac{4}{10}$ ذکر.. منظور نہیں ورق ۳ و ۴ الف و ب۔

$\frac{5}{8}$ نالہ.. ایجاد نہیں ورق ۳ و ۴ ب۔ ن کے دو شعر سبد الخ ش میں نہیں۔ دلتنگی
زنداں = بیمہری یاراں۔ اوستاد = استاد (یہی چاہیے)۔ رہگذر = کذا۔ کرتی ہے
اثبات = کذا۔

$\frac{6}{12}$ واں.. پہ ہم ہے ہم کو ورق ۶۱ الف۔ بولا = بولے۔ ناچار = کذا۔
کھلنا غالب = کھلنا یعنی۔ مقطع الخ ش میں نہیں۔ لیے جاتی ہے الخ کا ذکر ہو چکا ہے۔

$\frac{7}{13}$ ظلمت.. جوش ہے ورق ۶۱ الف۔ اے شوق ہاں = اے شوق یاں۔
سرور و سور = سرور و شور۔ تسلیم و (مشکوک) = تسلیم۔ لطف خرام الخ ش
میں نہیں۔

$\frac{8}{8}$ کب سنے ہے وہ کہانی میری ورق ۶۱ الف و ب۔ سنے ہے وہ = وہ سنتا
ہے۔ خونابہ = خوں نابہ۔

(۵) نسخ کا مجہول الاسم کاتب کچھ باتوں میں (سہو سے قطع نظر) پابند قاعدہ معلوم ہوتا ہے، اور کچھ میں نہیں:

(۱) الف مضموم ابتدا میں ہو تو اظہار ضمہ کے لیے ہر جگہ و، مگر غزل ۲۵۲ میں اُنکی بدون و۔

(۲) ذ ضمیا غزل ۱۰ میں دھیہ، مگر فارسی عربی کے کچھ الفاظ جو ہائے مختفی سے لکھے جاتے ہیں، یا تو التزاماً الف سے ہیں، یا کبھی ہ اور کبھی الف سے: پردا ۹ (پردہ ۱۱۲)، ارادا ۲۵، مزا ۹۳، نقشا حش ۱، گلا ۲۶۸، تبرا ۱۷۹، بوسا ۱۶۲ (بوسہ ۲۲۰)، شیشا ۱۱۰، ذرا (دراصل ذرہ) ۲۲۰۔ واضح رہے کہ (۲) یا (۳) میں الفاظ کی اس شکل سے بحث نہیں، جو ترکیب فارسی میں ہے، یا قافیہ ہونے کی صورت میں ہے۔

(۳) ہیولیٰ (حش ۱) ہر جگہ ہیولا ہے، اور تقویٰ جو صرف ایک جگہ آیا ہے تقوا ہے ۱۰۶، لیکن غنی ۱۷۹ (ی پر الف نہیں)، اور دعویٰ ۸۰ (ی پر الف نہیں) لکھتے ہیں۔

(۴) بہ قتلی ۳، تابہ کے ۲۲۵ (تابکے ۲۲۵)، بہ کیفیت ۲۶۳، بامیہ ۱۶، با خوش ۲۰۷، بہ بزم ۱۷۱ — بادشاہی ۱۲۶، بادشہ قصیدہ ورق ۱۹۔

(۵) ط دو طرح لکھتے ہیں: طے ۸، ۱۴، تتے ۳۴، ۳۸۔

(۶) فارسی میں جو الفاظ اب بھی ذ سے لکھے جاتے ہیں، وہ باستثناء "ذ لو وتند رو ۱۷۳" ذ سے ہیں۔ زرا اور دہ گزارش (۵) کبھی جو ز سے ہے ذ سے مرقوم ہیں۔

(۷) نسخ میں طپیدن ۷۳، غلطیدن ۸ اور طشت ۳۵ ہیں، لیکن معلوم نہیں کہ یہ کا حاصل مصدر تپش التزاماً ت سے ہے۔

(۸) کاتب نے ک فارسی و عربی میں فرق نہیں کیا۔

(۹) پنچہ ۱، کنج ۳، لنگ ۳، ندی ۱۱، جھوا ۱۵، غیرے ۲۶، کچھ ۱۵، دگرنہ ہوا ۱۵، نہ دبا ۱۵، نہ کھولا ۲۰، دکھنی بھی ہیں۔

(۱۰) دھنواں ۶۵، دھنوسے سے ۸۵، پوچھیا ۱۰۵، مانگے (مانگیں) ۹۳، باندھے (باندھیں) ۹۳، سوبچ ۱۵۵، بیٹنے ۱۳۹ (بیٹھے)، گھاس حش ۱، پانو ۲۲۰،

(۱۱) خورشید ۹۹، دو کفِ آتش باز ۱۰، عموماً بیچناب گھر ایک جگہ بیچ و تاب ۲۳۶، سمجھیو ۲۰۱، رہیو ۱۱۱، ستا و ۱۶۲، دوہی ۱۸۳، دہی ۱۶۹۔

(۱۲) ٹھہرا ۲۳۲، کیونکہ ۱۳۹ (کیونکے)، تجھسے ۲۴۳، تجکو ۲۳۱، مجکو ۲۲۱، مجھسا ۲۶۷، تجھسے ۲۱۷، مجھسے ۲۱۷، یہاں (یاں) ۷۷، وہاں (واں) ۱۲۲، ساتھ (سات) ۹۴، تڑپھنا ۳۳، ڈھونڈھنا ۲۵۱، پگھلا ۱۷۵، ٹھنڈا ۱۶۲۔

(۱۳) رتبہ میں ۵۶، اے شعلہ ۸۸، نشہ (کذا) کے ۴۵، بمیر دے میں ۱۳، کار خلنے سے ۱۱، زمانے نے حش ۱، معلطے میں ۴، ریختے کا ۱۱۱۔

(۱۴) نگہ ۲۹، نہ ۱۰۶، جولا نگہ ۱۵، یہ ۱۸، کہ ۲۴، توجہ ۷۴، گنہ ۳۸، نگہہ ۳۹، یہ ۵۸، نہ ۱۷۱۔

(۱۵) شعلہ ہا ۱۰۶، خندہ ہا ۹۸، میخانہ ہا ۷۱، غمزہ ہا ۹۲، جلوہ ہا ۱۹۸، نامہ ہا ۱۲۰، عقدہ ہا ۱۲۵ (عقدہا ۸۱) قطرہ ہا ۲۱، نالہ ہا ۲۲۷، نجیہ ہا ۱۳۴، آئینہ ہا ۱۴۴، اندیشہ ہا ۹۷، نسخہ ہا ۱۴۴، پارہ ہا ۶۸۔

(۱۶) موے آتشدیدہ ۱، مژہ ہاے دراز ۲۱ ایسی ترکیبوں میں ی پر ہمزہ نہیں۔

(۱۷) جوے شیر ۱، نورہاے راز ۲۱، اس قسم کی ترکیبوں میں عموماً ی پر ہمزہ نہیں لیکن سودائے انتظار ۶۶، پائے پارہ ۱۱۵، جلوہ ہائے معانی ۱۹۸، بہائے مے ۲۳۸، جوپائے خس ۲۰۱، حنائے کف ۲۲۷، سوئے دل ۲۵۶ موجود ہیں۔

(۱۸) نازکیٔ وحشت ۲۵۳، فسردگیٔ انتظار ۲۴۹، دعویٔ تمکین ۲۵۳، درازیٔ رگ ۲۲۷، نازکیٔ طبع ۲۲۶، بےمژہ ۲۰۷، حصۂ ذات ۱۵۴، بےخامہ ۲۰۷، مےعشرت ۱۵۵۔

(۱۹) دیجئے قصیدہ ورق ۱۰۹، لیئے ایضاً، ڈالیئے ۲۶۷، چاہیئے ۲۵۷، ہوئے ۲۵۱، کھینچیئے ۲۳۰، ڈریئے ۱۱۳، کھیچیے ۲۲۹، ہوے ۲۰۵، چاہیے ۲۲۲، آے ۱۵۶۔

(۲۰) زشتی ونیکی ۱۳۱، لالہ وگل ۲۳۷، آئینہ واقلیم ۲۶۶ میں وادری بدون ہمزہ۔

(۲۱) نکتہ سرائی طبع ۱۰۸، تشدید و ہمزہ کے ساتھ، مگر سختی راہ ۸۴ ان کے بغیر۔

(۲۲) بوییئے ۱۸۶، شئے ۲۲۵، پایدار ۱۶۳، پامال ۹۶، نشہ ۱۴۹، (مگر نشہ بدون ہمزہ) ۱۰۱، ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۴۷، جرات ۴۴، جرأنہ ۷، جائے کہ (جائیکہ) ۲۵۳، آرایش ۲۷، آسایش ۱۰۲ (حاصل مصدر بدون ہمزہ)، مہ نو (ہمزہ غلط) ۱۱۳، تو امید (ہمزہ غلط) ۱۱۱، مگر مہ اور نو کی صحیح شکلیں بھی۔

(۲۳) مایل ۹، سایل ۹ (سائل ۱۹۴)، محایل ۴، زایل ۲۵۶، لایق ۴، فلیدہ ۲۲۹، مایدہ ۱۳، دایم ۱۰۴، مضایقہ ۱۰۸، طایر ۱۰۹، شتقایق ۱۱۶، شمایل ۱۳۵، علایق ۲۰۰، کائنات ۱۶۲۔

(۲۴) ایک (اک) ۶۹، میرے (مرے) تیری (تری) ۲۶۷۔ دوالی ۱۲۹۔ جوں ۱۱۷۔

(۶) ش کا زمانۂ کتابت اس کتاب میں درج نہیں، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ اس میں کوئی چیز مائۃ سیزدہم کے عشرۂ چہارم کے نصف اول سے قبل کی لکھی ہوئی اور ۱۲۴۵ھ کے بعد کی نہ ہو۔

دیوانِ غالب کے دو نسخے (حصہ ۱۳ معاصر)

ص ۱۵ میں شعر ذیل ان اشعار کے ساتھ درج ہے جو غالب کے دیوان مروجہ میں نہیں ہے۔ مگر یہ اس میں موجود ہے، نسخہ حمیدیہ سے یہ اتنا نیز جانا ہے۔ اس مقالے میں اغلاط طباعت بھی، جن کی تصحیح کبھی اور کی جائے گی:

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی آخر تم کی کچھ تو مکافات چاہیے

(معاصر حصہ ۱۲، ۱۳)

مکتوباتِ غالب

کم از آنم که در عذر تم باید زد　　بیش از آنی که نبود خجلت تقصیر مرا

ندانم خامهٔ آهنگِ گزارش مدحِ اخلاق که دارد که در میدان تحریر از نقطه
هزار جا لیپتِ دست بر زمین میگذارد۔ قاعدهٔ بخود فرورفتگان شرم ناکسی
سر از نشست پا برنداشتن است و آداب سایه در پیشگاهِ سطوتِ آفتاب
خود را موجود نپنداشتن۔ اعنها دکدام طاقت را سر و برگِ ذریعهٔ معروض سخن گردانم
و بیرو می چه نسبت جرأت فضولی گفتگو بهم رسانم حقا که اگر وسعت حوصلهٔ
کرم در ضمیر نگذشتی بدین وحشت عنان خودداری نگسیختی و اگر اندیشهٔ عشتگری
امید عفو تو بدل نگذشتی این چنین بی محابا خون لفظ را آبروی معنی نریختی۔

فرمانروای کشور آگهی، ملاذ و مطاع ربی، سلامت۔ بعد تقدیم
ستایش و تسلیم نیایش معروض آنکه میر صاحب شفیق، میر کرم علی صاحب
اغلب اوقات عذر قدم رنجه فرمائی مخدوم از جانب مخدوم، دامنگیر یابند،
و این ناستوده صورت و نکوهیده معنی را از زبان گمرهان جناب مستانید:
بران پای دردناک تر از دل زحمت خرام توان پسندید، یا در تصور نیز متحمل
صدمهٔ این قیامت۔ بس است که چون من ننگ آفرینش را در صدر بزم
قبول مینشانند، و این چنین گنج زبان بیچمدان میدانند، چه ناسپاسیست
در عرض این مباهات بخود نبالیدن و چه حق ناشناسیست در تلافی ... دیده
برکف پا نمالیدن۔ آنکه دیر دیر بخدمت میرسم، نه از آنست که شوق سلسله جنبان
نباشد، بلکه نارسائی دلیل نارسائیست، ودا ماندگی عذرخواه واماندگی۔
وفور ناتوانی سراپای مرا صد شکنی بر روی هم چیده است، و پیکر ناتوان من از
هجوم افتادگی صورت دیبا گردیده، تازگی آنکه درین خشکسال طاقت تا رنج

سفر برباد گشت، و ناکام و ناکام چون عمر خویش ناخوش گذشت، بس که اضمحلال اعتدال طبیعی منجر بسکوت قوای نفسانیست (۱) دل را ملال، و دماغ را از فکر سخن سرگرانیست. پیش ازینکه بحکم هوای دل فریفتهٔ کارخانه‌های رنگ و بو بیپروا خرم فراخیهای آرزو بودم سینه مستانه چین شعله پیمانه میبودم

یاد باد آن روزگاران کاعتباری داشتیم آتش تاک و چشم اشکباری داشتیم

اکنون آن شررکاری شوق کجا که نفس را از شعلهٔ درون معزول نماید؟ و آن جوش بهار اندیشه کو که لاله و گل از نقاب استعداد کف خاکم سر برآرد. اینکه هنوز برقی از جیب خیال در درخشید نیست، برافروختن چراغ نفسی وقت خموش گردیدن. بالجمله تحسین این چنین فکر نارسا و ستایش این چنین زندی سرو پا تمهید مراسم رافت است، و تکمیل مراتب عنایت آری، هیچ راهمه پذرفتن، و بدرانیک خطاب فرمودن آیین غریب نوازیست، و از نوازش غریب نیست۔

دو مسودهٔ نثر که سعی تحریر هر یکی بتفریق جداگانه کسوت پیوند حرف و نقش کشیده است، از نظر خواهد گذشت، و بر تو نگاه قبول منشور سرفرازی راقم خواهد گشت. سواد نخستین نامه ایست شرحش اینکه در مبادی بسیج سفر مشرق به فیروزپور که جاگیر عمو صاحب قبله فخر الدوله دلاور الملک نواب احمد بخش خان بهادر رستم جنگ است، بخدمت عم ممدوح گذرانیده بودم. فخر العلما مولوی محمد فضل حق نام دوستی در دار الخلافت تمکن داشت که من از فرط استعجال فرصت تودیع نیافته... پیرو دو نا شده بمنزل مقصود شتافته بودم و در آنجا رسیده

پوزشنامه بخدمت کثیر الافادتش نگاشتم و هو هذا:۔ غالب اثم۔

دومین مسوده ایست که در لکهنو بتکلیف سبحان علی خان و میر نیاز حسین خان و دیگر دوستان جدیار.. غرضداشت برای معتمد الدوله تحریر آمده است. هرچند اکابر آن سرکار بتقریب بار فرستیدها برانگیخته برنگ تعارف تحفه‌ها میر محمد خ

رنجشی و ملازمت قرار یافت ، امّا ، چون در باب معانقه وقت تخشین ملازمت از آن طرف بسخنهارفت ، آن معاملهٔ ذهنی در خارج صورت وجود نگرفت ، چه بنده را دل از فکر امور جرعه ریش و سفری دراز و مطلبی دشوار در پیش بستغیانه پاس ناموس خاکساری ورزیدم ، و دامن از اختلاط آن نو دولتان بیمدار برچیدم (۳) اگرچه نقش آن هوس از سینه محو است ، امّا رقم آن در سفینه باقیست ، چنانچه رقم زد کلک شرربار نگار سگبرد ... مطرح مراحم (۴) ... مخدوما مکرما ، من دانم و دل که بدین حسن اتفاق چه قدر ثنا دعائی میکنیم ، یعنی دعای بی اثر از طرز قبول بیگانه که چون نالهٔ دلهای بیدلان اهل جوب راه بجایی نمیبرد ، اینک در خاتمهٔ این عبودیت نامه تشریف قبول یافت ، هم نقش مدعای خاطر مشتاق بکرسی نشست ، و هم زحمت تفرقهٔ وفاق و نفاق از میان برخاست ، امید که آثار این دعای بری از ریا غایه روزگار خجسته آثار جناب سامی مدظلهٔ باد ـ

قبلهٔ جان و دل سلامت آداب کورنش بجا آورده بعرض حال خود میگراید الحمد لله که زحمت صداع جی اهتمام مانده در طبع اثری از خود نگذاشته ، ضعف اگر باقیست تو و نیست چه این زبیقیست که از وطن کم بموافقت من زار بسته است ، هم پایهٔ حق گذارش قویست و هم سایهٔ وفادارش کارفرمای مزاج ناتوانی ـ آه ازین گردونک موسوم به لطرهیا که از من ضعیف الخلقت تر افتاده است ، دو شنبه از مودها برآمده چلهٔ تارا دوازده کرده (۵) فاصله داشت ، آن آهسته خرام ملکه مخرام در یک روز این قدر راه نتوانست برید ، ناچار شبی در دهی اتفاق بیت افتاد ـ سه شنبه آخر شب رواں شدیم ، من خود دو پهر روز برآمده ، در سرای چلهٔ تارا رسیدم و آن هیچ مخرام ساعتی از شب گذشته ، رسید ، همان زمان مکتوبی در سواد ظلمت لیل که هنوز ملازمان رهی چراغ نیفروخته بودند ، رقم زدم ، قطع نظر از مترامش و آرایش عنوان عذر ناتمامی تحریر قبول باد

خلاصهٔ ماجرا اینکه آخر از بیداد گردون دون ستوه آمده خود را بدریا انداختم یعنی هم ازین مقام کشتی بکرایه گرفتم و اسپ و آدم و متاع همه دروی گنجیدیم و بسم الله مجریها و مرسیها بر خوانده، سفینه در رود جمن رانده ام منظور اینکه به الٰه آباد رسیده توقفی که در بنارس میخواستم کرد، هم درین بقعه کار بندم و روزی چند آسایش کرده مایحتاج ها بمصارف رسانیده رهگرا شوم و دیگر جز مرشد آباد بنگاله در هیچ جا توقف نکنیم. حال سفر کشتی تر دریں دو سه روز مجهول نخواهد نماند. کشتی بانان میگویند که امینک روز سوم در الٰه آباد رسیده خواهد شد، آینده میتوان دید. غرضکه روز چهارشنبه قریب دوپهر در کشتی نشسته دل باخدا، نه با ناخدا البته ام. میرزا افضل صاحب فرموده بودند که مکتوب موسومهٔ ملازمان جناب مفتی صاحب به تهانه دار چلاتارا حواله باید کرد که او خواهد رسانید، اتفاقاً آخر روز در کاروانسرای چله تارا در انتظار گردونک اسباب و واماندگان راه نشسته بودم که ناگاه تهانه دار این خرابه در سرای در رسید و خرامان خرامان پرسش آغاز کرد. در باب ارسال نامه از وی اعانت جستم، اگرچه پذیرفت، اما پذیرفتنی سخت سفیهانه، چنانکه طبع ابا کرد و گوارا نشد مکتوب باو دادن. رهروی مجهول الاحوال چون نام جناب شنید نامه بعجز از من طلب کرد، سطری چند عجالةً در بارگی نوشته، تسلیمش کردم، غالب که از نظر خواهد گذشت. اما عبودیت نامه لهذا که گردون بان مذکور حامل آنست اگر زود خواهد رسید، زمان رسیدن او با هنگام ورود عاصی به کلکته مقارن خواهد افتاد، چه در کم ازین عرصه از چله تارا به باندا رسیدنش باشد که ممکن نباشد. والله علیٰ کل شئ قدیر. بخدمت جناب شاه غلام زکریا صاحب و خان صاحب عمیم الاحسان العام احمد خان صاحب و جناب محمد صالح علیخان المشتهر به مرزائی صاحب سلامهای نیاز افشان اشتیاق بار پذیرفته باد۔(۶)

مشتمل بر ہجو الہ آباد و صفت بنارس
این شکایت نامۂ آوارگیہای مسنت قصۂ درد جدائیہا جدا خواہم نوشت

قبلۂ روان و خرد و کعبۂ مجسم وجانِ اسد، سلامت - پس از
ادای مراسم گرد سر گردیدن و گزارش مراتب تمنای قدم بوسیدن، معروض
اینکہ اگر دو روز پیش ازین (از) حاضران غائب بوده ایم، اکنون (از)
غائبان حاضریم، بسکہ در عالم خیال ہر لحظہ در ان انجمن جا داریم، اینک دل
از ذوق ہمکلامی جناب گوش و لب از شوق ہرزه نوائی در خروش آمده است
ناچار گریبان تحریر بدریدن و خونابۂ گفتگو بچکیدن میدہم - دیوانہ ام، ہرچہ
گویم معافم، و دردمندم، ہرچہ نویسم مرفوع القلم، شاعری موقوف، و تکلف
برطرف، از واردات غالبی آنچہ باب اظہار و بایستۂ گفتار است اینست -
مغلوب سطوت شرکا غالب حزین کاندر تنش ز ضعف توان گفت جان نبود
گویند زنده تا بہ بنارس رسیده است ما را باین گیاه ضعیف این گمان نبود
آنچہ تا منزل چلہ تارا گذشت در دو عرضداشت کہ یکی.. گردونیان
ویکی بسفارت شخصی ناآشنای مجہول الاحوال مرسل گردیده است، تحریر
رسیده، خوش آنکہ یکی ازان.. نارسائی طالع بہ بزم قبول نگاه رسیده
باشد - بہرنگ ازان معبر کشتی بکرایہ گرفتم و با آدم و چارپا در آن نشستہ،
از پیچ و تاب ریح معده و امعا در کشاکش و دل از.. حرارت غریبہ حمی
بر آتش - روز ہفتم بویرانہ.. ورود افتاد - آه از الہ آباد و لعنت خدا
بر آن خرابہ باد کہ نہ دروی دوائی درخور بیمار و نہ متاعی شایستۂ
مردم بزم.. مردوزنش ناپیدا و مہر و آزرم از طبع پیر و جوانش
گم - سوادش سرمایۂ روسیاہی آفاق و خراب آبادش مرز دو منزلہ..
چہ ناانصافیست این وادی ہولناک را شہر نامیدن و چہ بیجا ہیبت
آدمزاد را درین دامگاه غول آرمیدن صحن جہنم بدین.. بومش مقابل

مینهند پر از آتش است، و هوای زمهریر از بن اندوه که بعصر آن
برو دتکده اش نسبت میدهند، خیلی ناخوش. چون شنیده است
که بدان رابنیکان مینجشند، خود را بهزار امیدواری، بلکه بصد هزار
خواری در پهلوی بنارس انداخته است و گنگ را بطریق شفاعت
سویش روان ساخته. هرچند بسوی این روسیاه نگریستن بر طبع
نازک بنارس گرانست، اما بدین پشتگرمی دلش آب میخورد (۷) که
پای گنگ در میانست. بخدا که اگر بازگشت از کلکته منحصر در راه اله آباد
باشد، ترک وطن گویم، و راه معاودت نپویم. بالجمله یک شبانروز در آن
دیولاخ بجرم فقدان باربرداری زندانی بودم. روز دیگر چون بهل کرایه پیدا
شد، سحرگاهان بر ساحل گنگ رسیده، زود چون باد از آب گذشتم،
و بپای شوق سوی بنارس گرم پویه گشتم. روز ورود بنارس بادی جانفزا
نسیمی، آسا از جهت مشرق وزید، جانم را توان و دلم را روان بخشید.
اعجازانه آن مشت هوا غبارم را چون علم فتح برافراشت و اهتزاز آن نسیم
اثر ضعف و بدن نگذاشت. خوشا سواد بنارس که اگر از فرط دلنشینی سویدای
عالمش خوانم بجاست. و حبذا اطراف آن معموره که اگر از جوش سبزه و
گل بهشت روی زمینش دانم رواست. هوایش .. خدمت جان در
کالبد اموات دمیدن و ذره ذره خاکش را چون جوهر آهن ره منصب
پیکان خار از پای رهروان کشیدن گنگ اگر سر به پایش نسودی، در نظرها
این قدر گرامی نبودی، و خورشید اگر بر دیوار و درش نگذشتی بدینگونه فروغ عالمتاب
و تابناک نگشتی. بعرض روانی طوفان خروش گنگش خانه ساکنان ملا اعلی
سیلابی است، و بجلوه گاه پریچهرگان سبزه رنگ.. کیتان خانهای
قدسیان ماهتابی. اگر از کثرت عمارت قاف تا قافش سخن رانم، سراسر
دیرسار متانست، و اگر از.. سبزه و گل اطرافش فصلی فرو خوانم،

در بیابان بہارستان

تعالی اللہ بنارس چشم بد دور | بہشت خرم و فردوس معمور
خس و خارش گلستانست گویی | غبارش جوہر جانست گویی
سرشتش پای تخت بت پرستان | سراپایش زیارتگاہ مستان
بنارس را کسی گفتا کہ چین است | ز موج گنگ چینش بر جبین است
بخوش پرکاری طرز وجودش | ز دہلی می رسد ہر دم درودش
بنارس را تو گفتی دید در خواب | کہ میگردد ز نہرش در دہن آب
حسودش گفت آیین ادب نیست | ولیکن غبطہ گر باشد عجب نیست
فرنگستان حسن بینقاب است | ز خاکش ذرہ ذرہ آفتاب است
بتانش را ہیولی شعلۂ طور | سراپا نور ایزد چشم بد دور
میانہا نازک و دلہا توانا | ز نادانی بکار خویش دانا
تبسم بسکہ در لبہا طبیعیست | دہنہا رشک گلہای ربیعیست
بلند افتاد تمکین بنارس | بود بر اوج او اندیشہ نارس

بحکم وفور دلفریبی این تماشاگاہ غم غربتم از دل فراموش است، بہجوم نشاط نالۂ ناقوس این صنمکدہ دل از اہتزاز در خروش، ذوق آن قدر سرمست بادۂ تماشا گشت کہ بجز دانہ (۸) دامن بر یاد وطن افشاندہ، و کیفیت نظارۂ اینجا سجدی دل را فرو گرفت کہ دہلی را جز بر طاق نسیان جا نماند۔ ۰۰ این مقدمۂ سترگ در پیش، دل از بیم شماتت اندازیش نبودی، بی محابا ترک دین کردمی و سبحہ بگسستمی، و قشقہ فرو کشیدمی، و زنار فرو بستمی، تا بدین وضع چندان بر کنار گنگ نشستمی کہ گرد آلایش ہستی از خود فرو شستمی، و چون قطرہ بدریا پیوستمی بمجرد ورود این ارم آباد نہ آنکہ چارہ گرا شود یا داروی خوردہ شود، ما زحمت تشویش عوارض جدیدہ از میان برخاستہ، بلکہ دعوی مبتلا ام

گرد کہ پارۂ دراصل مرض نیز کاستہ است۔ ہرچہ از مرکبات معمول فراہم آوردہ میشود علت وجود آن حزم و احتیاط استقبال است، ورنہ امیدوں نہ تلافی ماضی منظور است، نہ رعایت حال۔ قبلہ گاہا، بخاطر اقدس نگذرد کہ غالب از خیرہ سری و پریشان نظری در بنارس ہم چو مگس بعسل و خر در وحل فرو ماندہ باشد۔ حاشا ثم حاشا چون من فلک زدہ اسیر برگ اقامت کجا و دل و دماغ تماشا کو، مگر ضرورت گرد آوردن بعض داروہا کہ حاجت بدان اکثر است و فراہم کردن پارۂ از رخت سفر کہ زمستان را درخور است اتفاق قیام افتاد۔ پنج روز در سرای بیرنگ آباد کہ در عرف عام بہ سرای نورنگ آباد مشہور است، بیحاصلی گذشت، بعد ازان مکانی در ہمان محلہ عقب ہمان کاروان سرا پیدا گشت دران کاشانۂ تنگ و تار تر از گور بخیل رخت سفر کشادہ ایم، و پہلو ببستر افتادگی نہادہ۔ ہرچند ہم سرشتن نباتات تا نہ ساعت ممکن است، اما رقعہ بر رقعہ دوختن طیلسان آوارگی مہلتی میخواہد، لااقل کم از چہار ہفتہ درین سامان این ہفتۂ بغفلت بسر رفتہ نیز در ہمان ایام محسوب خواہد گشت، ہنوز در میانۂ دشت و دریا شورش در میان آب و آتش گاہ بخاطر میرسد کہ تا عظیم آباد بخشکی باید پوییدہ، و از آنجا کشتی بکرایہ باید گرفت، و گاہی دل ہوا میکند کہ ہم ازینجا براہ دریا باید رفت، اکنون از جناب چشم آن دارم کہ بغمخواری آوارگان دشت بلا پردازند و نوازشنامہ عجالۃً در ڈاک انگریزی روان سازند، چنانکہ حالات مزاج اقدس از عبارتش بتفصیل جلوہ ظہور دہد، علی الرغم در آغاز صحیفہ خیر و عافیتی مرقوم باشد۔ چہ عالم الغیب و الشہادت آگاہست کہ دل اغلب اوقات بجانب مخدوم نگران میباشد انشاء اللہ العزیز عریضہ کہ بپاسخ آن گرامی منشور سعادت رقم کردہ ... (۹) حاوی تاریخ روز رحیل و تعین وضع طریق سبیل خواہد بود۔ ہرچند دریاب استدعای

نامہ ابرامم بیش از بیش است، اما دل از شرم گمنامی و بیکسی بہزار دشنہ ریش است چہ در زاویہ کہ فرو دآمدہ ام، کلبۂ پیرہ زنیست کہ نتودش بروغن چراغ محتاج است، وخرابہ اش فارغ از پرس وجو ۔ چون دہ ویران از بیم خراج نہ بازار نامی در پہلویش، نہ قصر محتشمی دربرابرش عنوان نامہ بچہ نام ونشان پیرایۂ قبول یابد، ونامہ برا گر خود پیک خیال ما باشد .. ابدا ..

درہوای سراغش شتابد جناب مخدومی مکتوب الیہ سخدا سپردہ، اگر عنوانش بدین طغرای رقم خواہند کشید کہ در محلۂ نورنگ آباد عقب سرای نورنگ آباد قریب حویلی گوسی خان سامان در حویلی مٹھالی ومیان رمضان بمطالعۂ اسد اللہ غریب الوطن تازہ وارد برسد، باشد کہ قاصدان ڈاک انگریزی چون تیر دعای مستجاب بہدف غلط نکنند، عذر بذیان سراغی و پریشان نوایی در صدر عریضہ معروضست، اکنون اگر باز فصلی ازان ہا خواندہ شود، آن عذر بدتر از گناہ را باز دفتری دراز تر ازین طومار برای اعادۂ معذرت فضولی درکار خواہد بود ۔

بپیشانی عفو تر از جبین نسازد جرم ما آیینہ کی برہم خورد از زشتی تمثالہا

عمر و دولت بعقای عرصہ جا و بدور تر ز ابد باد، و عشرتکدۂ حیات ابدی توامان باد ۔ بخدمت حضرت شاہ محمد زکریا صاحب وخان صاحب .. صاحب ومرزابی صاحب نیاز مند بہا و آرزو مند بہا بہرہ یاب رنگ قبول باد ۔ (۱۰)

جناب فیض مآب قبلہ وکعبۂ نشاتین، مدظلہ العالی ۔ روزگاریست کہ نفس از سوز فراق قبلۂ راستان شعلہ خیز وجبین خیال بہوای آن آستان سجدہ ریز است ۔ وای کہ میانۂ من وآبی کہ آتش خطرناک شوق بدان فرو نواند نشاند ہفت دریا حائل است، واز سنگ آن درگاہ کہ جبہہ نماز عبودیتش توان گردانید دوری باندازۂ بُعد کعبہ حاصل عطوفت رقم نامہ در ایام خاک نشینیہای بنارس چشم بخت را نوری وبخت چشم را عروجی بخشیدہ بود وسعادت

تحریر جواب آن را جملۂ مغتنمات فرصت انگاشتہ ورقی بخدمت خدام ذوی الاحترام نگاشتہ ہم براہ خشکی عزم عظیم آباد کرد یا لجملہ بدستیاری میامن فیض انفاس بزرگان چون گرد راہ در کوہ و بیابان افتان و خیزان در ہر گام از خارہ و خارہ سینہ بر دم بر تیغ مالان، گاہ از شدت پر ولیہا افسردہ و رنجور و گاہ از تالم گردش ایام ستمرسیدہ و نالان، روز شنبہ چہارم شعبان پارۂ امروز بر آمدہ در کلکتہ رسید۔ غریب نوازیہای دیار بہیشت وا نازم کہ در چنین مقام خانۂ چنانکہ باید و ہرگونہ راحت و آسایش را لبکار آید، ہم او را ابقدار خاطر آزادگان فضائی، و ہم اندروی مانند دہان آز دنیا طلبان بیت الخلائی، ہم در گوشۂ صحن پُر از آب شیرین چاہی وہم بر طرف بامش در خور اہل تنعم آرامگاہی، بی آنکہ جستجو رود، یا گفتگوئی شود، بی زحمت و بی منت بکرایۂ شش روپیہ ماہانہ بہم رسید، و آدم و چاروا رانیکہ گاہ راحت گردید۔ دو روز از رنج راہ آسودہ، منشور لامع النور را مشعل راہ مدعا ساختہ، و در کشتی نشستہ آہنگ ہوگلی بندر کردم بدر نواب صاحب.. نخست روبسوی ایوانی کہ ضریح جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا در بود، آوردم و زیا.. چون بگوشۂ بساط قرب مخدومی رسیدم از فرط عنایت برخاستند در انتظار تو روزہا گذشت چون از کیفیت منشا انتظار پرسیدہ شد، این معنی کل.. نواب صاحب رسانیدہ اند، و بی ذریعۂ ملاقات صوری روشناس معنوی گردانیدہ۔ روز ملاقات.. درمیان نیامد، دوسہ ساعت نشستہ برخاستم و بغمکدہ معاودت کردم، بعد دو روز کہ دوبارہ.. بہیت افتاد، دو روز و یک شب صحبتہا ماند، و پرس و جوہا بمیان آمد، ... ال مقدمہ مفصل گفتہ.. دل نکردہ اند کہ بدان خرسند توان گشت و نا امیدی نیز نبخشیدہ اند کہ از سر این کار توان گذشت۔

جہان بیمہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی مرا بر آرزوہای تمنا کی خندہ میاید..

آشفتگی بخت نشر ند. (۱۱) باید دید که درین روزها نواب صاحب ممدوح را با کلکٹر ہوگلی درخصوص زمینی که وقف اما مباره است معارضه بلکه مجادله درپیش است و دل سرگرم فکر امور خویش - این حرف (نه) تنها نواب صاحب گفته اند، بلکه از خارج متوالی و متواتر مسموع گشته ہمه را ماتمی حسرت دنیا دیدم چون لعشر تکدهٔ گبر و مسلمان زنم" مرگ نواب احمد بخش خان بهادر بسمع اقدس رسیده باشد، شگرف اتفاق و طرفه ماجراست ہر چند انعدام پیکر عنصری نواب نفس مقدمه را چندانکه سود ندارد، زیان ہم ندارند، اما از خود رفته این دو کیفیت باشم، یکی آنکه ہمی که در مستقبل داشتم ہم اید و ن برای من خالی گشت، یعنی، دست بگدائی پیش برادران دراز کردن - دیگر آنکه مسرتی که بعد از فتح متصور بود، باطل شد، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن و در انجمنها بدان ناز کردن -

خطا بخش عیب پوش من سلامت، بندهٔ تازه خریدهٔ جناب را در فضای سخن دو لغزش واقع گشته، یکی اینکه غزلی که از بنارس فرستاده ام و مطلع آن اینست

ای تصدمهٔ آهی بر دست ز ما باری این قدر گران نبود نالهٔ زنجاری

امید که جناب سر مطلع مذکور را محو فرموده، این مطلع را بدل با تخلل آن دو مصرعه سازند - دوم اینکه قصیدهٔ که در مدح آغا میر گفته ام خدا میداند که برای خاندان من طرفه داغ بدنامیست، و لطف اینکه آن یکصد و ده شعر را از صفحه حک ساختن نمیتوانم - چون نواب مرشد آباد نیز بسید زاده است، این قصیده را بنام وی شهرت دهیم، گو بملازمتش نارسیده .. لیکن مداح بودن من همایون جاه را بر من ناگوار نیست - توقع که تا زمانی که اشعار مصرح اسم ممدوح را - آن قصیده را بکس ننمایند و عیب خردان را چون بزرگان بپوشند و نوازش نامه که عنوانش باید که چنین باشد: شهر کلکته، قریب چیت بازار، قطعه بانارزدیک تالاب کرد .. بمطالعه اسد برسد - زیاده جز آرزوی قدمبوس چه عرضه دارد - محمد اسد الله -

دو سہ روز گذشتہ باشد کہ کتابتی از غمکدۂ راقم رسیدہ بود، طرازی از نقش خط و خال شاہد مدعا داشت.. را انشا کردہ و پارۂ از اخبار این داوریگاہ بطمع سیرابی تحریر بیران افزودہ، اہدای خدمت بندگان حضور ساختہ ام، چنانکہ از نظر گذشتہ باشد۔ امروز کہ روز دوشنبہ است از ہفتۂ نخستین رجب آخر روز کتابتی دست کار فرما کہ شمۂ از حالش در عریضہ ہای سابق سمت تحریر یافتہ، رسید، چون بیاضش سواد آگہی داشت، عرضداشت فرستادہ آمد۔ خدایگانا، حق خدا کہ یارم از کارم غافل نبود، خود را از چارہ جوییہا (۱۲) معاف نداشتہ، آری بر من از من مہربانتر است، و مراسم دادخواہی را فائدہ دانستہ و اینکہ تا امروز خبری بمن باز نداد، ہم بغرور یکدلی و یگانگی بود، نہ از راہ دوری و دیوانگی، اینک مکتوب وی آیینہ دار گرانمایگیہای اوست۔ امید کہ غالب خستہ را جویای خبر دانستہ، آن نکنند کہ ہفتہ ہفتہ و ماہ ماہ گذرد، و بنامہ یاد نیارند۔ دیگر عرضہ ندارد کہ نامہ روان گشتہ را پیش از سہ روز گذشتہ، و درین عرصہ کہ رسیدن این صحیفہ خبری تازہ پدید نیامدہ، و ہرچہ نوشتنی بود، در مکتوب پیشین باستیفا رقم گشتہ بفضولی نہ سنہ، و زیادہ ازین حد ادب ندید۔ محمد اسد اللہ۔

حضرت قبلہ گاہی و ولی نعمی مدظلہ العالی گرد سر بگردد و جان بخاک آن کف پا بیفشاند و بمیراند چہ عرضہ دارد، و از پردۂ کدام رقم سر بر آرد، نہ سپاس یاد آوری نہایت پذیرد، نہ شکر قدر افزائی باندازۂ تحریر در آید۔ جناب منشی عاشق علی خانبہادر کتابتی بمن فرستادند، چون عنوانش نشکافتہ رسید نوری از آن پردہ بدرخشید، چون نیک نگرستم سواد مکتوب خدایگانی بود کہ بخان ممدوح در اشعار خاکساریہای این مشت غبار جلوۂ رقم داشت. بالجملہ ملازمان شان بدین ننگ آفرینش نوشتہ بودند کہ وقتی قرار دہ، چہ مرا بیا گاہان تا مسرت از سپہر بگذرانم و نور خویش بکد و زنکدہ ات بر افشانم

پاسخ بپوزش گزاردم، و دیگر خود ببساط بوس رسیدم - هرچند در آمد وشد دفترخانۂ لعا تنی با حباب ممدوح .. بدولتخانۂ قبلہ وکعبہ نواب علی اکبرخان اتفاق معانقہ نیز افتادہ بود اما ایدون. بنقش موالات بکرسی نشست -
جناب ممدوحی لحتی سخن بمذاق اہل وحدت وجود میرانند.. از شیوۂ اخلاق شمع بزم چراغ انجمن مولوی ولایت حسن وطرز رسانی مذاق مہر سپہر معنی آشنائی نواب علی اکبر خان طباطبائی منت خدام قبلہ گاہی بر دل وجان بازہای ہرگونہ لطفی کہ از صحبت برنان بر میداشتم. ہذا من برکتہ البرامکہ، بر زبان بود، ایدون آبروی دیگر برافزود، شوکتی تازہ روی نمود - حق خدا کہ اگر در نورد این آوارگی بشما نرسیدمی تحتگی مرا مرہم وشکستگی مرا مومیائی از کجا پدید آمدی -
اگر سر رشتۂ انصاف از کف ندہم، دانم کہ از عہدۂ سپاس میر کرم علی کہ مرا بخاک آن آستان رہنمونی کردہ اند، وبدان سر منزل خضر راہم گردیدہ، بیرون آمدن نتوانم، چہ جائی آن کہ مدح ملازمان گویم چاشا تم حاشا، خاموشی از ثنای توحد ثنای لست،، حالی کہ در خور نگارش بود، در عرائض سابق. خویش ہریک از نظر خواہد گذشت، و آیینہ دار شیوۂ تسلیم خواہد شد - درین جزو زمان جز اینکہ خامۂ نیاز بصفحہ .. (۱۳) بہم ندارد و پردہ از روی کاری بر نیفتادہ، جواب تفقد نامۂ میر احمد علی خاں صاحب بپاس این معنی کہ در نوردشقۂ حضور. بسمت ارسال یافت، بعنایت خواجہ تا نشان من بخدمت مکتوب الیہ رسیدہ باد - بر ضمیر منیر خدام عالیمقام مخفی مباد کہ این ۱۵ یہ بتاریخ ششم شعبان روز سہ شنبہ رقم کردہ ہمان روز بتوسط میر صفات علی خان بخدمت لالہ کانجی مل، باندوی فرستادہ آمد، خدا توفیق بمکتوب فرو پیچیدن و فرستادنش عطا دارد -
حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مدظلہ العالی کورنش بجا میآرد، وعرضہ میدارد، پیش ازین عرائض بسمت ارسال یافتہ، دانم کہ ہریک بزمان خویش از نظر گذشتہ،

آیینه دار صور مدعا گردیده باشد، تتمهٔ حالی که تعلق بدان اوراق دارد
اینکه چون جناب منشی عاشق علی خان صاحب بهادر مرا نوید قدم خویش
دادند، خود پیشی جستم، و برشتافتم - عنایت فرمودند، "هذا من برکة
البرامکه"، گویان برخاستم، و بکدور بخانهٔ خویش رسیدم پس از چند روز روز
یکشنبه ناگاه بی آنکه مرا آگهی داده باشند، هنگامی که من بخانه نبودم جناب
ممدوح در رسیدند، چون باز آمدم، و شنیدم آب گردیدم و براه تلافی قطره
زدم، و بخدمت شان رسیدم نواب علی اکبر خان بهادر به هوگلی تشریف دارند
وعده بود که ترا خواهم ماند.. یاد نکرده اند گزارش جناب قبله گاهی وابسته
بزبان حضور است، غالب که پس از امور شادی .. آمد مولوی ولایت حسن
صاحب مکرر بذوره رفته اند، صحبت دست داده بود، در نورد گفتگو مذکور بود
ک.. کرد و برخویش نهاده شد، پیش ازین معروض رای بلازمان گشته
که راجه بنارس .. ملازمت نواب گورنر جنرل بهادر استدعا کرد، پذیرفته
شد و بارعام قرار یافت - اما.. میان نماند، کس خبر نیافت یعنی بروز آدینه
چهاردهم فروری چون وقت برخاستن عمله صاحب.. سکرتر که من از بندگان
اویم، نایب میرمنشی که در غیب میرمنشی کارروائی میکند.. اهل بار
صلا باید زد که روز دوشنبه که روز بار است، بوقت معین خود را بر در
بارگاه رسانند- دران میان کتابتی مشعر این ماجرا بمن فرستاد- فردای
آن شب که شنبه بود خود را بملازمت صاحب رسانیدم، و تمنای ملازمت
کردم - از غایت تفقد بذرفت و حنایی بسزا فرمود.. نام مرا در صف
اصحاب الیمین .. هم بر کرسی اعتبار نشاند و از حسن اتفاقات آنکه نمبر ۱ از
راجه بهوبت سنگه جانشین راجه کلیان سنگه عظیم آبادی از پدر او ست،
و نمبر ۳ از سفیر شاه دهلی و چهارم از سفیر شاه اوده و پنجم از وکیل همالون
جاه (ـہا) نواب مرشد آباد و ششم از وکیل جے پور و هفتم از وکیل جیپور و هشتم از وکیل

راجہ نیپال است، و ہم از قبلہ و کعبۂ من جناب علی اکبر خان بہادر دام اقبالہٗ، و ہم از بندہ قرار یافت، شرح این مسرت کہ مرا در انجمن بار بپہلوی کسی جا دادہ اند کہ وی را از مجموع اعیانِ بنگالہ برگزیدہ ام، تا کجا بتحریر آید، لیکن، آہ ازین کہ نواب از ہوگلی نیاید، و معذرتی گفتہ فرستاد مختصر مفید، چون عنایت منعم در بارۂ خود بیش از بیش دیدم، خلعت آرزو کردم لختی بخود فرو رفت و سر برداشت، و بزبان دلفریب گفت ای فلانی این وقت گنجایی آن نداشت نام کسی در جریدۂ اہل بار افزودہ شود و دل ترا خستہ ایم و خاطر ترا رعایت کردہ، و این ہم نمی گوییم کہ خلعت نمیتوانیم داد نمی دہانید، اما درین وقت کفیل گرانمایگی خلعت نتوان شد، و خود بنگر کہ عم تو کہ از متوسلان و سرداران سرکار بود گاہی درین سر رشتہ خلعت نیافتہ۔ و بعد تقرر جا گیر ۵ ماہ درگذشتہ، اکنون حال ترا بشرح و بسط بکونسل عرضہ داشتن و خلعتی در خور نام تو ازہ گانہ گرفتن صورت نمیشد۔ حالانکہ تو امروز خنگرف بر سر خلعت افزودہ، بیارام و شکیبا شو، تا وقت رخصت فراز رسد، آن زمان خلعت گرانمایہ با ضمیمۂ خطاب بہادری کہ تمنا کردہ

••

(تحقیق - ۱۹۶۲ء)

نوٹ:- قاضی صاحب نے ۱۹۶۱ء میں ایک رسالہ "تحقیق" نکالا تھا۔ یہ مضمون اسی میں شائع ہوا۔ رسالہ کے اداریے میں اس کے بارے میں صرف مندرجہ ذیل ڈیڑھ سطر لکھی گئی تھی۔

"مکتوباتِ غالب کے بیشتر خطوط غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ خطوط باقساط شائع ہونگے اور آخری قسط کے ساتھ مقدمہ و حواشی ہوں گے۔"

غالب کے فارسی خطوط

(ایک نیا مجموعہ)

غالب کے فارسی خطوط کا ایک نیا مجموعہ دستیاب ہوا ہے جس میں تین قسموں کے خطوط ہیں:

۱۔ بالکل نئے خطوط۔

۲۔ پرانے خطوط معتدبہ اختلاف متن کے ساتھ۔

۳۔ پرانے خطوط جن کا متن یا تو وہی ہے، جو "پنج آہنگ" میں ہے، یا اختلاف ہے تو اتنا کم کہ نہ ہونے کے برابر۔

ایک آدھ کو چھوڑ کر سب خطوط محمد علی خاں کے نام سے ہیں، جو سراج الدین علی خاں، قاضی القضات کلکتہ کے بھائی تھے، اور جن کا فارسی گو شاعر کی حیثیت سے کسی بھوپالی تذکرے میں ذکر ہے۔ اس مجموعے سے واقفیت سے پیشتر میں نے "جہان غالب" میں ان سے متعلق ایک نوٹ بھی لکھا تھا۔ غالب سے ان کی ملاقات باندہ میں ہوئی، اور کل خطوط انھیں وہیں بھیجے گئے۔ سب خطوط، ایک کو چھوڑ کر، دوران سفر میں لکھے گئے تھے۔ یہ مجموعہ بدقسمتی سے کرم خوردہ ہے، اس کے بعض الفاظ اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اس سے غالب کے بارے میں بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ کچھ امور کی جو پہلے سے ہمارے علم میں تھے، تصدیق ہوتی ہے، اور بعض کی تکذیب۔ ذیل میں اس کے کچھ مطالب، بعض عبارات اور دو مکمل خط پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) غالب نے کہیں لکھا ہے کہ میں نے آغا میر کی مدح میں قصیدہ نہیں لکھا، صرف نثر لکھی تھی۔ اس مجموعے کے ایک خط سے پتہ ملتا ہے کہ انھوں نے ۱۱۰ ابیات کا ایک قصیدہ ان کی شان میں کہا تھا، جس کی بعض ابیات میں ان کا نام بھی آیا تھا۔ اس کی ایک نقل محمد علی خاں کے پاس تھی۔ غالب انھیں لکھتے ہیں کہ یہ قصیدہ میرے خاندان کے لیے باعث ننگ ہے، لیکن اسے ضائع بھی نہیں کر سکتا۔ ابھی تک ہمایوں جاہ نواب مرشد آباد سے ملاقات کا موقع نہیں ملا، مگر چاہتا ہوں کہ اسے ان کے نام کر دوں۔ جب تک وہ اشعار جن میں آغا میر کا نام آیا ہے یا ان کی طرف اشارہ ہے، بدل نہ دوں، یہ قصیدہ کسی کو نہ دکھائیں۔ بعد کو اس قصیدے کے ممدوح، نصیر الدین حیدر قرار پائے۔ اس کی ردیف "رفتم" ہے اور قوافی "عنوان، گریبان" وغیرہ ہیں۔

(۲) غالب جس زمانے میں باندہ گئے تھے، وہاں ان کے ماموں کے بیٹے، اوزبک جان (اس مجموعے میں یہی نام ہے، اورنگ خاں نہیں) مقیم تھے اور یہ ذوالفقار بہادر نواب باندہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ باندہ میں غالب اوزبک جان ہی کے ساتھ رہے۔ وہاں ذوالفقار بہادر نے انھیں دو ہزار روپے امین چند سے دلوائے تھے۔ یہ شخص ممکن ہے مہاجن ہو، اور اس نے روپے قرض دیئے ہوں، لیکن، غالب کی کسی تحریر میں روپے کی واپسی کا ذکر نہیں۔ اس مجموعے کے بعض خطوط اس پر البتہ مشعر ہیں کہ نواب سے (یا ان کے ذریعہ کسی اور شخص سے) مزید رقم وصول کرنے کی فکر میں تھے۔ ظاہرا یہ کوشش ناکام رہی۔

(۳) غالب محمد علی خاں کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے، اور اپنے حالات سے انھیں بالتفصیل مطلع کرتے رہتے تھے۔ غالب نے انھیں اپنی مالی پریشانیوں کی کیفیت لکھی تو انھوں نے انھیں دو سو روپے بھجوا دیئے۔

(۴) باندہ سے کلکتہ جاتے ہوئے، غالب الہ آباد میں ۴۸ گھنٹے ٹھہرے تھے۔ اس جگہ سے اتنے مختصر قیام ہی میں اس قدر بیزار ہوئے کہ ایک خط میں یہ لکھتے ہیں کہ اگر کلکتہ پہنچ کر وطن سے واپسی کا کوئی اور راستہ نہ ہو تو میں ترک وطن کے لئے آمادہ ہوں۔

(۵) الہ آباد غالب کے نزدیک جہنم تھا تو بنارس[1] بہشت۔ وہاں پہلے سرائے نیرنگ آباد مشہور بہ سرائے نورنگ آباد ٹھہرے، اس کے بعد اسی سرائے کے پیچھے حویلی مٹھائی میاں رمضان میں جو ایک مبتذل سی جگہ تھی مقیم ہوئے۔ ایک خط میں جو ورود بنارس کے چند ہی دن بعد کا ہے، لکھتے ہیں کہ یہاں کم از کم چار ہفتے ٹھہروں گا۔ سیر و تماشا کا دماغ کسے، غرض یہ ہے کہ ضروری دوائیں فراہم کروں اور جاڑے کے لئے کپڑے وغیرہ بنواؤں۔ اس خط میں مثنوی "چراغ دیر"، کے چند اشعار بھی ہیں۔

[1] تعالیٰ اللہ بنارس چشم بد دور   بہشت خرم و فردوس معمور   (مثنوی "چراغ دیر")

(۶) گورنر جنرل کے دربارِ عام میں شرکت کا دعوت نامہ غالبؔ کو ملا تھا، اور ان کا "نمبر" (لام کے ساتھ) دسواں تھا، نواب علی اکبر خاں طباطبائی کا تھا۔ غالبؔ نے خلعت اور خطاب خان بہادر کی خواہش ظاہر کی تھی۔ سکریٹری نے جواب دیا کہ فی الحال ممکن نہیں، مگر ممکن ہے کہ آئندہ اس کی صورت نکل آئے۔ اسی نے ان سے یہ بھی کہا کہ نصر اللہ بیگ خاں کے چچا جاگیر ملنے کے دس ماہ بعد مر گئے تھے اور انھیں کبھی اس کا موقع نہ ملا کہ خلعت پائیں۔

(۷) مرگِ نواب احمد بخش خاں بہادر بسمعِ اقدس رسیدہ باشد۔۔۔۔ انعدام پیکرِ عنصری نواب نفسِ مقدمہ را چناں کہ سود ندارد، زیاں ہم ندارد، امّا از خود رفتۂ ایں دو کیفیت باشم یکی آں کہ بہمی کہ در مستقبل داشتم ہم ایدوں برائے من حالی گشت یعنی دست گدائی پیشِ برادراں دراز کردن دیگر آں کہ مسرّتی کہ بعد از فتح متصور بود، باطل شد، یعنی انتقام از غاصب توی کشیدن و در انجمنہا بداں ناز کردن۔

(۸) قصیدہ کہ در مدحِ خدام جناب ناظم الملک مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر ہیبت جنگ الدرگ کلک فرد ریختہ است، رقم میگردد،

اس قصیدے کا مطلع یہ ہے؛

یافت آئینۂ بخت تو ز دولت پرداز
جلوہ ہا ساز کن ای دہلی دہر خویش بناز

کلیات میں یہ قصیدہ ایک[1] دوسرے شخص کی مدح میں ہے۔

(۹) غالبؔ کلکتہ میں چھ روپے ماہوار مکان کا کرایہ ادا کرتے تھے۔ کلیات کے ایک خط میں غالباً دس روپے مذکور ہے۔

(۱۰) اکبر آباد سے ڈھائی سو روپوں کی ایک ہنڈی کلکتہ میں ملی، ماں نے بھجوائی ہوگی۔

۱۔ پوشیدہ نماند کہ چوں بہ کلکتہ رسیدم گروہا گروہ مردم در من افتادند و نکتہ چینی و آہو گیری آغاز کردند۔ جمعیتی خاص از برای پراگندگی ساختند، و تا بکین من بر خیزند، بہم با ہم نشستند۔ از ہر سو گرد آمدہ آں بزم را مشاعرہ نام نہادند و از تمہید ایں صحبت بر من منتی تمام نہادند۔ در صحبت دوم زمینی کہ مقطع غزل حکیم ہمام خبر از آں میدہد طرح شد، و ہو ہذا،

در میانِ من و دلدار ہمام ست حجاب[1]
دارم امید کہ آں ہم ز میاں برخیزد

دہ دوازدہ بیت در ہمیں ردیف و قوافی از رگ کلک فرو ریختم، و بمشاعرہ برخواندم۔ پس از ہفتہ خبر رسید کہ بیدانشی بیتی از ابیات را خردہ گرفتہ، و خود را در نظر اہل معنی رسوا ساختہ است۔ بیت اینست ؛

جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم
ہمچو موی کہ بتاں را ز میاں برخیزد

ایراد آں کہ لفظ ہمہ را بالفظ عالم کہ مفرد است، ترکیب نتواں داد، زیرا کہ عالم خود مجموعہ است، و در چار شربت و مظہر الفصاحت حرکی[2] (خبری ؟) ازاں ندارد۔ دیگر آں کہ لفظ بیش تا کہ لفظ تر در آخر آں نیارند، شائستہ آں نیست کہ تلفظ بداں جائز باشد یعنی بیشتر باید گفت، و بیش تنہا نتواں گفت۔ دیگر آں کہ رستن موی بر کمر معشوق عقلا ..... دیگر آں کہ رستن موی و سبزہ را تعبیر برخاستن نتواں کرد۔ بالجملہ چوں بر اعتراضات نگاہ کردم و معترض را بمیزانِ نظر سنجیدم، ..... کہ طرف شوم، و زحمت گفتگو بر خود روا دارم۔ امّا از انجا کہ جانب حق گرفتن و خاص از برای حق ستیزہ کردن ... لختی بہم بر آمدم و در صحبت سوم متصدی پاسخ آں اعتراضات شدم، ..... کار خود کردہ بود، و

---

[1] چارلس شکاف

[1] "شعر العجم" میں یہ شعر اس طرح درج ہے :-

در میاں من و دلدار حجاب است ہمام
وقت آں است کہ ایں پردہ بیکسو فگنم

[2] چیزے ؟ (ادارہ)

حق پشتگرمی اہل حق بصورت شائستہ بظہور آمدہ، یعنی دراں روز باگرانمایۂ از اعیان عجم بسفارت از ایران رسیدہ و تبکلیف ......
آرایان مشاعرہ وارد آں انجمن گردیدہ بود، اشعار ہمگناں شنید و چوں نوبت بمن رسید، باوجود ناآشنائیہا بمن پرداخت و خود را مشتاق من وانمود مگر ایرانیانی کہ پیش ازوی بہ کلکتہ بودند مرا بہنجز گفتاری پیش وی ستودہ بودند۔ چوں کلام شنید، وتخلص دریافت فرمود کہ غلبہ از تست، حقا کہ بر ہمگناں غالبی و اسم باسمائی۔ آں گاہ روبسوی مجلسیاں کرد و گفت یاراں، در میانۂ شما ایں نفس گداختہ خویش نوا غنیمت است۔ زنہار ایں راگرامی دارید کہ قطع نظر از شعر و شاعری عالم بزبان پارسیست۔ ہم در عرض آں گفتگو اشہب نطقم توسنی کرد و در میدان داوری گرد فتنہ برانگیخت۔ چوں لب بپاسخ اعتراضات کشودم سفیر ممدوح بامن ہمزباں شد، ومرا بیشتر ستود، و بر آناں خندیدن گرفت۔ چنانکہ بیتی از اساتذہ کہ بر اثبات مدعای من گواہ گزرانیدہ بود، اینک بخاطر دارم، الاجمال بیتی است از حافظ علیہ الرحمۃ مشعر جواز ترکیب لفظ تہمہ با لفظ عالم:

گر من آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

دیگر مطلعیست از مصلح الدین سعدی علیہ الرحمۃ:

بجہاں خرم از آنم کہ جہاں خرم ازوست
عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست

دیگر بیتی است از حضرت مولانا نورالدین ظہوری علیہ الرحمۃ والغفران در جواز تمامی لفظ بیش بی اضافۂ لفظ تر

کم از آنم کہ در معتقدتم باید دید | بیش ازانی کہ دہی خجلت تقصیر مرا

دیگر بیتی است از استاد در اثبات مترادف بودن برخاستن با روئیدن چنانکہ میگوید:

از رخ خط مشک سود برخاست
آتش بنشست، دود برخاست

مختصر قصہ صحبت بپایاں رسید، و ہر کس بجائے خود رفت۔ حاضر میداں رمنداں؟) آں لقمہ چہ شاعر و چہ غیر شاعر شوریدہ تر گشتند، و برمن بشوریدند، و رونق خویش در شکست من دیدند و بیتی از غزلم در نظر نہادند و داد عیب جوئی وانصافی دادند بیت اینست:

شور اشکی بفشار بن مژگاں دارم | طعنہ بر بی سر و سامانی طوفاں زدہ

تحت شبہت افگندند کہ کسرۂ زدہ مضاف الیہ میجوید، چوں جواب یافتند کہ زدہ را کسرۂ اضافی نیست۔ یای وحدتست و بس، بخود فرو رفتند و گفتند زدہ جز بمعنی مفعول نیامدہ، و اینجا مفعول واقع شدہ۔ چوں جواب ایں ایراد در مثنوئیکہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد، بشرح و بسط مرقوم گشتہ ایراد آں دریں محل فضول دانستم، بر جادۂ مدعا باز آمدم۔ بندگی ہم ازاں گروہ پیش نواب سید علی اکبر خاں رفت، و گلہ آغاز کرد کہ اسداللہ دہلوی کہ از نیاز مندانِ شماست در انجمنہا شوخی میکند، و ادب نگاہ نمی دارد۔ در دعوی ...... و در ختم سبکتاز، در مشاعرۂ ماہمہ را نکوہیدہ۔ مگر ہم دراں صحبتی کہ بیانش گذشت بزبانم گذشتہ بود کہ آدرخ مخاطب صحیحی و پارسی داں مسلم درمیان نیست، تا عیار معترض فراگرفتی و بدرد دل معترض وارسیدی۔ ہم بزرگی کہ شکایتی من بنواب علی اکبر خاں بہادر بردہ بود، ایں کلمہ درد مندانہ را آب و تاب شگرف داد و بپایۂ نکوہش فرود آورد۔ نواب علی اکبر خاں پندم دادند و سرزنشم کردند و گفتند دیکھ اے فلاں، مگر بسخن پروری و شعر گوئی آمدۂ۔ ہشیار کہ رہ دشوار است و رہزن بسیار۔ گفتم چہ کنم تا ملامت را سزاوار نباشم، گفتم (گفتند[1]) دعوی بگذار و با ہمگناں بساز۔ گفتم دعوی گذاشتم۔ اما بساختن ندانم کہ چہ میخواہد۔ گفتند بہ خیرۂ بمعذرت بشتاب، تا دل خلق از تو نرمد۔ گفتم طریق پوزش ندیدم ندانم عذر خواہی ہم بفرمائید۔ گفتند فصلی در عذر بنویس، و آں ورق را بمن بفرست، تا بحضرات بنمایم و زنگ ملال از مرآت قلوب بزدایم۔ چوں سخن از تہ دل بود، ہم بدل فرو رفت۔ مثنوی گفتم و آں را آشتی نامہ نام نہادم و بخدمت ناصح محسن مدظلہ العالی فرستادم[2]۔

---

[1] "باد مخالف" یہ مشہور ہے کہ جب مرزا نے یہ مثنوی پڑھی تو اس کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ اور یہ فقرہ چست کیا گیا کہ "یکے از صلحا
باد مخالف در شکم پیچید" (سعدی) (ر۔ش)

[1] اصل: "گفتند" ہی کا مستقاضی ہے۔ (ر۔ش) [2] کلیات میں بنام "باد مخالف" یہ مثنوی اس خط کے آخر میں مندرج ہے۔

(۲) جوہر جان عزای فدای خاک پای حضرت قبلہ گاہی ولینعمی باد مدظلہ العالی۔ یکم جمادی الثانی روز یکشنبہ کودک بارو ستاں وقیدی بزندان وغالب ستہام بوطن رسیدند۔ نداند کہ کوتہ قلمی از کمتر منقبت است، بلکہ اندیشہ در کمین آں بود کہ بعد رفع کسل و درستی حواس نقد حرف ودر آمیزی بپای نگاہ حضرت قبلہ گاہی نشاندہ شود۔ خدا یگانہ، حال دادگاہ دہلی این ست کہ آنجا روز مردم از چشم بیوفایان سیاہ تر حاکم معزول معتکف زاویہ خمول و فرماندہ حال لاابالی و مزلج ...... نہ او را دست کشادہ ونہ این را استقلال تمام دادہ، آں با عادۂ جاہ امیدوار و این را از بیم سرعت زوال دولت حال پریشانی، ہرچہ ازیں عالمست خاصاں را نگہبانست و عاملاں را زیاں، ورنہ سر این رشتہ بر ہیچکس پدیدار نیست۔ بالجملہ.... عقدۂ کار بدست کس نیست۔ آوازۂ آمد آمد والا بالانشین دل میداد و پشتی گرم میکرد۔ اکنوں شنیدہ ..... کہ پیشتازان قافلہ را کہ تا بنارس رسیدہ بودند، فرمان رجعت رسید، ہمگناں برگشتند و بپای تخت رفتند و نہفت .... بسال دگر افتاد۔ من بندہ کہ درینجا رسیدم ہرزہ ہر سو دویدم و فرماندہاں را دیدم، قصیدہ بخدمت مسٹر فرانسس ہاکنس گذشت و مطبوع طبع نکتہ دانش گشت۔ انجمنیاں (مشکوک) با من حکایت کردند کہ این داور فریدوں فر تا امروز بہیچ یک از اعیان دہلی التفات و اختلاط نکردہ، آری، خلاف واقع نیست، چہ روز نخستین ملازمت تا یک ساعت بخوی ما (مشکوک) بخواندن قصیدہ و پرسیدن اخبار کلکتہ و بازجستن وجہ تظلم ملتفت ماند۔ مختصر مفید، بزعم خویشتن سخن فہم است۔ چہ خوش بودی، اگر محقق معاملہ فہم و داد شناس نیز بودی۔ ندانم طالع چہ در سر دارد، در ماہ اپریل ۱۸۲۹ء رپورٹ مقدمہ من از دہلی بصدر رسید، و ہمدراں ماہ جوابش صادر گردید۔ اتفاق چناں افتاد کہ رسیدن حکم صدر و ہنگامہ معزولی حاکم و پریشانی شیرازۂ اوراق دفتر ہمہ در یک جزو زماں واقع شد۔ رمیدگی بخت من دراں پراگندگی خاص ہماں صفحہ را بی نام و نشاں ساختہ کہ طراز کامیابی غالب بیہ رو نداشت۔ اہل دفتر بفرمان داور دفترہا جستند و در تہہا گردانیدند و آں ورق دست بہم نداد۔ صاحب سکرتر رسیدنش دہلی بمن میگفت کہ حالیا درین مقدمہ بعد رشتہ ایم ذشناسی[1] (مشکوک) آں حکم از صدر طلبیدہ .... تا وقت کار در رسد و گم گردیدہ فراز آید۔ اینست خلاصۂ پراگندگیہای حال غالب شوریدہ بخت کہ بدامان نامۂ ہذا از برگ خامہ ریختہ آمد۔ نخستین برقیکہ بہجر و درد و برنظارہ ریخت۔ مشاہدۂ روش ماند و بود برادر بود سلمہ اللہ تعالیٰ کہ از شدت ملالت۔ رسیدہ و ہر قطرۂ خوں در تنش از جوش سودا سویدا گردیدہ۔ حالیکہ بیدا نشاں او را صحیح خیال کردہ بودند، حاشا کہ افاقت بودہ باشد۔ ہمانا کہ زنگی از فنون جنون بود۔ عبارت نثر پیش ازیں در صحیفۂ حقیر تحریر یوفت اندیشہ میسنجید اگر ایں حال زائل گردد، و مرض بصحت مبدل شود چہ شگفت[2]، وا بیدوں کہ حالت ظاہری مرض خبر میدہد و فطرت شفای بیمار دائمی پذیرد[2] (مشکوک) بعین الیقین دانستہ ام کہ مرزا یوسف تا خواہد زیست، بیمار خواہد بود و بس۔ دیگر دودی کہ از رہگذار اندیشہ برخاست، معاملہ تب و تاب ہنگامۂ بیدلی حکایتست، چنانکہ در ..... صحیفہ معروض شد، دامن برمن کہ بخت مرا بہ یار ہای خوش آب و ہوای ایران نرسانید۔ بی آب آتشکدہ ہای یزد[3] ..... و خوردہ .... میخانہای شیراز۔ گرفتم کہ بداں بہارستان نرسیدم جنت البلاد بنگالہ چہ کم بود کہ بالش بدیں خار زار آمد ..... مردہ پر شکوہ دریں غولستان آرمید۔ وللہ در قائلہ[4]

غالب چوں زیں دامگہ بدر جستم من — آخر ز چہ بود این چنیں برگشتن

باید کہ کنم ہزار نفریں بر خویش — اما بزبان جادۂ راہ وطن

قبلہ گاہا، چوں ہنوز از کثرت آشوب پریشانی نگارش عریضہ بخدمت نواب ہمایوں القاب و دیگر احباب نیفتادہ امید کہ رسیدن این عریضہ بر یاران مجہول ماند تا بشکنجۂ شکایتم نکشند۔ زیادہ حد ادب بعزیزاں او جب رسیدہ باد۔ معروضہ پانزدہم جمادی الثانی ۱۲۳۵ ہجری۔ (مطبوعہ ماہ نو۔ فروری ۱۹۶۵ء)

---

[1] غالباً شنی بینی کاپی۔ [2] یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (ر۔خ) [3] اس سلسلے میں "کلیات فارسی" کے یہ دو اشعار دلچسپی سے خالی نہیں۔

غالب از خاک کدورت خیز ہندم دل گرفت — اصفہان ہی یزد ہی شیراز ہی تبریز ہی

غالب از آب و ہوائے ہند بسمل گشت نطق — خیز تا خود را بہ اصفاہان و تبریز افگنم

[4] وللہ من قد قال (؟) ملاحظہ ہو مثنوی "ابر گہربار"

(ماہ نو، کراچی۔ جنوری، فروری ۱۹۶۹ء)

غالب نے
اُردو میں خط و کتابت کب سے شروع کی؟

غالب نے اُردو میں خط و کتابت کب سے شروع کی؟ اس سوال کا جواب سب سے پہلے حالی کی "یادگارِ غالب" میں تلاش کرنا چاہیے۔ حالی لکھتے ہیں:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ۱۸۵۰ء تک ہمیشہ فارسی میں خط و کتابت کرتے تھے۔ مگر سنہ مذکور میں جب کہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیے گئے اور ہمہ تن مہرِ نیم روز کے لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ اُس وقت بہ ضرورت اُن کو اُردو میں خط و کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثر اور اکثر فارسی خطوط جن میں قوتِ متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے، نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب اُن کی ہمت مہرِ نیم روز کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی، ضرور ہے کہ اُس وقت اُن کو فارسی زبان میں خط و کتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرزِ خاص میں شاق ہوتی ہوگی۔ اس لئے قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے غالباً ۱۸۵۰ء کے بعد سے اُردو زبان میں خط لکھنے شروع کیے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ 'زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہ رہی'۔"[1]

حالی نے غالب کا جو قول نقل کیا ہے، وہ غدر کے بعد کا ہے اور اس سے صرف اسی قدر

---

[1] غالب کا قول ایک خط سے ماخوذ ہے جو شاکر کے نام عودِ ہندی میں ہے۔ اس خط پر کوئی تاریخ ثبت نہیں لیکن شاکر غالباً غدر کے بعد غالب کے شاگرد ہوئے ہیں، اور اس خط میں 'شدتِ نسیان' اور 'جاں کنی کے خیالات' کا ذکر ہے۔ یہ باتیں غدر کے بعد کی ہیں۔

ثابت ہوتا ہے کہ ضعف پیری کی وجہ سے غالب نے فارسی میں خط لکھنا ترک کر دیا تھا۔ اردو میں پہلے پہل کب خط لکھا اور کیوں لکھا اس کے متعلق کسی نتیجے پر پہنچنے میں اس سے مطلق مدد نہیں ملتی۔ حالی کا یہ دعوی کہ اردو میں خط لکھنا اسی وقت شروع کیا جب وہ مہر نیم روز کی تصنیف میں مصروف تھے محض قیاس پر مبنی ہے اور کوئی ایسی روایت جو اس کی مؤید ہو موجود نہیں۔ اس سے قطع نظر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بظاہر مہر نیم روز کی تصنیف اواسط ۱۸۵۰ء سے شروع ہوئی تو حالی نے یہ کیوں لکھا کہ غالب غالباً ۱۸۵۰ء کے بعد سے اردو میں خط لکھنے لگے ہیں۔ یہ سوال بھی جواب طلب ہے کہ حالی کی "ہمیشہ" سے کیا مراد ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ۱۸۵۰ء تک غالب نے کبھی اردو میں خط لکھا ہی نہیں، یا ان کا یہ مطلب ہے کہ عموماً فارسی میں لیکن کبھی کبھی اردو میں بھی لکھا کرتے تھے۔ حالی نے یادگار غالب میں ایک جگہ "ہمیشہ" کو "عموماً" کے معنی میں استعمال کیا ہے، لیکن اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس موقع پر بھی ان کا یہی مطلب ہو۔ ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے۔ اقتباس بالا میں شاید ہی کوئی بات حالی نے قطعی طور پر کہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے "غالباً"، "قیاس چاہتا ہے" اور اس قسم کے دوسرے الفاظ جا بجا ملتے ہیں۔

غلام رسول صاحب مہر کی رائے ہے "غالب ۱۸۵۰ء سے قبل اردو میں خط و کتابت شروع کر چکے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں اردو نثر کو اہل علم بلند پایہ نہیں دیتے تھے۔ اس لئے وہ خط محفوظ نہ رہ سکے۔ لیکن جیسے جیسے اردو کا رواج بڑھتا گیا اور فارسی کا رواج کم ہوتا گیا؛

ے۱ مہر نیم روز ۔ کلیات نثر غالب طبع اول ص ۱۳۲

ے۲ "ان کے گھر میں کتاب کا کہیں نشان نہ تھا۔ ہمیشہ کرائے کی کتابیں منگوا لیتے تھے اور ان کو دیکھ کر واپس کر دیتے تھے" یادگار غالب شائع کردہ دائرۂ ادبیہ ص ۱۶۵؛ اسی کتاب میں ص ۱۹ پر "کبھی کوئی کتاب نہیں خریدتے تھے۔ الا ماشاء اللہ"

ے۳ نادر خطوط غالب مرتبہ جناب رسا ہمدانی میں مرتب کے پردادا کرامت کے نام کا ایک خط ہے۔ جناب رسا مقدمۂ نادر خطوط ص ۱۲ تا ۱۵ میں (خط ا کے متعلق) فرماتے ہیں کہ یہ پہلا خط اردو کا ہے (یہ اور کرامت کے نام کے دوسرے خط جعلی ہیں۔ تبصرہ نادر خطوط نوشتہ راقم جنوری ۱۹۴۳ء کے معاصر [illegible] ملاحظہ ہو) بعد کو اپنے ایک مضمون میں جو اپریل ۱۹۴۴ء کے ندیم میں چھپا ہے، بغیر کسی ثبوت کے انہوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ خط جو نیم جنوری ۱۸۵۰ء کا ہے، حالی کی نظر سے گزرا تھا؛ اور حالی نے اسی کو دیکھ کر یادگار غالب میں تحریر کیا تھا کہ اردو میں خط و کتابت ۱۸۵۰ء کے بعد سے شروع ہوئی۔

ے۴ طبع ثانی میں مہر صاحب نے اپنی رائے میں ترمیم کی ہے

غالب کی خط و کتابت فارسی کے بجائے اردو میں زیادہ ہوتی گئی" (غالب طبع اول ص۳۰)
انھوں نے اردو کے ایک خط کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کے بقول یکم دسمبر ۱۸۴۵ء کے کچھ بعد لکھا گیا ہے۔ مہر صاحب حالی کے اس نظریے کو کہ مہر نیم روز کی تصنیف میں مصروفیت اردو میں خط و کتابت شروع کرنے کا باعث ہوئی تسلیم نہیں کرتے۔ مہر نیم روز کوئی ضخیم کتاب نہیں اور کئی سال کی مدت میں لکھی گئی ہے۔ غالب کے فارسی خطوط اردو کے خطوط کی طرح تکلفات سے عموماً آزاد ہیں، اور ان کے لکھنے میں زیادہ کاوش نہیں کی گئی۔ اس کتاب کی تصنیف غالب سے "قادر الکلام اور مشاق نثر نگار" کو فارسی خط لکھنے سے مانع نہیں ہو سکتی۔ ص۳۷ و ص۳۰۔

امتیاز علی خاں صاحب عرشی اسے ناممکن نہیں سمجھتے کہ غالب نے ۱۸۵۰ء سے قبل بھی اردو میں مراسلت کی ہو، لیکن وہ اس کے قائل نہیں کہ اس سنہ سے قبل کا کوئی اردو خط موجود ہے۔ یہ امکان بھی محض فلسفیانہ امکان ہے، ورنہ ان کا اصلی خیال[1] یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ۱۸۵۰ء سے پہلے اردو میں کوئی خط لکھا ہی نہیں۔ مہر نیم روز کے معاملے میں وہ حالی کے ہم نوا ہیں۔ (دیباچہ مکاتیب غالب طبع ثانی ص۱۳۸ و ص۱۴۵)۔

بینی پرشاد صاحب نے کوئی رائے ظاہر نہیں کی، لیکن انھوں نے ایک خط کا زمانۂ تحریر اگست ۱۸۴۵ء متعین کیا ہے (خطوط غالب ص۲)۔

سوال زیر بحث کا تشفی بخش جواب حاصل کرنے کے لئے غالب کی زندگی کو تین[3] ادوار میں تقسیم کرنا مناسب ہوگا:۔

۱۔ تقریباً ۱۸۴۷ء تک — غالب نے دو ایک جگہ فخریہ کہا ہے کہ میری زبان فارسی ہے مگر یہ ان کا اصلی خیال نہیں۔ فارسی سے ان کا تعلق کس قسم کا ہے اس کے بارے میں ان کی حقیقی رائے قاطع برہان میں ملتی ہے:۔

"نیاز مے آرم و پوزش مے گسترم تا مردم نہ گویند کہ خود ہندوستان زا بود ند

---

[1] دیباچہ ص۱۴۵ "۱۸۵۰ء ... تک ... میرزا صاحب تقریباً اسی زبان (یعنی فارسی) میں ... خامہ فرسائی کرتے تھے" "تقریباً" سے عرشی صاحب کی کیا مراد ہے؟

[2] تقریظ گلشن بے خار و نامۂ غالب

ہندوستان زبان دیگرا...... مسلم نداشتن و خود یلم پندار زبان دانی افراشتن چہ معنی دارد۔ گویم کہ نیاے من از ماوراء النہر بود و پدرم در دہلی بیکر پذیرفت و من در آگرہ منشور ہستی یافتم، حاشا کہ خود را از اہل زبان گیرم۔ زبان دانی من بہ فرہ سہ فرزدۂ خدا آفرید دست گوہر ازل آورد ست" (قاطع طبع ثانی صفحہ ۱۳۱)۔

فارسی غالب کی مادری زبان نہ تھی، اسے انھوں نے استاد ہی سے سیکھا تھا۔ اپنی تعلیم کے ابتدائی زمانے میں وہ لکھنا پڑھنا جاننے پر بھی فارسی سے ناواقف رہے ہوں گے، اور ایسا زمانہ بھی ہوگا جب وہ فارسی اتنی کم جانتے ہوں کہ اس زبان میں خط نہ لکھ سکتے ہوں۔ اس زمانے کا کوئی خط موجود نہیں اور نہ اس کی شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی کو خط لکھا، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ خط لکھے ہوں اور وہ اردو میں ہوں۔ غالب نے شعر بھی پہلے اردو میں کہے ہیں، پھر فارسی میں۔

۲- اواسط ۵۰ء تک

اس دور میں غالب نے رفتہ رفتہ فارسی پر قدرت حاصل کی، اور کچھ مدت کی مشق کے بعد صاحب طرز انشا پرداز قرار پائے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس دور کے آخر میں غالب کی عمر ۵۰ سے اوپر تھی، اور ان کے قوائے جسمانی کا انحطاط شروع ہو چکا تھا۔ زمانے کی روش کے مطابق غالب نے عموماً فارسی میں خط لکھے ہوں گے، لیکن کبھی کبھی اردو میں لکھنے کی بھی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ اس کی دو وجہیں ہیں:۔

(۱) غالب سے سروکار رکھنے والوں میں ایسے لوگ جو لکھنا پڑھنا جاننے کے باوجود فارسی سے بالکل ناواقف ہوں یا اس سے کافی واقفیت نہ رکھتے ہوں ضرور ہوں گے، اور وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں سے مراسلت بھی ہوئی ہوگی۔ انھیں فارسی میں خط لکھنے کے معنی یہ ہوتے کہ خواہ مخواہ ترجمہ کرانے کی زحمت دی جائے۔ ناچار اردو ہی میں خط لکھنا پڑا ہوگا۔ اسی طرح کبھی کبھی ناخواندہ لوگوں کو بھی خط لکھنے کی ضرورت پڑی ہوگی، اور انھیں بھی فارسی کی جگہ اردو میں خط لکھا ہوگا۔ غالب کی زوجہ امراؤ بیگم[1] گمان غالب ہے کہ ناخواندہ ہوں۔ بنارس و کلکتہ سے جو خط غالب نے انھیں

---

[1] ایسی شریف خواتین جو بالکل پڑھی لکھی نہیں یا صرف قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں اب بھی موجود ہیں، اور غالب کے زمانے میں آج کل کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوں گی۔ غالب رام پور سے غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں "یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو۔ تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمہاری استانی جی کو لکھتا ہوں۔ کیا تم سے اتنا نہیں ہوتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سناؤ" (خط نمبر ۱۳) خط پڑھ کر سنا دینے کی ہدایت خط نمبر ۱۱ و ۱۹ میں بھی ہے۔ ثاقب کے نام کے

(بقیہ صفحہ ۳۶ پر دیکھیے)

بھیجے تھے، اور جن کا ذکر چھجمل[1] کے نام کے خطوں میں ہے، وہ کس زبان میں ہوں گے؟

(۲) پنج آہنگ کے ڈیڑھ دو سو خطوں میں بہت کم خط ایسے ہیں جن میں غالب نے انشاپردازی کا کمال دکھانے کی کوشش نہ کی ہو۔ ایسے خط محنت، بردباری اور جگر کاوی کے بغیر نہیں لکھے جاسکتے۔ کم از کم غالب کے لئے یہ ممکن نہ تھا اور اس کا خود انھیں اعتراف ہے۔ (خط بہ نام شاکر) ان کی زندگی میں ایسے لمحات جب وہ محنت سے گھبراتے ہوں ضرور ہوں گے۔ ایسی صورت میں اگر مراسلت کی ضرورت پیش آئی ہو تو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ یا تو 'سرسری' اور 'عامیانہ'[2] فارسی میں خط لکھیں، یا اردو کو نوازیں۔ پنج آہنگ میں ایسے[3] خط جن میں 'شاعری کا عنصر' کم یا مفقود ہی ضرور ہیں۔ لیکن ایسے خط نہیں جو "قلم سنبھال کر" نہ لکھے گئے ہوں۔ 'سرسری' اور 'عامیانہ' فارسی پر غالب کا اردو کو ترجیح دینا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ اس لئے کہ معمولی فارسی لکھنا اُن کے ادبی شکوہ کے منافی تھا، دوسرے اردو ایسی زبان ہی نہ تھی جس میں کسی کو یہ امید ہو کہ غالب یا کوئی اور شخص انشاپردازی کا کمال دکھا سکے گا۔ غالب حسام الدین حیدر[4] خاں نامی کو لکھتے ہیں:-

"جواب این نامہ سرسری باید نہ پہلوی دوری، واگر خواہم کہ روش بگردانم ہر آئینہ ناموس سخن دری مرا زیاں دارد...... امید کہ ملازمان ز ؟ بندہ خود را دریں گنجائش نہ بسندند" (پنج آہنگ ص۱۱۴ و ص۱۱۵)

(بسلسلہ صفحہ ۷۷) خط ۵ میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ غالب کا یہ عام انداز تھا۔ خط ۱ بہ نام غلام نجف خاں میں یہ عبارت ہے "لڑکے بہ خیر و عافیت ہیں۔ اپنی استانی سے کہہ دینا۔ میرزا شہاب الدین خاں کو دعا۔ نواب ضیاء الدین خاں کو سلام۔ میرا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔" امراؤ بیگم اگر خط پڑھ سکتیں تو اُن کے بارے میں بھی یہ ہوتا کہ خط پڑھوا دینا۔ امراؤ بیگم کے خطوط بہ نام کلب علی خاں خود امراؤ بیگم کے لکھے ہوئے نہیں (دیکھئے ص۔۔۔ کا خط بنام راقم)

[1] پنج آہنگ ص۔۔۔۔۔۔

[2] عود ہندی الہ آباد ص۔۔۔

[3] شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی خطوط ہیں جن کی عبارت بالکل معمولی ہے۔

[4] نامی غالب سے فارسی میں ایک خط کا جواب لکھوانا چاہتے تھے۔ غالب کی طبیعت شاعرانہ نثر لکھنے پر اس وقت مائل نہ تھی انھوں نے بہانہ کر دیا کہ خط اس کا مستحق نہیں کہ اس کا جواب 'پہلوی دوری' میں دیا جائے۔ نثر کے بدلے ۴ رباعیاں بھیجتا ہوں۔ اپنی طرز خاص میں نثر لکھنے سے رباعیاں لکھنے میں زیادہ سہولت نظر آئی ہو گی۔ (عود ہندی صفحہ ۲۲۳)

اردو خطوں اور اردو زبان کے متعلق غالب کی رائے ہے "کوئی رقعہ ایسا ہوگا جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہو" (خطوط غالب ص۳۰) "میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں؟ اس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے؟" (خطوط ص۳۹۱)۔

اس دور کے اواخر میں اختلاط قوی کی وجہ سے اردو خطوں کی تعداد بڑھ گئی ہوگی اس زمانے کی کم از کم دو خط موجود بھی ہیں۔ پہلا خط اردوئے معلی میں ہے مگر اس پر تاریخ ثبت نہیں۔ خطوط غالب (ص۲۰۱) میں مہیش پرشاد صاحب نے داخلی شہادت کی بنا پر اس کا زمانہ تحریر اگست ۱۸۴۵ء بتایا ہے۔ تبصرۂ خطوط غالب میں جو معاصر نے شائع کیا تھا میں نے اس کے متعلق لکھا تھا: "غالب نے دیوان تفتہ کا دیباچہ تحریر کیا تھا تفتہ کو اپنی تعریف امید سے کم نظر آئی، غالب سے شکایت کی تو غالب نے دیباچے کا ایک فقرہ بدل دیا۔ خط اسی امر کی اطلاع ہے۔ اس کا زمانہ مرتب نے اسعد الاخبار آگرہ کے ۲۰ اگست کے پرچے سے متعین کیا ہے" اس لئے کہ اس میں غالب کی تقریظ[۵۱] کا ذکر ہے" ذیل میں اسعد الاخبار[۵۲] کے دو اقتباس اور جناب عرشی کے خط کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے۔ ان سے جو نتائج نکلتے ہیں ان سے مرتب کے بتائے ہوئے زمانے کی قطعی طور پر تغلیط ہوتی ہے:

"(۱) دیوان تفتہ جو اس مطبع میں چھپا ہے ربع سے زیادہ چھپ چکا ہے وہ بھی اس موسم سرما میں انشاء اللہ تعالیٰ تمام ہوگا۔ اس کی ضخامت ۴۵ جزو کے قریب ہے اور قیمت چار روپیہ بعد اختتام کے پانچ ہو جائیں گے۔ اکثر شائقان سخن نے اس کی درخواست مع زر ثمن داخل مطبع کی ہے۔ کیونکہ وہ دیوان عجب فصاحت خیز اور لطف انگیز ہے۔ اکثر اشخاص اس کے طبع ہونے کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے ہیں۔ خصوصاً اسد اللہ خاں غالب دہلوی تو اس کے بہت ثنا خواں ہیں۔ اسعد الاخبار، ۲۰ اگست ۱۸۴۹ء مطابق ۲۹ رمضان ۱۲۶۵ھ"

"(۲) ان دنوں میں دیوان تفتہ سکندر آبادی اس مطبع میں چھپنا شروع ہوا ہے اور یہ وہی دیوان ہے جس کا اشتہار اخبار ہذا میں اواخر ۱۸۴۸ء میں دیا گیا تھا۔ بہ سبب عدیم الفرصتی

---

۵۱ خط میں دیباچے کا ذکر ہے اور پنج آہنگ میں بھی دیباچہ ہی لکھا ہے۔ دیوان میں یہ دیباچہ تقریظ کے نام سے چھپا ہے۔ اگر اس طرف اشارہ کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔

۵۲ یہ اقتباس مرتب نے نقل نہیں کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس میں تقریظ کا ذکر ہی نہیں۔

کے اب تک ملتوی رہا۔ اب اس کی تدبیر کی گئی ہے۔ اسعد الاخبار ۱۰ دسمبر ۱۸۴۸ء مطابق ۲۱ محرم ۱۲۶۵ھ۔

(۳) "تفتہ کے دو[1] دیوان ہیں۔ ان میں سے پہلے کے شروع میں میرزا صاحب کی تقریظ ہے۔ اس کا چھاپا اواخر ۱۲۶۵ھ میں شروع ہوا اور اوائل ۱۲۶۷ھ میں انجام کو پہنچا۔ تقریظ میں تاریخ نہیں دی۔ جس صفحے پر یہ ختم ہوتی ہے اس کی باقی ماندہ جگہ میں "حقیر کا قطعۂ آغاز طباعت ہے جس سے ۱۲۶۵ برآمد ہوتے ہیں"

ان اقتباسات سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:۔

۱۔ دیوان اور اس کی تقریظ غالباً اواخر ۱۸۴۸ء ہی میں صاحب مطبع کے پاس پہنچ گئی تھی، اگر یہ قیاس صحیح ہے تو تقریظ ۱۸۴۸ء یا اس سے بھی قبل کی لکھی ہوئی ہے۔

۲۔ دیوان تفتہ کا چھاپا اوائل ۱۲۶۵ھ (اواخر ۱۸۴۸ء) میں شروع ہو گیا تھا۔ (جناب عرشی[2] نے 'اواخر' سہواً لکھا ہے)۔

۳۔ ۲۰ اگست ۱۸۴۹ء تک ۱۲ جز کے قریب چھپ چکا تھا۔

۴۔ تقریظ آغاز دیوان میں ہے، اور اس کے آخری صفحے میں حقیر کا قطعۂ تاریخ، اس لئے دیوان کا یہ حصہ سب سے پہلے چھپا، اور اس کا زمانۂ انطباع اواخر ۱۸۴۸ء ہے۔

یہ محقق ہو جانے کے بعد کہ تقریظ کا زمانۂ انطباع اواخر ۱۸۴۸ء ہے۔ یہ قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ غالب نے اسے اواخر ۱۸۴۸ء سے بیشتر لکھا ہو گا۔ اس کے بعد یہ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ خط اگست ۱۸۴۹ء میں تحریر ہوا"

عرشی صاحب نے دیباچۂ مکاتیب غالب طبع ثانی میں (صفحہ ۱۴۱ تا صفحہ ۱۴۳) میرے بیان پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور خط زیر بحث کے زمانۂ کتابت کے متعلق بالکل مختلف رائے ظاہر کی ہے۔ عرشی صاحب کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) تقریظ سرورق کے دوسرے رخ سے شروع ہوتی ہے اور سرورق پر مہتمم مطبع نے لکھا ہے:۔

'این نسخہ ... دیوان تفتہ در مطبع اسعد الاخبار ... به اواخر ۱۲۶۵ھ شروع گردیده'

---

[1] دو نہیں، تین[3] دیوان ہیں۔

[2] سہو دراصل کارپردازان مطبع کا ہے۔ رمضان ۱۲۶۵ھ تک ایک ربع چھپ چکا تھا۔ یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس کا چھاپا اواخر ۱۲۶۵ھ میں شروع ہوا؟ تقطیع بڑی تھی، ۴ صفحوں سے زیادہ ایک پتھر میں نہیں آتے ہوں گے۔ ایک ربع ۱۱ جز ہی ہوں تو ۴۴ پتھر کی ضرورت ہوئی ہوگی۔

باوصف انواع موانع وعوائق در اوائل ۱۲۶۶ھ بہ اختتام رسید۔"

(۲) ۲۰ اگست کے اسعدالاخبار میں بظاہر تقریظ ہی کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ غالب کی پسندیدگی کا ذکر پہلی بار اواسط ۱۸۴۹ء میں ہوا، لازماً اس کا اظہار اُسی زمانے میں کیا گیا ہوگا۔ (یعنی یہ کہ تقریظ اسی زمانے کی لکھی ہوئی ہے)۔

(۳) غالب نے ۱۰ فروری ۱۸۴۹ء اور ۲۰ اگست سنۂ مذکور ہی کی درمیانی مدت میں یہ تقریظ لکھی اس لئے کہ ۱۰ فروری ۱۸۴۹ء کو فارسی خط میں غالب نے تفتہ کو لکھا ہے:۔

"ازاں دو ہزار بیت کہ نوشتہ اند کہ در اکبرآباد گفتہ ام، ما ہم در اوراقِ اخبار اکبرآباد غزلے مشاہدہ کردہ ایم ہنوز سخن گفتہ اند و بہ راہے کہ ما سے خواستیم رفتہ اند،"

۱۰ فروری تک غالب نے یہ دو ہزار اشعار نہیں دیکھے تھے۔ غالب اظہار رائے میں بڑے محتاط تھے۔ تفتہ نے اِن اشعار کی اصلاح کے بعد تقریظ کی درخواست کی ہوگی۔

(۴) تقریظ کی ترمیم اواخر ۱۸۵۸ء میں تقریظ کے چھاپے جانے سے کچھ قبل ہوئی۔ غالب اُن زمانے میں زیادہ تر اردو میں خط لکھنے لگے تھے، ترمیم کی اطلاع اردو خط کے ذریعے دی۔

میری گزارش حسب ذیل ہے:۔

(۱) عرشی صاحب نے دیوان تفتہ کے متعلق جو خط مجھے لکھا تھا اس میں سرورق کا حال نہ تھا، ورنہ میں کبھی یہ دعویٰ نہ کرتا کہ تقریظ دیوان سے پہلے اواخر ۱۸۴۸ء میں چھپی تھی۔ سرورق کی عبارت سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تقریظ اواخر ۱۸۵۸ء میں طبع ہوئی، اور اس میں ترمیم اس سے قبل ہو چکی تھی۔ کس قدر قبل؟ اس پر یہ عبارت مطلق روشنی نہیں ڈالتی۔

(۲) دیوان تفتہ کا اشتہار اسعدالاخبار میں پہلی بار اواخر ۱۸۴۸ء میں چھپا تھا۔ میری نظر سے ۱۱ دسمبر ۱۸۴۸ء سے قبل کے پرچے نہیں گزرے، اس لئے مجھے علم نہیں کہ اشتہار اوّل میں غالب کے متعلق کچھ تھا یا نہیں۔ عرشی صاحب ۲۰ اگست ۱۸۴۹ء کے پرچے میں جو اشتہار ہے اس کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے پہلے تقریظ کی طرف اشارہ ہوا ہی نہیں۔ مزید تحقیق سے یہ ثابت بھی ہو جائے جب بھی یہ لازم نہیں کہ تقریظ کے دیکھتے ہی صاحب مطبع نے اس کا ذکر کر دیا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صاحب مطبع کو تقریظ کا علم ۲۰ اگست ۱۸۴۹ء کو یا اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ یہ تقریظ اصلی تھی یا ترمیم شدہ، اشتہار اس کے بارے میں ساکت ہے۔ یہ بھی قطعی نہیں کہ تقریظ ہی کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ قیاس یہی چاہتا ہے۔

(۳) اواخر ۱۸۴۷ء میں دیوان کا اشتہار چھپا تھا مگر دیوان اس وقت کس شکل میں تھا اس کا مطلق علم نہیں۔ قیاس چاہتا ہے کہ مکمل ہو، اور اس میں زیادہ[۱] ردو بدل کی گنجایش نہ ہو۔ اس صورت میں یہ دو ہزار اشعار دیوان دوم میں داخل ہوئے ہوں گے۔ اس کے خلاف بھی ہو تو تقریظ ایسی نہیں کہ اس کے لکھنے سے قبل کل کلام کا مطالعہ ضروری ہو۔ تفتہ غالب کے شاگرد تھے، اور غالب اس سے واقف تھے کہ شاعری میں تفتہ کا کیا پایہ ہے۔ تقریظ کیلئے یہ بالکل کافی تھا۔ ذیل میں تقریظ کی وہ عبارت جس کا تعلق کلام تفتہ سے ہے نقل کیجاتی ہے:-

"رہ نوردا بہ رہ گزارے مرغزارے درنظر آوردہ و در بیابانے بخیابانے در آوردہ اند کہ دراں تماشاگاہ تا بہ پویہ نیم گام زند موج سبزہ را جنبد تا بہ کمر رسیدہ، و.... گوشۂ دستار را نگر واز گرانی بارِ گل خمیدہ..... ہمانا رہ گزارے کہ بہ سبزہ زارے انگشت نما شدہ و بیابانے کہ بہ خیابانے روشناس آمدہ ہمیں خالیہ اندودہ سواد مردمک مراد وہمیں ریحاں رقم صحیفۂ مشکیں سواد است کہ در نظر داشتہ ایم و نی (؟) بے نوا را بہ دیباچہ نگاری آں گماشتہ۔ یارب این سخن پیوند دانش مند درفن فرزانگی یگانہ و در آئین یگانگی فرزانہ آسمانِ سخن را ماہ، دوعتہ امنشی ہرگوپال تفتہ کہ ایں فہرست گنج خانۂ راز رقم کردۂ اوست و ایں مجموعۂ سوز و گداز فراہم آوردۂ او، چہ مایہ دیدہ و دل بہ ہم آمیختہ باشد تا ایں نقش بدیع انگیختہ باشد۔ سخن عشق و عشق سخن کلام حسن و حسن کلام را بہ یک دگر سرشتہ تا چار آخشیج ہستی شیوا بیانی سرانجام یافت کہ از گرمی نفس و تشنگی جگر کہ در حق بہ سخن داشت بہ مناسبت برشتگی حسن گفتار تفتہ نام یافت۔ واو اشناسان شناسند و اندازہ داناں دانند کہ باآں کہ خامہ در کف سخن ور از فراوانی آز و ورزش سخن لاابالی پوے و بے پروا خرام است، سخن بہ نغزی و خوبی و روانی در نفس خویش تمام است........ لاجرم باچنیں دم گرم کہ ہیچ گہ ولش راز گفتار مہر دہ وا روسیدہ است سے سخن تفتہ از خود رفتہ در سخن ہائے آمدہ ہم آوردہ دادہ۔ زیں بیش گزاردن حق ستایش خوبی سخن بہ دیدہ وراں سے گزارم۔" پنج آہنگ صـ۳۹و۴۰[۲]

تعریف یا تو بہت عام لفظوں میں ہے یا ایسی ہے کہ تفتہ کا کلام اس کا بالکل مستحق نہیں۔ غالب یہی الفاظ ہر اس شاعر کے لئے جسے وہ ناراض نہ کرنا چاہتے ہوں استعمال کر سکتے تھے۔ اظہار رائے

۱؎ متفرقات سے بحث نہیں۔ ۲؎ پنج آہنگ اشاعت اول کسی صاحب کے پاس ہو تو براہ مہربانی بتائیں کہ دیوان تفتہ کا دیباچہ اس میں ہے یا نہیں۔

ہیں، بڑے محتاط ہونے سے اگر عرشی صاحب کا یہ مطلب ہے کہ غالب "جچی تلی" بے لاگ رائے ظاہر کیا کرتے تھے، تو اس سے اختلاف کی بہت کچھ گنجائش ہے۔ جہاں تک معاصرین کا تعلق ہے اُن کی ناقدانہ رائیں زیادہ تر مصلحتِ وقت کی تابع نظر آتی ہیں۔ مثالیں بہت دی جا سکتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے صرف چند پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔

حیا کے متعلق لکھا ہے۔ "سخنش والے زندگی بنمائے کلام الملوک ملوک الکلام است و

نگرش والا ز رخشندگی فروغ جوہر الہام" پنج آہنگ ص ۳۰

امیر حسن خاں بسمل کو "خاقانی بابیہ" کہہ کر مخاطب کیا ہے " ص ۹۹

قتیل کی شاعری کے متعلق لکھا ہے۔ "امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو

سرحدِ کمال کو پہنچایا ہے" خطوط غالب ص ۱۵۲

شفق۔ ہاشمی اور عسکری کی شاعری۔ "متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز

کو آسمان پر لے گئے ہیں۔ ایضاً ص ۱۵۲

(۴) عرشی صاحب کی رائے میں تقریظ کی ترمیم اواخر ۱۸۵۰ء میں تقریظ کے چھپ جانے سے کچھ قبل ہوئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تقریظ اگست ۱۸۴۹ء میں یا اس سے بھی کچھ پہلے تفتہ کے پاس پہنچ گئی، اور باوجود اس کے کہ وہ اس سے مطمئن نہ تھی، انھوں نے اسے بعض احباب کو دکھا بھی دیا، لیکن غالب سے ترمیم کی درخواست برس ڈیڑھ برس کے بعد کی۔ عرشی صاحب کے پاس اس کا ثبوت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خط جس میں ترمیم کا ذکر ہے اردو میں ہے اور یہ رائے کہ غالب ۱۸۵۰ء سے قبل اردو میں خط نہیں لکھتے تھے پہلے ہی قائم کر لی گئی تھی، خط زیر بحث کا زمانہ تحریر ۱۸۵۰ء سے قبل قرار نہ دینا ناگزیر تھا۔ ترمیم جیسا کہ خود غالب نے لکھا ہے بہت کم تھی۔ غالب نے صرف ایک فقرہ بدل دیا تھا۔ میرے لئے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ تقریظ کی ترمیم اس کی تصنیف کے برس ڈیڑھ برس بعد ہوئی۔ میری رائے میں تقریظ کی ترمیم اس کی تصنیف کے کچھ ہی بعد ہوئی، اور اسی زمانے میں خط بھی لکھا گیا۔ یہ زمانہ ۲۰ اگست ۱۸۴۹ء سے قبل ہے لیکن یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کس قدر قبل ہے[1]۔

---

[1] تفتہ کے نام کے خط ۲ (خطوط ص ۲ و ۳) کا زمانہ تحریر مہیش پرشاد صاحب نے اگست ۱۸۵۰ء لکھا ہے۔ میں نے غالب کے ان الفاظ کی بنا پر کہ "جب تمہارا دیوان چھاپا جائے گا یہ قطعہ بھی چھپ جائے گا" یہ رائے ظاہر کی تھی کہ (باقی صفحہ ۲۳۰ دیکھو)

دوسرا خط جواہر سنگھ جوہر خلف لالا بجھمل کے نام کا ہے۔ خطوطِ غالب میں جوہر کے نام سے جو تین خط ہیں ان میں یہ پہلا ہے۔ خط یہ ہے:-

خط تمہارا پہنچا...... قطعے جو تم کو مطلوب تھے اُس (کذا) کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے ہیں تم سے نہیں کر سکتا...... پانچ پانچ اور چار چار روپے اور دو دو روپے کو قطعے مول لئے، اور بنوائے...... دوڑتا پھرا۔ حکیم صاحب پاس کئی بار جا کر حضور والا کا قطعہ لایا۔ اب دوڑ رہا ہے ولیعہد بہادر کے قطعے کے واسطے۔ یقین ہے کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آئے اور بعد اُس قطعے کے آنے کے وہ سب کو یکجا کر کے تمہارے پاس بھیج دے گا۔ مدد میں بھی اُس کی کر رہا ہوں، لیکن اُس نے بڑی مشقت کی...... کیوں صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا...۔"

مہر صاحب نے غالب کے ایک فارسی خط کی مدد سے اس خط کا زمانۂ کتابت ۱۸۴۵ء کے لگ بھگ مقرر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"فارسی مکاتیب میں ایک خط...... جوہر کے نام ہے جس میں...... لنگی کی فرمایش کی ہے۔ اس خط کے آخر میں مطبوعہ پنج آہنگ میں یکم دسمبر ۱۸۴۵ء مطابق چہارم محرم ۱۲۱۵ھ ثبت ہے ہجری اور عیسوی تاریخ میں مطابقت نہیں ہوتی...... کم از کم ایک تاریخ ضرور غلط ہے۔ اگر تاریخ ہجری کو ۱۲۱۵ھ کی بجائے ۱۲۶۱ھ رکھا جائے تو عیسوی تاریخ ۱۸۴۵ء ہونی چاہئے میرا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ان کے اردوئے معلّٰی کے ایک خط میں بھی...... لنگی کا تقاضا موجود ہے...... یہ دونوں خط لازماً ایک دوسرے سے قریب کے زمانے میں لکھے گئے ہوں گے۔"

(غالب طبع اول ص ۳۰۰)

پنج آہنگ غدر سے قبل دو بار طبع ہوئی تھی، لیکن غدر کے بعد کلیاتِ نثر میں شامل کر لی گئی۔ کلیات پہلی بار غالب کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا۔ اس کی پہلی اشاعت میں "آدینہ یکم دسمبر ۱۸۴۵ء چہارم محرم ۱۲۱۵ ہجری" مرقوم ہے۔ ۱۲۱۵ھ دراصل ۱۲۶۵ ہے، اور اس

(سلسلہ صفحہ ۱۸۸ سے) عجب نہیں یہ خط سنہ ء سے پہلے کا ہو۔ عرشی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ قطعہ جس کا ذکر اس خط میں ہے دیوان نسخہ میں موجود ہے، اور سنہ ء کا لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ کیشن پرشاد صاحب کے قول کی صحت میں جو شبہ میں نے ظاہر کیا تھا اس کے لئے کوئی سبب نہیں۔

طرح عیسوی اور ہجری تاریخوں اور سنین میں مطابقت ہو جاتی ہے۔ مہر صاحب نے ۱۲۵۱ھ کلیات کی تیسری اشاعت میں دیکھا ہوگا۔ دونوں سنین کو بدلنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ اُن کا یہ قول کہ فارسی اور اردو خط لازماً ایک دوسرے سے قریب زمانے میں لکھے گئے ہیں البتہ قابلِ قبول ہے۔

عرشی صاحب کی رائے میں خطِ زیرِ بحث کا زمانہ تحریر کیا ہے' اس کا ٹھیک پتا نہیں ملتا اُن کا بیان حسبِ ذیل ہے:-

"پنج آہنگ اور اردوئے معلّٰی میں چھ خط جوہر کے نام پائے جاتے ہیں۔ (انھی کے بعد خطوں کی فہرست دی ہے)...... ان میں سے پہلے اور تیسرے خط میں ساڑھے تین سال' چوتھے اور پانچویں میں آٹھ مہینے اور پانچویں اور چھٹے میں دس سال سے زیادہ کا فرق ہے کم تر مدّت تیسرے اور چوتھے مکتوب کے درمیان ہے جو تین ماہ ہوتی ہے۔ اب مکتوبِ بالا مکتوب... کی اصل عبارت ملاحظہ ہو...... 'کیوں صاحب وہ ہماری ہنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اس ہفتے بھیجوں گا' اس عبارت کا جملہ 'بہت دن ہوئے' غور طلب ہے چونکہ میرزا صاحب کے فارسی خطوط نمبری ۲' اور ۳ میں یہ شکایت کی گئی ہے کہ بہت دنوں سے تمہارا خط نہیں آیا' جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جوہر خطوں کے جواب میں بے تکلف سست تھے اور ان کے نام کے خطوط کے درمیانی تقفے بھی معلوم ہیں۔ لہٰذا کچھ بعید نہیں ہے کہ انھوں نے ہنگی بھیجنے میں ڈیڑھ دو برس گزار دیے ہوں۔

یہاں ایک اور امر قابلِ بیان ہے۔ جہاں تک میں نے جستجو کی ہے باستثنائے نواب فردوس مکاں ایسا کوئی مکتوب الیہ نہیں ہے جس کو میرزا صاحب فارسی میں خط لکھتے ہوں اور پھر فارسی مراسلت کے درمیان میں کوئی اردو خط اُسے لکھا ہو۔ جب وہ کسی سے اردو میں مراسلت شروع کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اُس کو فارسی خط نہیں لکھتے۔ جوہر کے نام ۱۸۵۳ء میں ایک اور اس کے بعد ۱۸۵۴ء میں دو فارسی خط لکھے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ درمیان میں اُردو کا خط کیوں تحریر کیا گیا۔

اِس خط میں میرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہیرا سنگھ نے بڑی کوشش سے بادشاہ کے ہاتھ کے قطعے مہیا کر لئے ہیں۔ اب ولیعہد کے دستخطی قطعات کی فکر میں ہے۔ میں بھی اس کی طرف کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک ولیعہد سے مراد میرزا فتح الملک ہیں جو ۱۸۵۶ء میں دارالجنت کے

انتقال کے بعد دلبھد اور ۱۸۵۰ء میں مرزا صاحب کے شاگرد ہوئے تھے۔ اس لئے ان کے
تخلص قطعوں کی تحصیل میں مرزا صاحب سے مدد دی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر لنگی کے تقاضے والے
اردو خط کو فارسی کے خط مؤرخہ اگست ۱۸۵۳ء کے بعد کا مانتا ہوں اور ایک دو اور
تقاضائی خطوں کو گم شدہ تصور کرتا ہوں" دیباچہ ص۱۲۹ تا ص۱۳۰

میں عرض کر چکا ہوں کہ خط زیر بحث کے زمانۂ تحریر کے متعلق عرشی صاحب کی اصلی رائے کا پتا
نہیں ملتا۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔

عرشی صاحب فرماتے ہیں کہ جوہر نے لنگی بھیجنے میں ڈیڑھ دو برس گزار دیے ہوں گے۔
فارسی خط کی تاریخ تحریر یکم دسمبر ۱۸۴۸ء ہے۔ عرشی صاحب کے بتائے ہوئے حساب سے اردو خط کی
آخری تاریخ ۱۲ مئی ۱۸۵۰ء ہو سکتی ہے، گو اس کا بھی امکان رہتا ہے کہ اس سے مہینوں قبل
لکھا گیا ہو۔ اُن کے اس قول سے کہ غالب اردو خط لکھنے کے بعد فارسی خط نہیں لکھتے یہ نتیجہ نکلتا ہے
اور خود انھوں نے نکالا بھی ہے کہ اردو خط اگست ۱۸۵۳ء والے فارسی خط کے بعد کا ہے۔ آخر
میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ خط اس زمانے کا ہے جب غالب میرزا فتح الملک کے نوکر ہو چکے
تھے۔ یہ مسلّم ہے کہ ملازمت کا زمانہ ۱۸۵۴ء تا ۱۸۵۶ء ہے۔ خط کے زمانۂ کتابت کے متعلق اس
سے جو نتیجہ نکلتا ہے ظاہر ہے، گو خود انھوں نے صراحتہً نہیں لکھا کہ اس حساب سے خط کا زمانۂ تحریر کیا ہے۔

خطوں کے درمیانی وقفے اور جوہر کی کاہل قلمی کی نسبت جو کچھ عرشی صاحب نے لکھا ہے
اس کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خطوں کے درمیانی وقفے محض مطبوعہ خطوں کی مدد سے ثابت
نہیں کیے جا سکتے۔ مطبوعہ مجموعوں میں جو خط ملتے ہیں وہ اُن خطوں کے مقابلے میں جو ضائع ہو گئے
بہت کم ہیں۔ جوہر کے والد غالب کے دوست، خود جوہر[1] اُن کے "عزیز شاگرد" اور "مخصوصین" میں
تھے (یادگار ص۱۰ و ص۳۱) اور مدتوں دہلی سے باہر بھی رہے، غالب نے انھیں بہت
زیادہ خط لکھے ہوں گے۔ ۱۸۴۸ء تا ۱۸۶۴ء کے کل خط ہیں کہاں کہ خطوں کے درمیانی وقفوں کا
صحیح علم ہو سکے اور اس سے کوئی نتیجہ نکالا جا سکے۔ عرشی صاحب کا قول ہے کہ دو خطوں میں بہت

---

[1] جوہر اور سرکش کے حق میں غالب کی رباعی کلیات نظم میں ہے، یادگار میں بھی نقل ہوئی ہے:۔

تا سرکش و جوہر دو سخنور داریم | شان دگر و شوکت دیگر داریم
در میکدہ پیرم کہ سرکش از ماست | در معرکہ تیغیم کہ جوہر داریم

دنوں سے خط نہ آنے کی شکایت ہے۔ ذیل میں دونوں خطوں کی ضروری عبارتیں درج کیجاتی ہیں:۔

(۱) دیر است کہ ما را یاد نہ کردہ اند و ما جگر تشنۂ خود را بزلالِ خبرے کہ از کنارِ نامہ جوشد، راے بہیچ حال تر او تسکین بے دہیم (پنج آہنگ صـ۱۳۰)

(۲) نامۂ شما دیر آمدست تا بمن رسیدہ است، پاسخ جوئے بود، ورنہ دریں روز سیاہ نیز نخستین نامہ دریغ نہ داشتمے (ایضاً صـ۱۳۰ وصـ۱۳۱)

پہلے خط میں جوہر کی شکایت ہے، لیکن دوسرے میں معاملہ برعکس ہے۔ غالب نے خود جواب نہ دینے کی معذرت پیش کی ہے۔ صرف اس بنا پر کہ ایک خط میں غالب نے دیر سے یاد کرنے کی شکایت کی ہے، عرشی صاحب یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ "جوہر جواب میں بے حد سست تھے"۔ غالب نے اپنے لئے بھی وہی 'دیر' کا لفظ استعمال کیا ہے، کیا یہی حکم غالب پر بھی لگایا جا سکتا ہے؟ غالب اس کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے کہ غالب جواب نہ دینے کے معترف ہیں اور جوہر کے بارے ~~اور جوہر کے بارے~~ میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ خط لکھنے میں سبقت نہ کی۔ مزید یہ کہ اگر ایک میں یاد نہ کرنے کی شکایت ہے تو ایک میں جوہر کے متواتر خطوں کا ذکر ہے:۔[۵۱]

نامہ ہائے شما پیہم رسیدہ، پاسخ آں ہا نیز پیہم بہ پدر بزرگوار شما سپردہ شد۔ ایں نامہ کہ امروز مے نگارم و مے خواہم کہ بسبیل ڈاک رواں دارم بہ پاسخ دو صحیفہ باز پسین است نگاشتۂ ۲۲ نومبر و رقم زدۂ ۲۹ نومبر کہ ہر دو بہ ہنگام خویش بمن رسیدہ نخستیں چوں شوقیہ بود جواب نخواہد، دومیں را پاسخ ازیں است (پنج آہنگ صـ۱۲۰)

'بہت دن ہوئے' چند دنوں کے لئے بھی مستعمل ہو سکتا ہے، چند مہینوں کے لئے بھی اور چند برسوں کے لئے بھی۔ مجروح کے نام ایک خط ہے جس میں غالب نے اپنا اور میران صاحب کا اصلی یا فرضی مکالمہ نقل کیا ہے، اس میں یہ الفاظ محض چند دنوں کے لیے آئے ہیں "اس کے (مجروح کے) خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں، وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے" "حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں، خفا کیا ہوں گے؟" خطوط صـ۲۶۹

خط زیر بحث میں کس مدت کے واسطے استعمال ہوا ہے اس کے فیصلے میں وہ خط جس میں لنگی کی فرمایش کی تھی مدد دے سکتا ہے۔ ضروری عبارت یہ ہے:۔

'کلہے از پوست بر دو دوختم، حالیا آں را کرم خورد سرم بے کلاہ ماند۔ اگر چہ کلہ نمے جویم'

---

[۵۱] یہ خط پنج آہنگ میں کہاں چھپا ہے موجود نہیں۔

اما لنگ ابریشمی چناں کہ در پٹنہ در ملتان سازند و اعیانِ آں قلم رو بر سر پیچند......

و غالب کہ در آں دیار ایں چنیں متاع زود و آساں بدست آید؛ بہ جویند و بہم رسانند و سوے

من در ڈاک رواں دارند و قیمت آں برنگارند، تا بہانہ خواہند نوشت نخواہم ستد...

در فرستادن لنگ درنگ و در تنگ زنگاشتن قیمت تکلف نکنند...'' (پنج آہنگ صفحہ ۱۲۰)

غالب کو لنگی کی ضرورت فوری استعمال کے لئے ہے، اسی لئے وہ ایک جگہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ جلد مل جائے گی اور دوسری جگہ جلد بھیجنے کی تاکید کرتے ہیں۔ لنگی کوئی نایاب چیز نہیں۔ غالب قیمت ادا کرنے کو تیار بلکہ اس پر مصر۔ غالب اور جوہر کے تعلقات بزرگانہ اور خوردانہ۔ یقین ہے کہ غالب کا خط ملتے ہی جوہر نے لکھا ہوگا کہ اسی ہفتے بھیجوں گا۔ کسی سبب سے وعدہ ایفا نہ ہوا تو غالب نے یاددہانی کی۔ میرے لئے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ فرمایش اور یاددہانی کے درمیان برس ڈیڑھ برس کا وقفہ ہے۔ چند ہفتے بہت ہیں۔

عرشی صاحب کا یہ نظریہ کہ غالب کسی شخص سے اردو میں خط و کتابت شروع کرنے کے بعد اُسے فارسی خط نہیں لکھتے تھے، غالب کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے قابل قبول نہیں۔ اس قسم کے خود ساختہ قاعدوں کی سختی کے ساتھ پابندی اُن سے بعید ہے۔ یوں بھی بے شمار فارسی خط غائب ہیں، غالب کے عمل کا پتا کیوں کر چلے؟ اس کا اعتراف خود عرشی صاحب کو ہے کہ اس کلیے کا استثنا موجود ہے۔ جہاں ایک مستثنیٰ ہے وہاں ایک اور سہی! غالب جب یوسف علی خاں کو اردو میں خط لکھنے کے بعد فارسی خط لکھ سکتے تھے تو جوہر سے اس طرح مراسلت میں کونسا امر مانع ہو سکتا تھا؟

اب رہا قطعوں کا معاملہ۔ عرشی صاحب کے پاس کون سا ثبوت اس دعوے کا ہے کہ ولیعہد سے مرزا فتح الملک ہی مراد ہیں۔ دارالخلافت دارالحکومت ہے (خم خانۂ جاوید جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) ممکن ہے کہ انہیں کے قطعے کی تلاش ہو۔ مرزا فتح الملک ہوں جب بھی، یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ قطعے کی تلاش غالب کی نوکری کے بعد کا واقعہ ہے۔ میرے نزدیک تو غالب کی اعانت کو کسی خاص قطعے کی تلاش پر محدود کر دینا ہی صحیح نہیں۔ غالب نے اپنی مدد کا ذکر کیا ہے، اس کی تصریح نہیں کی کہ کسی خاص قطعے کے حصول میں مدد دے رہے ہیں۔

میری رائے میں جوہر کے نام کا اردو خط ان کے نام کے فارسی خط مورخہ یکم دسمبر ۱۸۴۸ء کے چند ہفتے بعد کا ہے۔ اس کا امکان بھی ہے کہ چند مہینے بعد کا ہو، لیکن میرے لئے یہ باور کرنا کہ لنگی کی فرمایش یا جوہر کے وعدے اور غالب کی یاددہانی میں پانچ چھ برس کا وقفہ ہے [۵۱]

---

[۵۱] بہ شرط ضرورت معاصرین کی شہادت پیش کی جا سکتی ہے۔

مشکل نہیں ناممکن ہے۔

۳۔ تیسرا دور بادشاہ کی ملازمت یعنی جولائی سنہ ۵۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ مہر نیم روز کی تصنیف کا آغاز اس کے بعد ہی ہوا ہوگا۔ اس کی عبارتیں "قوتِ متخیلہ" کا عمل بہت زیادہ ہے، اور اس کی تصنیف میں مصروفیت ضرور رہی کہ اردو خطوں کی تعداد میں معتدبہ اضافے کا باعث ہوئی ہو۔ رفتہ رفتہ کس طرح فارسی کم اور اردو زیادہ ہوتی گئی اور آخر میں صرف اردو پر انحصار رہ گیا، اس کی تفصیلات کے لئے مکاتیب غالب طبع ثانی کا دیباچہ (ص ۱۴۳ تا ص ۱۴۵) ملاحظہ ہو۔ اس مبحث پر اس سے بہتر بیان میری نظر سے نہیں گزرا، خلاصۂ بحث یہ ہے:۔

(۱) قیاس چاہتا ہے کہ غالب نے فارسی سے پہلے اردو میں خط لکھے ہوں۔

(۲) غالب جس زمانے میں بالعموم فارسی میں مراسلت کرتے تھے، کبھی کبھی اردو میں بھی خط لکھا کرتے تھے۔

(۳) کم از کم دو خط ۱۸۵۰ء سے قبل کے موجود ہیں۔

(مصنف، ستمبر ۱۹۴۲ء)

میر صفیر بلگرامی اور میرزا غالب

میرزا غالب کے دوست، شناسا اور شاگرد بہت تھے، لیکن ان میں سے کم ایسے ہیں جنہوں نے میرزا سے اپنی ملاقات اور ان کی طرز بود وباش کا ذکر تفصیل کے ساتھ لکھا ہو۔ میر فرزند احمد صفیر بلگرامی میرزا کے آخری زمانے میں ان کے شاگرد ہوئے تھے، اور سنہ ۱۲۸۲ ھ میں دہلی جاکر ڈھائی مہینے میرزا کے یہاں رہے تھے۔ صفیر مرحوم نے اپنے تذکرے موسوم بہ جلوۂ خضر میں میرزا سے اپنی ملاقات کا حال بالتفصیل درج کیا ہے، اور شعر اردو اور زبان سے متعلق میرزا نے ان کے سامنے جن خیالات کا اظہار کیا تھا انہیں بھی قلم بند کردیا ہے۔ اس تذکرے کے حصۂ اول کی پہلی جلد سنہ ۱۳۰۲ ھ میں شائع ہوئی، اور دوسری سنہ ۱۳۰۷ ھ میں۔ میرزا کے حالات جلد اول میں صفحہ ۲۱۸ سے ۲۲۸ تک درج ہیں۔ میرزا کے خطوط مومن خاں کے حالات کے ذیل میں نقل کیے ہیں، جو (جلد اول ص ۲۰۵ تا ۲۴۰)۔ دوسری جلد میں پانچ خطوط ہیں جو میرزا نے صفیر مرحوم کو لکھے تھے۔ اس جلد میں اپنے حالات کے ضمن میں قیام دہلی اور میرزا کی اصلاح کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"میں نے حضرت غالب کی ملازمت اور شاگردی کی کیفیت جلد اول ... میں لکھ دی ہے، اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا لکھنا ضرور ہے کہ سنہ ۱۲۸۲ ھ میں محرم کے مہینے میں حضرت کی ملازمت کے لیے دہلی گیا، اور دو ڈھائی مہینے حاضر رہ کر بہت کچھ فائدہ اٹھایا ... اصلاح کی کیفیت یہ تھی کہ حضرت شاگرد کا کلام خود اپنی چشم مبارک سے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے اصلاح دیتے تھے؛ چنانچہ رسالہ فیض صفیر ...

حضرت نے کئی روزوں میں خود اپنی انکھ سے ملاحظہ فرمایا اور جابجا اصلاح دی اور اس کی تقریظ لکھی جو مہر ہندی میں چھپی ہے - اور کلام فارسی و اردو کی اصلاح بھی اکثر ہوا کی ہے" —

میر صفیر مرحوم کے بیان میں بعض باتیں محل نظر معلوم ہوتی ہیں :

(۱) میرزا کا دبیر کو بے مثال قرار دینا اور انیس کا ذکر تک نہ کرنا -

(۲) میرزا کی غذا - اس کے متعلق حالی اور صفیر کے بیان میں بہت فرق ہے —

(۳) فارسی شاعری کی مختلف طرزوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ لفظ بہ لفظ میرزا کے ایک خط سے ماخوذ ہے جو اردوے معلی میں موجود ہے - حیرت کی بات یہ ہے کہ بجلسہ انہیں الفاظ میں خیالات اظہار دوبارہ کیا گیا، اور جو باتیں خط کی تحریر کے وقت یاد نہ آئی تھیں وہ تقریر کے وقت بھی فراموش رہیں - مثلاً ناسخ و آتش کے اشعار —

(۴) میر صفیر مرحوم ناسخ کے شاگرد تھے، لیکن ناسخ سے جو عقیدت انہیں تھی وہ ان سے براہ راست مستفید ہونے والوں میں بھی کسی کو نہ ہوگی - جب وہ ناسخ کے متعلق کچھ لکھتے ہیں، تو قصیدے کا انداز آجاتا ہے - اس لیے یہ بخوبی ممکن ہے کہ لاشعوری طور پر ناسخ کے متعلق کچھ ایسی باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہوں، جو در اصل غالب کی بہ نسبت خود ان کے ذاتی خیالات سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں - اب میر صفیر مرحوم کا بیان ملاحظہ کیجیے —

سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں بندہ سید فرزند احمد صفیر اپنی دوسری شادی کے واسطے بلگرام گیا، اور بعد شادی کے اپنے نانا حضرت صاحب عالم صاحب سجادہ نشین مارہرہ طاب ثراہ کی خدمت میں حاضر ہوا،

رستے میں فرخ آباد پڑا، وہاں جناب ڈپٹی کاب حسین خان بہادر زادہ سے ملاقات کا لطف اٹھایا - جب مارہرے پہنچا اور نانا صاحب کی خدمت سے فیض یاب ہوا، وہاں حضرت غالب کا چرچا اور ان کا ذکر بہت پایا نانا صاحب سے اور ان سے ایک ربط خاص تھا، مگر لطف یہ ہے کہ ملاقات کی نوبت عمر بھر نہ آئی میں نے خواہش کی کہ حضرت غالب کا شاگرد ہوں اور ایک عریضہ مع دو غزل فارسی اور دو غزل ہندی کے مارہرے سے روانہ کیا حضرت غالب نے اس کے آٹھویں دن ایک جلد مثنوی ابر گہر بار اور جواب میرے خط کا مجھے بھیجا - میں نے ایک مخمس قدسی کی غزل پر بہ فرمایش تفضل حسین خاں (جنہوں نے نعت کہنے والوں کا تذکرہ جمع کیا تھا) لکھا تھا اس کو حضرت غالب کے پاس اصلاح کے لیے بھیج کر بلگرام آیا - اور وہاں سے آرے پہنچا، حضرت غالب نے اس مخمس پر ایک جگہ مقطع میں اصلاح دے کر بھیج دیا - جب میں نے بوستان خیال کو اردو کرکے اس کی ایک جلد مطبع عظیم المطابع پٹنہ میں چھپوائی اور اس کا اشتہار بذریعہ اودھ اخبار مشتہر ہوا حضرت غالب نے ایک خط میں اس کی قیمت کے میرے پاس بھیجا، میں نے ایک جلد بھیج دی - اس وقت سے خط و کتابت رہی، یہاں تک کہ حضرت کے اشتیاق نے سنہ ۱۲۸۲ھ میں بے اختیار مجھے آرے سے دہلی جانے کی تحریک کی اور بے شان گمان مارہرے پہنچا اور وہاں سے اپنے منجھلے ماموں حضرت شاہ عالم کے ساتھ مع چند ملازموں کے روانۂ دہلی ہوا - آموں کا موسم تھا نانا صاحب نے اپنے باغ کے آم ایک ٹوکرا بھر کے قریب دو ہزار کے میرے ساتھ کر دیے - میں علی گڈھ سے دہلی روانہ ہوا - دس بجے شب کو دہلی پہنچا - شب جمنا پار لال قلعے کے نیچے بسر کی، صبح کو جامع مسجد کو باہر سے دیکھتا ہوا محلہ بلی ماراں میں حضرت غالب کے پاس پہنچا - حضرت برآمدے میں بیٹھے کلی پی رہے تھے، ماموں صاحب بھی حاضر ہوئے، دیکھ کر بشاش ہوگئے، اس

کے بعد میں سامنے موجود ہوا پوچھا یہ کون ہیں عرض کیا صفدر۔ ماموں صاحب نے کہا میرا بھانجا۔ بولے ذرا ٹھہر جائیے ۔ یہ کہہ کر بدقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر اٹھے اور بغل گیر ہوئے، اور برآمدے سے اندر آکر بیٹھے، گرمی کے دن تھے، صفر کا مہینہ تھا۔ حضرت کا لباس اس وقت یہ تھا، پاجامہ سیاہ بوٹے دار دریس کا، کلی دار، نیمہ سرخ تول کا۔ بدن میں مرزائی، سر کھلا ہوا، رنگ سرخ سفید، منہ پر داڑھی دو انگل کی، آنکھیں بڑی، کان بڑے، قد لمبا، ولایتی صورت، پاؤں کی انگلیاں بہ سبب کثرت شرب کے موٹی ہوکر اینٹھ گئی تھیں، اور یہی سبب تھا۔ کان کی سماعت میں کچھ ثقل آ چلا تھا —

الغرض اندر آکر بیٹھے، بعد مزاج پرسی کے نانا صاحب کو بہت پوچھا اور کہا افسوس کوئی سبب ایسا نہیں ہوتا جو حضرت کی ملازمت کروں، اتنے میں نواب ضیاءالدین خان بھی تشریف لائے، حضرت نے مجھے ان سے ملایا۔ وہ بھی وجیہ آدمی رئیسوں کی وضع پر تھے، کرتا پہلے خلطہ دار پاجامہ، سر پر ٹوپی، جریب ہاتھ میں، بعد اس کے حضرت نے ان سے میرا حال کہا اور فرمایا یہ میری ملاقات کو آرے سے آئے ہیں، اس کے بعد کچھ ان سے سرگوشی ہوئی۔ جب وہ اُٹھ گئے اور دو پہر قریب ہوتی تو حضرت اٹھے اور مجھے اور میرے ماموں کو اپنا تمام مکان دکھایا۔ ہر جگہ کا نشان دیتے جاتے تھے کہ یہ مقام فلاں کام کے لیے اور یہ فلاں کام کے واسطے، آخر زینے کے پاس آے۔ اور چھت پر چلے ہم لوگ بھی ساتھ تھے اوپر جاکر دیکھا تو بہت بڑی چھت تھی اور اس کے کونے پر یک کمرا گلی کے رخ بنا ہوا تھا، لطیفہ :۔ فرمایا میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ یہاں آدھی رات تک دھوپ رہتی ہے یہ کہہ کر ہنسے اور بولے آپ سمجھے، میں نے کہا سمجھا، یعنی گرمی کے دن میں دھلی کی گرمی اور تمازت آفتاب سے در و دیوار اس قدر جلتے ہیں کہ آدھی رات تک ان کی گرمی فرو ہوتی ہے، الغرض پھر کوٹھے کے نیچے آے اور فرمایا اس مکان کے دکھانے سے میرا مطلب یہ تھا کہ میرے مکان میں گنجائش

نہیں اور آپ مہمان عزیز ہیں، اس لیے ضیاءالدین خان صاحب کا
مکان جو جامع مسجد کے قریب ہے، آپ کے واسطے تجویز ہوا ہے، گو تھوڑا سا
دور ہے مگر آرام بہت ملے گا۔ میں نے عرض کی مجھے حضوری ضروری ہے
فرمایا کچھ ایسا دور نہیں ہے، یہ کہہ کر اپنے ایک رفیق کو بلایا اور
میرے ساتھ کیا، اس مکان میں پہنچے، وہ مکان عالی شان تھا ایک
بڑا پھاٹک برسر سڑک تھا، جس پر ایک بنگلہ خوشنما بنا ہوا اس کے
اندر ایک خانہ باغ تر و تازہ، اس کے بعد ایک ایوان عالی شان فرش
وفروش سے آراستہ سجا سجایا، اس کی پشت پر محل سرا دونوں بغلوں
میں کمرے، غرض بہت خوش آب و ہوا مکان ملا، ہم سب ۹ آدمی تھے،
اس مکان کے ایک کونے میں سما گئے۔ الغرض ابھی اچھی طرح سے بیٹھے
بھی نہ تھے کہ پانچ خوان جن پر خوان پوش خوشنما پڑے تھے انہیں
رفیق کے ساتھ آئے، معلوم ہوا کھانا ہے اور ایک خوان میں خوش رنگ
وخوش بو تخمی آم تھے میں نے خیال کیا کہ جب یہ آم خود ایسے ہیں
پھر میرے ساتھ کے آم بھیجنے کے قابل کب ہیں۔ الغرض کھانا کھایا
بہت مزے دار اور خوش گوار تھا، قورمہ، قلیہ، شیر مال، پلاؤ، زردہ،
شیر برنج، متنجن، کباب، پراٹھا سب کچھ تھا، بعد کھانے کے آم جو کھانے
بیٹھا، صورت حرام نظر آئے بالکل کھٹے، میں پورب کے آم کھائے ہوئے تھا،
بڑی نفرت ہوگئی، اپنے ساتھ کے آم نکال کر کھائے اس سے کہیں بہتر پائے،
پھر تو میں نے نصف ٹوکرا حضرت غالب کی خدمت میں بھیجا، وہاں سے تھوڑی
دیر کے بعد ایک رباعی لکھ کر آئی جس کا آخر مصرع مجھے یاد ہے - "کھانا نہ
اسے کہ یہ پرائے ہیں آم" - اور سب آم منگالیے - آم کا شوق حضرت کو
بہت تھا، الغرض شام کو میں پھر حاضر خدمت ہوا، آموں کی بہت تعریف
کی - قریب مغرب میں فرودگاہ پر آیا - صبح کو فیض صفدر رسالہ تذکیر و
تانیث کا لے کر گیا، حضرت نے خود لے کر اسے دیکھا اور بے عینک کے دیکھا
اور چار روز میں تمام رسالہ دیکھ ڈالا اور بہت تعریف کی اور اس
کی تقریظ لکھ کر مجھے دی جو اس رسالے کے ساتھ چھپی ہے، اور صود ملدی

میں بھی موجود ہے، ہر روز کی ملازمت سے طبیعت بہت محظوظ ہوتی رہی ہے —

ایک دن قریب دو پہر کے پلنگڑی پر لیٹے ہوے تھے اور میں قریب پٹی کے حاضر تھا، بولے کہو، حضرت برف کا پانی پیوگے میں نے کہا اگر کوثر کا پانی پیدا ہو تو پلوائیے، ھنسکر بولے ضرور - اور آدمی کو پکار کر کہا کہ فلاں کوئیں سے پانی لے آؤ، میں نے کہا حضور لے برف کا پانی کہا تھا - فرمایا برف ہی کا ہے، غرض پانی آیا، پیا واقعی سرد تھا، فرمایا یہ ایک کلواں ہے جس کا پانی ایسا ہوتا ہے - ایک دن ایک صاحب نے مجھسے پوچھا اور مذہب کو استفسار کیا، میرے ماموں صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا مفہم، اور میری طرف اشارہ کرکے فرمایا مِثّا —

ایک دن مرثیے کا ذکر آگیا فرمانے لگے کہ میں نے بھی ایک مرثیہ شروع کیا تھا، تین بند کہہ کر دیکھا تو واسوخت ہوگیا وہ بند یہ ہیں :-

مرثیۂ فرمودہ حضرت غالب

ہاں اے نفس باد سحر شعلہ فشاں ہو
اے دجلۂ خوں چشم ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قم لب عیسی پہ فغاں ہو
اے ماتمیان شہ معصوم کہاں ہو

بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تاب سخن و طاقت غوغا نہیں ہم کو
ماتم میں شہ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے محابا نہیں ہم کو
گر چرخ بھی جل جاے تو پروا نہیں ہم کو

یہ خرگہ تہہ پایہ جو مدت سے بجا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبہ میں سوا ہے

کچھہ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا
کچھہ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا
کیسا فلک اور مہر جہاں تاب کہاں کا
ہوگا دل بیتاب کسی سوختہ جاں کا

اب تیرہ میں اور برق میں کچھہ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رو سے کہو برق نہیں ہے

پھر فرمایا کہ واقعی یہ حق مرزا 'دبیر' کا ہے، دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اُٹھا سکتا، ایک دن فرمایا کہ آپ کہتے ہوں گے کہ غالب کچھہ اچھی اچھی چیزیں کھاتا ہوگا اور میرے کھانے کے لیے معمولی پلاؤ،

قورمہ، قلیہ، شیر مال وغیرہ بھیج دیتا ہے، آج آپ میرا کھانا دیکھیے
الغرض گیارہ بجے دن کو آپ کا کھانا ایک سینی میں آیا - ایک دستر خوان
بچھایا گیا اس پر ایک چینی کے پیالے میں شوربا اور ایک میں بھرا ہوا
گھی گرم کیا ہوا، اور ایک تانبے کی رکابی میں پاؤ بھر گوشت کی
بوٹیاں اور ایک تانبے کی رکابی میں تین پھلکے روے کے - اور ایک
رکابی تانبے کی خالی، پھر وہ رفیق آکر بیٹھے، انھوں نے پھلکوں کے
کنارے توڑ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیے اور خالی رکابی میں رکھے، پھر ایک
چمچے سے تھوڑا گھی اور شوربہ لے کر ان ٹکڑوں کو ملایا اور خوب ملا کر
حلوے کی طرح بنا کر لقمے کے انداز سے ایک طرف رکابی میں رکھ دیا،
اتنے میں حضرت پلنگڑی سے اُترے اور دستر خوان پر آبیٹھے - پہلے وہ
دونوں لقمے نوش جان فرمائے؛ اس کے بعد آدھا پیالہ شوربا اور آدھا
پیالہ گھی کا پی گئے • البتہ آدھ سیر گھی سے کم نہ ہوگا بعد اس کے
پھلکوں کے دو چھلکے لے کر شوربا ملا ملا کر کھائے اس پر پھر بقیہ گھی اور
شوربا پی لیا - اور کھا چکے - اور فرمایا بس میرا کھانا یہی ہے - شب کو
پاؤ بھر بادام مقشر نمک میں تلوا کر کھا لیتا ہوں —

ایک دن نواب ضیاءالدین خاں نے میری دعوت کی، بہت تکلف
کا کھانا کھلایا، میں ان کھانوں کی تعریف نہیں کرسکتا، بہت دیر تک
باتیں ہوا کیں، ایک دن مولوی صدرالدین صاحب آزردہ کے پاس مجھے
لے گئے - ان کے فیض سے بھی کامیاب ہوا —

ایک دن پھلکے کے میلے میں دس روپے دے کر اپنے عزیزوں کی طرح
مجھے بگھی پر بھیجا - یہ میلا بھی قابل دید تھا، دھلی کا میلہ کیا کہنا
ہے - میں نے دھلی کی سیر خود اختیاری بھی خوب کی - جامع مسجد کو دیکھا -
سبحان اللہ کیا کہنا ہے - تبرکات کی زیارت کی جناب امیر اور حسنین
علیہم السلام کے دست مبارک کے قرآن لکھے ہوئے دیکھے - خط کوفی میں
تھے، چوک کی سیر روز کرتا تھا - بازاروں میں پھرتا تھا، مگر دھلی

عجب مقام ہے، جہاں کسی کو کسی سے کام نہیں، چیزوں کی خریداری کرو، دام پوچھو، چیز لو، دام دو۔ کسی نے کبھی نہ پوچھا کہ تم کون ہو، کہاں کے رہنے والے ہو، خواجہ امان صاحب مترجم بوستان خیال میری ملاقات کو چند بار تشریف لائے اور بہت تپاک سے ملے، دو مرتبہ مشاعروں میں بھی لے گئے، وہاں کی غزلیں میرے دیوان خمخانہ میں چھپی ہیں —

غرض دہلی میں رہ کر خوب سیر کی، خوب لطف اُٹھائے، آخر رمضان سنہ ۱۲۸۲ ہجری تک آرے چلے آئے، جب تک حضرت غالب کے ہوش و حواس درست رہے خط و کتابت جاری رہی، آخر سنہ ۱۲۸۶ ہجری میں انتقال فرمایا —

کلام معجز نظام ان کا فارسی اور اردو ہر جگہ موجود ہے —

مجھ سے اور حضرت غالب علیہ الرحمتہ سے ایک مرتبہ لکھنؤ اور دہلی کی زبان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور سبب اس کا یہ ہوا کہ ان دنوں حضرت اپنے ایک رسالے کا مسودہ اردو زبان کی تحقیق میں لکھوا رہے تھے، جو میں نے اس کے صاف شدہ اجزا ہاتھ میں لے لیے۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا ہاں، اس کو دیکھو یہ ایک چیز میں نے ان دنوں بہ فرمایش ڈائرکٹر صاحب لکھی ہے، اس میں اردو کی مختصر تاریخ اور کچھ قواعد تھے، کوئی پانچ چھ جزو کا رسالہ تھا، جناب ڈائرکٹر صاحب نے مؤلف کے نانا حضرت صاحب عالم کو بھی خط لکھا تھا کہ زبان اردو کی تاریخ اور قواعد میں کوئی کتاب لکھ کر بھیج دیجیے، چنانچہ حضرت نے اس کا اہتمام میرے سپرد کیا تھا۔ مگر میں نے اس کا مسودہ درست کر کے بھیج دیا تھا، پھر خدا جانے کیا ہوا، اسی طرح حضرت غالب کو بھی لکھا تھا، وہ اسی رسالے کو لکھوا رہے تھے، الغرض اسی رسالے کو پڑھنے میں کچھ دہلی و لکھنؤ کی زبان کا ذکر آ گیا۔ فرمایا، میاں اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو زبان کو زبان کر دکھایا تو لکھنؤ نے اور لکھنؤ میں ناسخ نے، ورنہ بولنے کو کون نہیں بول لیتا، اب جس کا جی چاہے

تراش خراش روز کرے، مگر میرے نزدیک وہ تراش خراش کی جگہ ہی نہیں چھوڑ گیا ہے، ہاں قواعد لکھہ نہیں گیا - قواعد جاننے والا اس کے کلام کے مزے پاتا ہے - ہماری دلی ہمیشہ اس بات میں پیچھے رہی کہ مضمون کے آگے زبان کی درستی نہ کی اور مضمون میں بھی عاشقانہ کا زیادہ خیال رہا؛ مگر یاد رہے، اس مضمون میں دلی کے برابر میں کسی کو نہیں سمجھتا،" پھر ہنس کر فرمانے لگے، اس زبان پر اس کے سوا اور ہونا کیا - میں نے بھی ایک طرز خاص ایجاد کیا تھا، جس میں ہر طرح کے مضمون کو نشوونما ہو سکتا تھا، مگر یاروں نے چلنے نہ دیا - اور سچ پوچھو تو یہ ایجاد ناسخ کا ہے، میاں، جب ناسخ کا کلام دھلی میں پہنچا، جیسا تم نے ولی کے دیوان کا حال سنا ہوگا کہ دلی میں آیا تو جیسے نئی چیز پر لوگ گر پڑتے ہیں، اسی طرح اس کے کلام پر گر پڑے، اس وقت فارسی کی شاعری دھلی میں بہت چمکی تھی، مگر اردو کی مداخلت فقط بول چال میں تھی، اس کو مسلسل نظم میں جو دیکھا تو نوخیز اور فارسی داں سب اس کی تقلید پر چلنے لگے، اور ہر ایک نے اپنے اپنے معلومات کے مطابق رہ سپری کی - مگر وہ فقط زبان کو نظم کر دیتا تھا - کچھہ ایسی دقت نہ ہوئی، پھر بھی جتلے لوگوں نے، ادھر توجہ کی، ہر ایک کی ایک نئی طرز ہوگئی - مگر ناسخ کے کلام نے (جس کو علم درکار تھا اور قاعدے کے پرتو پڑتا گیا تھا) دھلی میں آکر سب کو حیران کر دیا - اور قاعدے کے ساتھہ مطلب کا واضح طور سے ادا ہونا، دلوں کو برانگیختہ کرنے لگا، یہاں تک کہ شعرا نے ادھر رغبت کی نگاہ سے دیکھا، اس وقت ہم تین شاعر باملاق نام برآوردہ تھے، میں اور مومن خان اور ذوق، ذوق نے ادھر کم رغبت کی - کیونکہ ان کو اپنے مضمون ہی کے باندھنے میں دقت پڑتی تھی، زبان کی طرف کب خیال کر سکتے ہیں، مگر مومن خان نے خیال کیا - پہلے یہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے - شاہ نصیر کی جو طرز ہے وہ معلوم ہے، مگر مومن خان نے ان کو چھوڑ کر ناسخ کے طرز پر غور کیا اور فارسی کی تراش خراش پر توجہ کی، ادھر میں نے بھی غرض ہم دونوں دھلی کے طرز زبان

کو چھوڑ کر ترکیب اور بندش کی درستی میں مصروف ہوئے ' مگر جب بہت کچھ کہہ گئے تو دیکھا کہ ہم دونوں کی طرز الگ الگ ہو گئی - اور کوئی ناسخ سے نہ ملی - میں نے تو میر تقی میر کا انداز اختیار کیا ' اور مومن خان اپنے اسی رنگ میں رہے ' خلاصہ یہ کہ دہلی کی زبان میں ہر شاعر کے کلام میں اختلاف پاؤ گے اور اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ ناسخ نے جن قاعدوں سے زبان کو درست کیا جس کے سبب سے تمام لکھنؤ کی ایک ہی زبان ' وہ قاعدے عام نہیں ہوئے کہ ہم تک پہنچتے ' ناچار اپنی جودت طبع سے ۔۔۔۔ کچھ ہوا وہ کیا مگر یاد رہے کہ مضمون دہلی کا اور زبان لکھنؤ کی مستند ہے ' ایک تمہارے بحر صاحب فرماتے ہیں —

' نہاتا ہے وہ مہ دریا میں کپڑے جور دھوتی ہے '

" یہ معشوق کی تعریف نہیں ہوئی ' بلکہ ایسا غریب معشوق ہے کہ کپڑے گبات کپڑے دھلواتا ہے - اسی طرح شعرائے لکھنؤ کے اور چند شعر پڑھے ' میں نے عرض کی کہ حضور یہ سب سچ فرمایا مگر اتنا تو خیال کیا جائے کہ شاعر کو مضمون مل جانے اور باندھنے سے کام ہے ' عشق و عاشقی ان کی بلا جانے ' نہ یہ حقیقی عاشق اور نہ ان کا کوئی حقیقی معشوق ' ان کے خیال کو خدا نے ایسی قوت عنایت فرمائی ہے کہ دوسروں کے حالات کو اپنے وہم کے زور سے ایسا باندھ دیتے ہیں کہ ہو بہو ہو جاتا ہے —

ایک حقیقت میں اپنے شعر کی عرض کروں ' میں چھپرے میں ایک دوست کی ملاقات کو گیا ' وہاں چند اشخاص اور بھی بیٹھے تھے دو آدمی الگ کرسیوں پر تھے ' مجھ سے انہوں نے کہا کچھ شعر پڑھیے ' میں نے چند شعر پڑھے ' منجملہ ان کے ایک یہ شعر بھی پڑھا —

کس وقت سے ہم جام ہتھیلی پہ لیے ہیں

لو تھوڑی سی رنجش کو زیادہ نہیں کرتے

اس شعر پر وہ دونوں شخص جو کرسیوں پر تھے ' آپس میں کہنے لگے ' بھئی یہ تو رات کا بالکل واقعہ ہے ' جناب پھر پڑھیے گا میں نے پھر پڑھا ' ان لوگوں نے اس شعر کو لکھ لیا ' اور حقیقت یہ ہے کہ نہ میں شراب

پیوں' اور نہ ایسا شرابی شخص میرے پاس تھا- جس کے واسطے میں شراب جام میں بھر کر یہ کہتا' فقط وہم و خیال کا یہ کھیل ہے- حضور مطلب اس تقریر سے یہ ہے کہ شاعر کے خیال میں جو کچھ آجائے اس کو باندھ دینا چاہیئے- کیا غریب معشوق نہیں ہوسکتا ہر ایک کا معشوق الگ ہوتا ہے- کسی کو گورا پسند ہے' کسی کو سانولا- 'معشوق من است آنکہ بہ نزدیک تو زشت است' کا حال ہے- یہ سن کر حضرت غالب ہنسے اور فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہے' مگر میاں میں نے غزل کو شعرا کے لیے ایک میزان درست کی ہے' وہ یہ ہے کہ فارسی میں رودکی اور فردوسی سے لیکر خاقانی اور سنائی اور انوری وغیرہم تک ایک گروہ ہے' ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے' پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہیں سعدی جامی و ہلالی' یہ اشخاص متعدد ہیں- فغانی ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا' خیالہائے نازک اور معانیء بلند کا- اس شیوے کی تکمیل کی ظہوری' نظیری و عرفی و نوعی نے 'سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑگئی- اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا پرواز دیا' صائب و کلیم' و سلیم و قدسی و شفائی اس زمرے میں ہیں' رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا- اور سعدی کی تحریر نے بہ سبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا- فغانی کا انداز پیدا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے- تو اب طرزیں تین ٹھہریں- خاقانی اس کے اقران' ظہوری اس کے امثال' صائب اس کے نظائر' اب ان میں جس کی طبیعت کو حقانیت کی طرف میلان ہوگیا- جس کو بطاہر عشق مجازی کا زینۂ آخر' اور حقیقی کا زینۂ اول کہہ سکتے ہیں' ان کا کیا پوچھنا- اور جو مجازی میں پورے نکلے' وہ بھی قدم بقدم ٹھہرے اور ان کے بعد کے درجے والے سب حقیقی میں ہیں-

اگرچہ شاعران نغز گفتار زیک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم ورائے شاعری، چیزے دگر ہست
وہ چیز دگر حصے میں پارسیوں کے آئی ہے، ہاں اردو زبان میں
اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے، جیسے میر تقی میر -

بد نام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

سودا - دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار
خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم - قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں
ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

مومن خاں تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے یہاں کثر، آتش کے یہاں بیش تر، یہ تیز نشتر ہیں
مجھے کوئی ان کا شعر اس وقت یاد نہیں، میں نے التماس کیا کہ میں
ان لوگوں کے شعر عرض کروں، فرمایا 'ہاں پڑھو —

ناسخ بھی کہتا ہے جلوہ مرے بت کا
کہ اک ذات خدا ہے، اور میں ہوں

جن کی رفتار کے مائل ہیں ہم
وہی آنکھوں میں پھرا کرتے ہیں

رکھو کسی طرح تو سروکار مہربان
کرتے رہو جفا ہی، وفا گر نہ ہو سکے

مر چلا ہوں امید واری میں
ایسے ہاں سے وہ کرتے کاش نہیں

یہ شعر سن کر حضرت غالب نے فرمایا 'ہاں، ان میں بعض نشتر
ہیں، پھر میں نے آتش کے شعر پڑھے —

آتش - آے بھی لوگ بیٹھے بھی، اٹھے بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

دم آخر بھی بالیں پر مرے ہمراہ یار آے
رقیبوں نے محل رکھا نہ باقی عذر خواہی کا

اس بلاے جاں سے آتش دیکھیے کیوں کر بنے
دل سوا شیشے سے نازک، دل سے نازک خوے دوست

سجدۂ شکر خدایا میں کیے رکھتا ہوں
قدم یار پہ ہے سر کو جھکانا شب وصل

یہ شعر سن کر فرمایا، ان میں بھی بعض -

(رسالہ اردو، جنوری ۳۸ء)

غالب کے خطوط صفیر بلگرامی کے نام

صفیر بلگرامی (۱۲۴۹ تا ۱۳۰۷ھ) غالب کے دوست، صاحب عالم مارہروی کے حقیقی نواسے تھے۔ اُن کی شعرگوئی کا آغاز تو زمانۂ طفلی ہی میں ہو چکا تھا، اور غالب سے تعلق پیدا ہونے کے قبل تین چار استادوں سے اپنے کلام پر اصلاح لے چکے تھے۔ لیکن، جب ۱۲۸۰ھ میں ان کا مارہرہ جانا ہوا تو وہاں انھوں نے "غالب کا چرچا اور اُن کا ذکر بہت پایا"۔[1] انھیں بھی خواہش ہوئی کہ میں غالب کا شاگرد ہوں اور انھوں نے ایک فارسی خط جس میں غالب سے استدعا کی گئی تھی کہ مجھے حلقۂ تلامذہ میں داخل کیجئے۔ کچھ فارسی اردو کلام کے ساتھ مارہرہ سے غالب کی خدمت میں بھیجا۔ خط مذکور کے کچھ عبارات یہ ہیں:

"ورآب و گل ایں مبدل کہ ننگ مذاق ریختہ اند۔۔ از بدو شعور بہ ارث آبائی وہم بہ ہنجار طبع آزمائی با غزل سرائی سرے دارد۔ اما ایں شاہدیست شوخ و شنگ کہ در کنار کساں بشکل جا گرم میکند نہ کہ چون من ناکس ہوسش در سر دارد۔ اینہم خوبیٔ تقدیر اوست چہ کند مجبور است کہ افسردہ اچپند انہ کلام بزرگان خصوصاً جناب غالب معجز بیان یاد دارم۔ بہ نیز حیلہ تا لب بآغوش بیان مے آرم۔ زیادہ ازیں عرصۂ مجال تنگ و حوصلہ فراخ ہنوز در کنار گرفتن با قیمت وحصول ایں مدعا دشوار تا کہ رشک نظیری و کلیم و غیرت صائب و سلیم ظہوری ہنجار نظامی کردار نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ متخلص بہ غالب۔۔ افسونے تازہ نہ برانگیزد و بہ رہنمائی ایں نا بلد۔۔ نہ برخیزد۔ بنا بر اظہار بے استطاعتی خود غزلے چند فارسی و اردو مے رسد با معان نظر دیدہ ایں انگارہ را از رنگ اصلاح جلوۂ تازہ دادہ شود و بعد ازیں ایں گمنام در زمرۂ مستفیداں نگاشتہ آید کہ سر افتخارم بر فلک ساید۔" جلوۂ خضر صفحہ ۲۲۴

اس خط کے ساتھ صفیر کے نانا صاحب نے جو سفارشی نظم و نثر لکھی تھی درج ذیل ہے:

"صاحب عالم غفر اللہ الاعظم سلام و دعا ہا آرزو مند۔ بیائے بے حد و انتہا مے رسانند وایں دوبیت عالیہ میخوانند:

اے لعل ز اشعار تو شرمندہ گہرہم	مشتاق کرا ہاپ و دل اہل ہنر ہم
لخت جگرم ما کہ صفیر است تخلص	خواہد ز تو فیض سخن آں لخت جگر ہم"

غالب نے اس کے جواب میں ایک خط لکھا اور اپنی مثنوی ابر گہربار بھیجی۔ خط جو بہ تاریخ دہم ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ مارہرہ میں ورود ہوا تھا یہ ہے:[1]

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔[2] مجھ کو حضرت پر جبیں فطرت جناب حضرت صاحب عالم سے نسبت اُویسی ہے۔ غائبانہ حاضر کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے۔ آپ کی طرز نگارش لفظاً اور معناً درخشندگی جوہر طبع سے خبر دیتی ہے۔ اگر آپ کی طرف سے استصلاح کا کلمہ درمیان نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا۔ باوجود خواہش خدمت کیونکر بجا لاؤں؟ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری معلومات آپ پر مجہول نہ رہیں۔ [مجموع ایک ورق میں کیوں کر گنجائش پائیں۔ ناگزیر جو اس نظم و نثر میں ہے اس کو عرض کرتا ہوں۔ بشرورآوردن نخل معنی، ورآوردن کافی، شور در سر انگیختن ٹکسال باہر، از سر انگیختن مناسب، نہ برانگیزد و نہ برخیزد فارسی ہند، برخیزد و نینگیزد فارسی عجم۔ بر لفظ زائد اور نون معنی نفی۔ لفظ زائد ما قبل کلمہ چاہیے۔ "نالہ ہا کہ از دل تمر بر زدہ اند"[3] یعنی چہ؟ غیر ذوی الروح بلکہ غیر ذوی العقول کی جمع کی خبر بصیغۂ مفرد رسم ہے۔ پریستان اصل لغت، مخفف اس کا پرستان، پری استعمال نو رسم محض، مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم استعرا رود گی (کذا) سے فخر المتاخرین شیخ علی حزیں تک کسی کے کلام میں پریستان یا پرستان دیکھا نہیں۔

حضرت صاحب قبلہ کی جناب میں میرا سلام عرض کیجیے اور کہیے کہ آپ کا عطوفت نامہ اور ساتھ اس کے چودھری صاحب کا سودہ تا پہنچا۔ دونوں نگارشیں جواب طلب نہ تھیں۔ کل میں نے ایک چھاپے کی کتاب کا پارسل جس کا عنوان سید فرزند احمد صاحب کے نام کا ہے ارسال کیا ہے۔ آپ بھی بہ نظر اصلاح مشاہدہ کیجیے گا۔ ہاں، پیرو مرشد، فارسی کے کلیات کو بھی کبھی آپ دیکھتے ہیں یا نہیں؟ بہ قول انشاء اللہ خاں "یہ مری عمر بھر کی پونجی ہے"۔

جناب سید صفیر فرزند احمد صاحب سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام۔ ابراہیم ہنیار کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور اُن کے اخوان کو اور حضرت مقبول جا ... یہ سلام پہنچے گا اور جناب چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہہ کر یہ فرمائیے گا کہ وہ اپنے عم نامدار اور استاد عالی مقدار کو میرا سلام کہیں۔ زحمت تبلیغ سلام و پیام تقدیم خدمت اصلاح

---

[1] جلوہ ۳ صفحہ ۲۲۹۔

[2] صفیر کے فارسی خط میں ہے "مرا بعرض پا بوسی بزرگان بسر در آورد" جلوہ ۳ صفحہ ۲۲۶۔ [3] "شور سودا از سر بیگانہ" جلوہ ۲ صفحہ ۲۲۴۔ [4] "نالہ ہائے چند کہ از دل غم چہ ند سر زدہ اند" جلوہ ۳ صفحہ ۲۲۴ [1] یہ صفیر کے خط کا جواب ہے۔

کا دست مزد ہے۔ والسّلام، نجات کا طالب، غالب یوم الخمیس ذی الحجہ ۵ ۱۲ مئی سلل حال۔"

صفیر نے اپنے خط کے ساتھ جو کلام اصلاح کے لیے بھیجا تھا اس میں غالب نے حسب ذیل ترمیم کی تھی:

(۱) خیال روئے تو اے قبلۂ نظر کردم — ز دیدنت نظر خویش بہرہ ور کردم
(۲) بلند شد شب ہجراں چو شعلۂ آہم — چراغ ماہ خمش گشتہ بود بر گردم

شعر ۱ میں غالب نے "روئے تو اے" کی جگہ "روئے ترا" بنا دیا تھا اور شعر ۲ کے مصرع ۲ کو اس طرح بدل دیا تھا: "چراغ مہ بہ فلک مُردہ بود بر گردم"۔

صفیر نے مثنوی ابر گہر بار کے شکریے میں ایک فارسی مثنوی صبح اُمید غالب کو بھیجی، غالب نے اُسے اصلاح سے مُزیّن کیا اور خط ذیل صفیر کے نام لکھا:

"مخدوم زادۂ مرتضوی دودماں سعادت و اقبال تواماں مولوی سیّد فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ میں نے استصلاح اشعار میں امتثال امر کیا ہے تو اس واقعے کو یوں سمجھ لیا ہے کہ میں امیر المومنین کا بوڑھا غلام ہوں، امیر نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ میرے سپرد کیا ہے (اور حکم دیا ہے) کہ تو اس کے کلام کو دیکھ لیا کر، ورنہ میں کہاں اور یہ دیانت کہاں؟ (اپنے نانا صاحب کی خدمت میں فقیر کی بندگی عرض کیجیے گا، اگرچہ حضرت میرے ہم عصر ہیں، مگر ان کے آبا کا غلام ہو کر سلام کیا لکھوں؟ مجھ کو ارادت میں ان سے نسبت اُویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنوی نسبت میں چاہیے۔ نجات کا طالب) غالب (یوم الخمیس پنجم ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ ہجری)۔"

اصلاحات اشعار مثنوی صبح اُمید:

(۱) صباحے کہ مستِ مے اندابی بوش — بہ دنبال او خور صبوحی بدوش
(۲) چہ ابرے کہ از دودِ شب زلف ماہ — ز صبح بنا گوش شد پردہ خواہ
(۳) نویسم او در بیاں مثنوی — بہ ہنجار جادو بیان توی

شعر ۱ میں "بدوش" کی جگہ "فروش"، شعر ۲ میں کہ "ماہ" کی جگہ "گزدود گیسوے ماہ" اور "پردہ خواہ" کی جگہ "باج خواہ" اور شعر ۳ کا مصرع ۲ اس طرح: "زبانش پُر از منطق پہلوی"۔

غالب کا تیسرا خط:

نور چشم لخت جگر زبدۂ اولاد پیغمبر حضرت مولوی سیّد فرزند احمد [صاحب] زاد مجدہٗ، اس درویش گوشہ نشیں کی دعا قبول فرمائیں۔ بوستانِ خیال کے ترجمے کا عزم اور دو جلدوں کا منطبع ہو جانا مبارک۔ حضرت یہ آپ کا احسان عظیم ہے۔ مجھ پر خصوصاً اور بالغ نظران ہند پر عموماً۔ [جناب میر ولایت علی صاحب سے بعد ارسال قیمت محصول دو جلدیں مانگی ہیں، خدا کرے وہ یہ پارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقم تمہارے پاس بعد] غالب ۸ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ ہجری

چوتھا خط:

"بہ علاقۂ مہر و محبت نور چشم و سرور دل و بہ رعایت سیادت مخدوم و مطاع مولوی سیّد فرزند احمد طال بقاءہٗ و زاد علاؤہٗ اس مصرع سے میرا مکنون ضمیر دریافت فرمائیں: بندۂ شاہ شمائیم و ثنا خوانِ شما۔ [یا رب، وہ کون بزرگ ہیں کہ سودائی کو معمائی سمجھتے ہیں؟ اصل فطرت میں میرا ذہن تاریخ و معما کے ملائم و مناسب نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں از راہ شوخی طبع گنتی کے عامیانہ معمے لکھے ہیں۔ وہ مبادی کلیات فارسی میں موجود ہیں۔ تاریخیں اگر ہیں تو مادے اوروں کے ہیں اور نظم فقیر کی ہے۔ یہ کلام نہ بہ طریق کسر نفس ہے نہ بسبیل اغراق، سچ کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں۔ اس نامۂ مہر افزا کو دیکھ کر مبادی بوستانِ خیال کی عبارت یاد آئی۔ افسوس ہے کہ اس ہیچ میرز کے اجزائے خطابی اس مسودے کی تسوید کے وقت تک آپ نے نہیں سُنے تھے، ورنہ اس کے کیا معنی کہ خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں اندراج نہ پائیں؟ محمد رضا، برق کا خطاب معلوم تھا تو آپ نے لکھا ہے، حکایت ہے شکایت نہیں ۔۔۔] پہلی جلد جس کا نام افق الخیال ہے اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ جناب میر ولایت علی صاحب کو تاکید رہے کہ جب اس کا چھاپا تمام ہو بے طلب بھیج دیں اور معاقیت لکھ بھیجیں۔ [۔۔۔] اشعار گہر بار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا، سب اچھے ہیں مگر جو میرے دل میں اُتر گئے ہیں وہ تم کو لکھتا ہوں:

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا — ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

[کیوں حضرت! ابھی کچھ کی تحتانی کا دبنا غیر فصیح نہیں؟ کچھ ابھی بات کر نہیں آتی، کیا اس کا نعم البدل نہیں؟]

---

۱ یہ سنہ صریحاً غلط ہے، مراسلت کا آغاز ۱۲۸۰ھ میں ہوا ہے۔ اگر یہ خط ۱۲۸۰ھ کا سمجھا جائے جو قرین قیاس ہے تو تاریخ صحیح نہیں، اس لیے کہ پہلا خط ذی الحجہ کی دسویں کو مارہرہ پہنچا تھا، یہ دوسرا ہے۔

۳ میر ولایت علی اس مطبع کے منتظم تھے جس میں بوستانِ خیال کا ترجمہ طبع ہوا تھا ان کے نام کا ایک خط میں نے رشحاتِ صفیر سے لے کر آثارِ غالب میں درج کیا ہے۔ اس کا لفافہ اب تک کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ میں موجود ہے۔

۴ یہ مصرع حافظ کا ہے۔

۵ اس کے متعلق صفیر نے حاشیے میں لکھا ہے: "۔۔۔ بندہ صفیر نے حضرت غالب کو لکھا تھا کہ پٹنہ کے لوگ آپ کے معما اور چیستان کے مشتاق ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کو معمے میں کامل سنا ہے ۔۔۔" غالب کے معمے کلیات کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں لیکن قلمی نسخوں میں ہیں جن سے تین معمے لے کر میں نے آثارِ غالب میں درج کیے ہیں۔ ۶ ی کے دبنے کے متعلق شعرائے ایران و ہند کے مسالک کا حال راقم کے مضمون نکاتِ سخن سے معلوم ہوگا، جو اردو ادب کے حسرت نمبر میں شائع ہوا ہے۔ خود غالب کے اشعار فارسی و اردو میں ی بکثرت دبتی ہے:

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

درتق ہیں جوشش مضمون گریہ بادل — بہ سان ژالہ ہے ہر نقطہ کتاب میں آب

در قائل:

کبھی ہوں گرم کبھی سرد جیسے تیغ دو دم — صفیر آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

عارفانہ و موحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ:

تم سلامت رہو قیامت تک — صحت و لطف طبع روز افزوں

نجات کا طالب، غالب، شنبہ ذی القعدہ ۱۲۸۱ھ ہجری"

پانچواں خط:

"نورِ چشم و سرورِ دل فرزانہ مرتضوی گہر مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہٗ، اس نسبت عام سے کہ ہم اور آپ مومن ہیں سلام، اور اس نسبت خاص سے کہ آپ میرے دوست روحانی کے فرزند ہیں۔ دعا اور اس نسبت اخص سے کہ آپ میرے خداوندگی اولاد میں سے ہیں بندگی:

میں قائل خدا و نبی و امام ہوں — بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب بسبیل ایجاز لکھا جاتا ہے: دہائی خدا کی مجھے ولایت کی اپیل کی تاب نہیں، نہ تم اپیلانٹ بنو، نہ مجھے رسپانڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ جیبع بہار کی عبارت فارسی ہے یا اردو اور رسالہ کتب فہیہ اس کا کیا ہے۔ (نجات کا طالب) غالب، چہارشنبہ ہفتم ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ ہجری۔

یہ پانچوں خط مرقع فیض اور جلوۂ خضر جلد ۲ دونوں میں ہیں، وہ عبارات جو صرف مرقع میں ہیں، قوسین کے اندر ہیں، اور وہ جو صرف جلوہ میں ہیں قلابین کے اندر ہیں۔ اس کے علاوہ اختلافات یہ ہیں: خط ۳: مرقع: دو رنظر، جلوہ نور چشم۔ خط ۵: مرقع رسپاڈنٹ، جلوہ رسپانڈنٹ۔ مرقع چہارشنبہ، جلوہ چہارشنبہ۔ جلوہ میں کہیں کہیں خط میں عبارات کے بعد نقطے بھی ہیں، یہ بے کار ہیں یا ان سے یہ مراد ہے کہ ان کی جگہ جو الفاظ تھے وہ کسی وجہ سے درج نہیں ہوئے۔ میں تو نہیں کہہ سکتا۔

صفیر نے جلوہ ۱ صفحہ ۲۳۲ میں لکھا ہے کہ جب تک حضرت غالب کے ہوش و حواس درست رہے خط و کتابت جاری رہی۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے صفیر کی زندگی میں ان پانچ خطوں کے علاوہ کوئی خط شائع نہیں ہوا۔ ان کی وفات کے بہت بعد ان کے پوتے جناب سید وصی احمد بلگرامی نے اپنے طویل مقالے، س ش ص میں جو ندیم گیا کے بہار نمبر (بابت ۱۹۲۵ء) میں چھپا تھا، دو خط درج کئے۔ جن میں سے ایک کی نسبت ان کا بیان ہے کہ صفیر نے غالب کو لکھا تھا اور دوسرا اُن کے دعوے کے مطابق غالب کی طرف سے اس کا جواب ہے۔ یہ دونوں خط ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

خط صفیر: "..... (کذا) ملازمت کے وقت میں نے خواجہ فخرالدین صاحب سخن جن کا دادیہال لکھنؤ اور نانیہال دہلی میں ہے اور غدر کے سال میں بہ عمر چاردہ یا پانزدہ سالگی آرہ میں تشریف لائے اور جناب محمد ابراہیم صاحب خلف مرزا احمد صدیق صاحب کی صاحبزادی سے منسوب ہوئے اور مجھ سے تلمذ کیا اور قصہ مسمّٰی بہ سروش سخن[1] جس کو اُن کی رائے سے درست کرنے کا اتفاق ہوا۔ سب حال آپ سے بیان کیا تھا، چوں کہ اس قصے کو چھپنا چاہیے اور لکھنؤ بھیجنا منظور نہیں، اس کے سوا حضور سے بڑھ کر کون ہے؟ اس لئے وہ قصہ بھیجتا ہوں۔ حضور اس کو میری تصنیف سمجھ کر نظر تامل بنائیں کہ بڑا استاد ہے اور طبیعت ان کی اچھی ہے۔ چنانچہ آج ہی ایک غزل میرے پاس بغرض اصلاح کو آئی ہے۔ اس کا ایک شعر میرے دل میں کھب گیا، وہ یہ ہے:

سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر — ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے[2]"

(بقیہ حاشیہ)

عیست در رہروی از سایہ و سرچشمہ گزر — خامہ رہرو بر و سایہ و سرچشمہ دو ماست

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال — ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

[1] مرقع فیض جس میں صفیر اور اُن کے تلامذہ کے تراجم اور منتخب اشعار ہیں ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوا تھا اور اس کے سرورق پر نواب سید تجمل حسین خاں عرف سلطان مرزا المتخلص بہ سلطان شاگرد صفیر کا نام مصنف کی حیثیت سے درج تھا۔ لیکن تنبیہ صفیر بلگرامی میں جو مرقع کا رد ہے سلطان کا ایک خط شامل ہے جس کے مکتوب الیہ ان کے والد ہیں۔ اس خط سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کتاب سلطان نے نہیں لکھی: "میر صفیر صاحب بلا اطلاع غلام (بقیہ دیگر کالم)

(بقیہ حاشیہ) کہ ہرگز دخاشاندری ازاں سلطان نیستم از تصنیف خود با دیگرے از شاگردان خود بنام غلام طبع نمود۔ نزد غلام مع چند نسخہ مرقع فیض آمدہ گفتند کہ آنچہ نوشتہ ام آنرا قبول نمایند۔ بندہ عرض کردم .. باعث بدنامی و توہین من خواہد شد، چراکہ کلام دیگر منسوب بخود نمایم بے حیائیت و یک نسخہ ہم ازاں باوجود اصرار شان ہرگز نزد خود نداشتم" صفحہ ۱۲۷۔ تنبیہ صفیر بلگرامی ایک شخص سردار مرزا متخلص بہ آزاد کی طرف منسوب ہے۔ جناب سید وصی احمد بلگرامی نے س ش ص میں لکھا ہے کہ "جناب سخن نے .. لکھی اور ایک فرضی شخص سردار مرزا کے نام سے شائع کی"۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ خود سخن اس کے مصنف ہیں، لیکن سردار مرزا ایک فرضی شخص نہیں، یہ سخن کے دوستوں میں تھے اور ان کا نام دیوان سخن میں آیا ہے۔ جلوۂ خضر صفیر کی تصنیف ہے۔ جلد ۱ ان کی زندگی میں شائع ہو گئی تھی، جلد ۲ کا حصہ ۱ زیر طبع تھا کہ صفیر کا انتقال ہو گیا۔ اس کا حصہ ۲ لکھا گیا تھا یا نہیں، اس کی خبر نہیں۔

---

[1] سروش سخن فسانۂ عجائب کے جواب میں لکھا گیا تھا اور اس میں سرور پر اعتراض کئے گئے تھے۔

[2] سخن نے غالب کی زندگی ہی میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ غالب میرے نانا ہوتے ہیں اور میں اُن کا شاگرد ہوں۔ تنبیہ صفیر بلگرامی میں ہے کہ "سنبھالا ہوش" سخن نے دہلی ہی میں کہا تھا اور غالب نے اسے سن کر انھیں گلے لگا لیا تھا اور آب دیدہ ہو کر کہا تھا، میری جان، ایسا شعر نہ کہا کرو، ابھی تو ہم نے ہوش بھی نہیں سنبھالا دنیا میں کیا دیکھا بھالا، دیکھو عارف ایسے ہی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جواب غالب: مولوی سید فرزند احمد . . . (کذا) اس پیچ مدان کی دعا پہنچے۔ آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا کہ یہ ستروان برس مجھ جاتا ہے، ہائے

سنین عمر کے ستر ہوئے شمار برس ‏• بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس

نامۂ محبت افزا کو دیکھ کر آنکھوں میں نور دل میں سرور آیا اور قصۂ پرورشِ سخن اس کے دوسرے دن پہنچا . . . (کذا) قصہ دیکھا آپ کے جوہرِ طبع کی لمعانی اور تیز فکری کی درخشانی بہت جگہ پسند آئی، اگرچہ وہ قصہ بچوں کے بہلانے کی کہانی ہے۔ مگر محنت کی گئی ہے، ہاں اگر فسانۂ عجائب کا مقابلہ کیا ہے تو کیا کہوں کہ کیا کہا ہے۔ ابھی دیکھتا ہوں، آئندہ اس کی کیفیت سے اطلاع دی جائے گی . . . (کذا) جا بجا لاچار لکھا ہے . . . (کذا) لاکا لگانا کاتب کی جہالت ہے . . . (کذا) ہائے خدا کی مار کاتبان نابجار پر، میرا دیوان اور پنج آہنگ اور مہر نیم روز ستیاناس کر کے چھوڑ دیا . . . (کذا) تو بس اب میں نواب ضیاء الدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں، تمہارے خط کے جواب نے اتنی دیر تک ان کو چپکا بٹھا رکھا، اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں . . . (کذا)"

جناب قیس۔ وصی احمد، لکھتے ہیں کہ حضرت غالب کے شعر کا جواب صفیر بلگرامی نے یہ بھیجا:

سنا صفیر یہ کہتے ہیں حضرتِ غالب ‏• بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس

مگر یہ چاہتے ہیں اعدا دین کی بدُعا ‏• خدا کرے مرا غالب جئے ہزار برس"

میں نے نادر خطوط غالب کے تبصرے میں جو معاصر پٹنہ میں شائع ہوا تھا، موصوف سے دریافت کیا تھا کہ صفیر و غالب کے خط انھیں کہاں ملے، لیکن، انھوں نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ یہ دونوں خط میری

سخت مگر عمل کر دنیا سے ناشاد گیا، تم بھی زندگی سے بیزار ہو۔ الغرض نہایت خفا ہوئے اور تاکید کی کہ خبردار، اب جو سنوں گا کہ ایسا شعر کہا ہے تو سید، تیری جان اور اپنے ایمان کی قسم صورت سے بیزار ہو جاؤں گا"۔ ص۳۲

۳۳ اس سے یہ ثابت کرنا مدنظر ہے کہ کتاب صفیر کی لکھی ہوئی ہے۔

رائے میں جعلی ہیں، اور جعل سازی کی غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ سخن صفیر کے شاگرد تھے۔ سخن کو اس سے انکار ہی نہیں تھا، وہ اس کے مدعی تھے کہ خود صفیر کو اُن سے تلمذ ہے (جلوۂ صفیر بلگرامی ص۸۸)۔ اس مرتبہ میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ صفیر و سخن میں سے کس کا دعویٰ صحیح ہے اور خطوطِ زیر بحث کو جعلی قرار دینے کی وجہ بیان کرنے پر قناعت کروں گا۔

صفیر کے خط میں دلی جانے اور وہاں غالب سے سخن کے متعلق گفتگو آنے کا ذکر ہے۔ صفیر اوائل ۱۲۸۲ھ میں دہلی گئے ہیں۔ (جلوہ ا ص۲۲۳) اور ... دو ڈھائی مہینے ٹھہرے ہیں (جلوہ ۳ ص۲۲۹)، اس سے لازم آتا ہے کہ خط دہلی سے واپسی کے بعد کا ہو۔ غالب کے خط میں جو ان کی عمر کا ذکر ہے اس کا زمانۂ تحریر ۱۲۸۳ھ ثابت ہوتا ہے، لیکن سرورش سخن (قطعات تاریخ طبع اور تاریخ دتاسی جلد ۲ ص۱۷۱) ۱۲۸۱ھ ہی میں لکھنؤ کے مطبع نول کشور نے چھاپ کر شائع کر دیا تھا۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ یہ خط اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔ جعل کسی ایسے شخص نے بنایا ہے جو سرورش سخن طبع اول کے سال الطباع سے ناواقف ہے اور اس بنا پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے ذمہ دار صفیر نہیں۔ یہ مستبعد ہے کہ وہ اسے نہ جانتے ہوں۔

غالب نے صفیر کے رسالہ تذکیر و تانیث کے لئے ایک دیباچہ لکھا تھا جو عود ہندی اور اس رسالے کی اشاعت اول میں موجود ہے۔ صفیر جلوہ ا ص۲۲۳ میں اسے تقریظ کہتے ہیں اور اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ میرے دوران قیام دہلی میں غالب نے رسالہ دیکھا، بہت تعریف کی، اور تقریظ لکھ دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریظ یا دیباچہ اوائل ۱۲۸۲ھ میں حوالۂ قلم ہوا، لیکن علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں غالب کا ایک خط جس کے مکتوب الیہ صاحب مارہروی ہیں، شائع ہوا ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ "دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا۔ مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ . . . مولوی سید فرزند احمد کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں" ص۹۰۔ یہ خط ۲۶۔ اگست ۱۸۶۶ء کا لکھا ہوا ہے جو ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ کے مطابق پڑتی ہے۔

غالب اور ذال فارسی} "غالب اور ذال فارسی" (آج کل فروری ۱۹۵۳ء) میں کچھ ایسی باتیں میرے قلم سے نکل گئی ہیں، جن کی تصحیح یا جن پر اضافے کی ضرورت ہے، اور . . . بھی بہت ہیں، لیکن ان میں سے بیشتر نظر انداز کر دئے گئے ہیں: (۱) [illegible] . . . غالب نے پنج آہنگ کے باب دوم میں لکھا ہے کہ . . . گذشتن اور ان کے مشتقات . . . ہیں، انھیں ذ سے لکھنا صحیح نہیں۔ اس کتاب کے بعض حصص غالب کے سفر کلکتہ سے پہلے قلم بند ہوئے تھے، لیکن اس کا انطباع اس کے بہت بعد ہوا۔ باب ۲ کا زمانۂ تحریر کلکتہ جانے سے قبل کا ہو، تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے بعد اس میں تصرفات نہیں ہوئے۔ (۲) [illegible] "چاہیے"۔ (۳) [illegible] "چاہیے"۔ (۴) [illegible] یہ عبارت حذف کی جائے . . . کا شعر مثال میں پیش کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ اس میں "خود" ذال سے ہے۔ (۵) [illegible] دوسری کا شعر سو بد میں بھی ہے۔ (۶) [illegible] دوگی کے اشعار ہیں جن میں . . . کا قافیہ آیا ہے۔ . . . کے بارے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ محض اس بنا پر کہ ان کے یہاں کبھی دال و ذال کے قوافی کا اختلاط پایا جاتا ہے، یہ لازم نہیں کہ وہ فارسی میں وجود ذال کے قائل ہوں۔ قوافی کا اختلاط اتفاقی ہو سکتا ہے۔ (۷) [illegible] . . . (۸) [illegible] . . . (۹) [illegible] . . . (۱۰) [illegible] . . . (۱۱) [illegible] . . . (۱۲) [illegible] . . . (۱۳) [illegible] . . . (۱۴) [illegible] . . . (۱۵) [illegible] . . . "چاہیے"۔

(آجکل۔ سالنامہ۔ اگست ۱۹۵۷ء)

غالب اور بہار

غالب کلکتہ جاتے ہوئے، صوبہ بہار سے گزرے تھے۔ ایک قطعے میں جو قریب بہ یقین ہے کہ اقامت کلکتہ کے دوران میں کہا گیا تھا، غالب کا سوال اور "ساقی بزم آگہی" کا جواب ہے:

"گفتمش چون بود عظیم آباد　　　گفت رنگین تر از فضای چمن
گفتمش سلسبیل خوش باشد　　　گفت خوشتر بنا شد از سون[1]"

سوال کی طرح جواب بھی غالب ہی کے ہیں، اور عظیم آباد کو "رنگین تر از فضای چمن" کہنے کے لئے کسی نہ کسی حد تک اس شہر کی سیر ضروری ہے۔ غالب یا ان کے کسی معاصر نے یہ نہیں لکھا کہ عظیم آباد میں کسی سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں، اور خود اس شہر میں کوئی روایت ان کے ورود پٹنہ کے متعلق سنی نہیں گئی۔ غالب کلکتہ میں کم و بیش ڈیڑھ سال رہے، نواب علی اکبر خان طباطبائی متولی امام باڑہ ہگلی سے جو مصنف سیر المتاخرین کے بھتیجے تھے، ان کے تعلقات رہے اور وہ کئی بار ہگلی گئے۔ انھوں نے ان کی جتنی مدح کی ہے، کم امرا کی کی ہے، ان کے نام غالب کے فارسی خطوط بھی موجود ہیں۔ اور یہ ثابت ہے کہ باد مخالف جس کا اصلی نام آشتی نامہ تھا، ان کی تحریک سے لکھی گئی تھی۔ نواب علی اکبر خاں طباطبائی کے داماد مہدی علی خاں، مہدی کا ذکر غالب کے بعض خطوط میں آتا ہے، اور مہدی کے دیوان اردو سے جو کتب خانہ خدابخش میں ہے، غالب اگر نہیں، تو غالب کے بعض احباب کلکتہ سے ان کے تعلقات کا پتا ملتا ہے۔ غالب نے عود ہندی کے ایک خط میں لکھا ہے کہ باد مخالف کا ایک ایک نسخہ کرم حسین بلگرامی، عبد القادر رامپوری اور نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے "امثال و نظائر" کو بھیجا تھا۔ غالب کہتے ہیں کہ یہ لوگ "ہمہ عالم" کو جو اس مثنوی میں ہے غلط سمجھتے تو "میری کھال ادھیڑ ڈالتے"۔ ممکن ہے ان اصحاب یعنی طباطبائی، مہدی اور نعمت علی کے علاوہ اور عظیم آبادیوں سے بھی کلکتہ میں ملنا ہوا ہو، اور ان کی عظیم آباد کی راہ سے دہلی واپسی کے وقت، ان میں سے کوئی یہاں موجود رہا ہو، یا کلکتہ سے یہاں کے بعض اصحاب کو لکھا گیا ہو کہ وہ غالب کی آؤ بھگت کریں۔

صفیر بلگرامی صوبۂ بہار سے باہر پیدا ہوئے، لیکن بہت کم سنی میں یہاں آ گئے تھے، یہ غالب کے شاگرد ہوئے اور دہلی جا کر ان کے مہمان رہے۔ اس کا حال صفیر نے جلوۂ خضر میں لکھا ہے۔ لیکن، جیسا کہ میں اپنے ایک مضمون میں دکھا چکا ہوں، اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو قبول نہیں کی جا سکتیں۔ غالب نے ان کی ایک کتاب متعلق تذکیر و تانیث پر دیباچہ یا تقریظ لکھی تھی، یہ موجود ہے۔ صفیر کے نام غالب کے متعدد خطوط جلوۂ خضر اور (غالبًا) مرقع فیض میں ہیں۔ جناب سید وصی احمد بلگرامی نے اپنے مضمون مشمولہ ص ش میں صفیر کا خط اور غالب کا جواب پیش کیا تھا۔ ان دونوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سروش سخن جو سخن کی طرف منسوب ہے، دراصل صفیر کی کتاب ہے، یا اس میں اتنی اصلاح ہے کہ گویا خود ان کی تصنیف ہو گئی ہے۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ یہ دونوں خط جعلی ہیں، خط جس زمانے میں مسودۂ کتاب کے دہلی پہنچنے پر مشعر ہیں، اس سے قبل ہی یہ کتاب طبع ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جعل کسی اور شخص کا بنایا ہوا ہے، لیکن جناب سید وصی احمد بلگرامی کے پاس صفیر کا چھپوایا ہوا ایک رسالہ موجود ہے، جس میں یہ اور دوسرے خطوط شامل ہیں۔ صفیر نے بوستان خیال کے بعض اجزا کا ترجمہ کیا تھا۔ غالب نے میر ولایت علی مہتمم عظیم المطابع پٹنہ کو لکھا تھا کہ انھیں بھیج دیں۔ خط (غالبًا) رشحات صفیر میں ہے، اور اس کا لفافہ کتب خانۂ خدابخش میں موجود ہے۔

---

[1] دریائے سون

فخرالدین حسین سخن دہلی و لکھنؤ سے تعلق رکھتے تھے اور مشہور اردو شاعر خواجہ حسن کے بھائی خواجہ حسین کی اولاد سے تھے (تلامذۂ غالب ص ۱۴۷ میں خواجہ حسین مودودی لکھاری لکھا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ لکھاری سندھ کا ایک قصبہ ہے، یہ غلط محض ہے، اس کی جگہ 'کھاری' چاہیے) - یہ عنفوان شباب میں بہار آئے اور یہیں کے ہو رہے - غالب کی زندگی میں انھوں نے ان کے نواسے اور شاگرد ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور ہنگامۂ دل آشوب میں ان کے قطعات غالب کی حمایت میں ہیں - یہ کتاب غالب کے دوران حیات ہی میں چھپی تھی - دیوان سخن میں جو غالب کی موت کے بعد شائع ہوا، ایک تقریظ یا دیباچہ غالب کی طرف منسوب ہے، تنبیہ صفیر بلگرامی میں بھی جو قریب بہ یقین ہے کہ خود سخن کی لکھی ہوئی ہے، لیکن ایک دوسرے شخص کے نام سے ہے، غالب کے استاد سخن ہونے کا ذکر ہے - ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کسی زمانے میں انھوں نے غالب کے خطوط بنام سخن کا ایک مجموعہ دیکھا تھا - نواسے کس طرح تھے، اس کا حال معلوم نہ ہوا، میں نے ان کے چھوٹے بیٹے سے جن کی وفات کو ایک مدت ہوئی، اس کے متعلق استفسار کیا تھا، مگر وہ کچھ بتا نہ سکے - تقریظ یا دیباچہ قطعاً جعلی ہے - مجموعہ مفقود ہے، اس لئے اس کی نسبت کچھ کہنا ممکن نہیں -

باقر علی، باقر[1] نے تلمذ غالب کا دعویٰ غالب کی زندگی ہی میں کیا تھا اور ہنگامۂ دل آشوب میں ان کی نظم و نثر شامل ہے - ان کا دیوان طویل مقدمے کے ساتھ ان کے فرزند نے شائع کیا ہے، اس میں بہت سی باتیں ناقابل قبول ہیں - اور میں اس کے متعلق دوسری جگہ غالب کے تحت بالتفصیل لکھ چکا ہوں - محمد علی خاں انجم[2] باشندۂ ضلع مونگیر نے بھی غالباً غالب کے دوران حیات ہی میں تلمذ غالب کا دعویٰ کیا تھا -

صوفی منیری نے تلمذ غالب بذریعہ مراسلت اختیار کیا تھا، اصل مثنوی جس پر غالب کے ہاتھ کی اصلاحیں ہیں اب تک محفوظ ہے - اپنے کلیات نظم اور راحت روح (نثر) میں انھوں نے غالب کے ایک شاگرد دنسوں یا افسوں (ممکن ہے دونوں تخلص ہوں) فرخ آبادی کا ذکر کیا ہے جن کا بہار سے تعلق قرین قیاس ہے -

خلیل و فوق آروی کے کلیات مطبوعہ میں غالب کا ایک اردو خط ہے، جس کا واحد ماخذ یہی ہے - انھوں نے شاگرد ہونا چاہا تھا، مگر یہ متیقن نہیں کہ ہوئے یا نہیں -

فرزند علی اخگر عظیم آبادی مقیم مرزاپور کا ذکر تلامذۂ غالب میں بحوالۂ مرآت ادب و سخن شعرا ہے - موخر الذکر میں جہاں تک مجھے یاد ہے، انھیں شاگرد غالب نہیں لکھا - مقدم الذکر میں دو خط بنام مینا (تلامذۂ غالب کے مصنف کا خیال ہے کہ یہ تصحیف تمنا ہے) مرزاپوری ہیں جن میں سے ایک سے مترشح ہوتا ہے کہ اخگر نے کچھ روپے بھیجے تھے، دوسرا اس پر مشعر ہے کہ اخگر نے دہلی میں غالب کو دیکھا تھا - میری رائے میں جعلی خط ہیں -

تلامذۂ غالب میں انور علی عظیم آبادی متخلص بہ شاہ کا ذکر بحوالۂ نکار اپریل ۱۹۵۳ء ہے - قدس سجادہ صفحے شاہ کا حال اس میں تلاش کیا نہ ملا - مجھے یاد آتا ہے کہ سید فصیح الدین بلخی مرحوم نے کسی جگہ انھیں شاگرد غالب لکھا تھا - تلامذۂ غالب میں عبدالکریم (صحیح نام بندہ علی) نشتر شاگرد شاہ کا بحکم استاد کلام کا ضائع کر دینا مرقوم ہے - نشتر میں پچیس سال میرے یہاں رہے - یہ ۱۹۲۲ء میں مرے ہیں - انھوں نے میرے سامنے شاہ کا ذکر بیسوں بار کیا - تلمذ دبیر اور کلام کے ضائع ہونے کا حال بتایا - لیکن باوجود اس کے کہ نشتر دلدادگان غالب میں تھے، انھوں نے شاہ کے تلمذ غالب کا مطلقاً ذکر نہیں کیا - میرا خیال ہے کہ یہ صحیح نہیں -

تلامذۂ غالب میں سید محمد شیر خاں بہاری متخلص بہ شیر داماد صولت کا ذکر بحوالۂ یادگار ضیغم و تاریخ شعرائے بہار ہے - ان کے نام کے ساتھ 'خاں' نہیں چاہیے - اور تاریخ مذکور میں یہ ہے بھی نہیں - یہ شہادتیں تلمذ غالب کو قبول کرنے کے لئے ناکافی ہیں -

کرامت حسین کے پرپوتے رسا مرحوم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان کے پر دادا کا تخلص کرامت تھا اور وہ شاگرد غالب تھے - مرحوم نے ان کے اشعار پیش کئے تھے اور خطوط کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا جو ان کے بیان کے مطابق غالب نے کرامت حسین کو لکھے تھے - تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ ناخواندہ تھے، شاعری خارج از بحث ہے، اشعار و خطوط جعلی ہیں - خطوط سے متعلق میرا مضمون شائع ہو چکا ہے -

---

[1] تلامذۂ غالب میں 'بسر رشکی' یہ غلط ہے - [2] تلامذۂ غالب میں تحت تخلص 'تاجی' - میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ غلط محض ہے یا ان کے دو تخلص تھے -

شمس العلما محمد سعید حسرت عظیم آبادی کے دیوان میں ایک تحریر ہے جو اس پر شاہد ہے کہ حسرت مذکور کو اپنے کلام کی داد غالب سے ملی تھی۔ ممکن ہے اسی میں غالب کی وفات کا قطعہ تاریخ ہو۔ ان کے شاگرد یحییٰ عظیم آبادی کے دیوان تواریخ میں قطعہ ہے جو اخبار الاخبار مظفر پور میں چھپا تھا۔ تاریخ کملا میں بھی قطعے کے ہونے کا امکان ہے۔

فریاد کی کوئی تحریر غالب سے متعلق موجود نہیں۔ ان کی جو رائیں شاد نے لکھی ہیں، دراصل خود انھیں کی رائیں ہیں۔ شاد ابتدا میں غالب کے مخالف نہ تھے۔ جیسا کہ نوائے وطن سے ثابت ہے۔ لیکن بعد کو ایسی عداوت ہو گئی کہ اختراع روایات پر آمادہ ہو گئے۔ ناطق کا جو واقعہ انھوں نے لکھا ہے، خود ناطق کے خط سے جو کلیات ناطق میں ہے، غلط ثابت ہوتا ہے۔ شاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ نذیر الدولہ قدیر عظیم آبادی شاگرد دبیر نے دوران قیام دہلی میں غالب پر برابر اعتراض کرتے رہے، غالب ان سے زچ ہو گئے۔ قدیر کوئی مجہول الاحوال شخص ہوگا۔ اس کا دہلی جانا اور غالب کو اعتراضات سے عاجز کرنا کہیں سے ثابت نہیں۔ غالب کا ایک خط (غالباً منظوم) بنام شاد شائع ہوا تھا، یہ قطعاً جعلی ہیں۔

کرم الدولہ، مکرم، بہاری دہلی گئے تھے، اور وہاں عہد بہادر شاہ میں مخاطب بہ مکرم الشعرا ہوئے تھے۔ ان کے دیوان (نسخہ بہار شریف و رامپور) میں غالب کی ایک غزل کا خمسہ ہے، دونوں میں تعلقات ہوں گے۔

شاہ امین احمد ثبات وشوق بہاری کے دیوان میں یہ مقطع ہے:

طرز غالب مجھے اب شوق بہت ہے مرغوب اتبدا میں تو میں کچھ معتقد میر بھی تھا۔

عبرتی عظیم آبادی نے اپنے ایک تذکرے میں غالب کا ترجمہ دیا ہے جس سے معارضہ کلکتہ سے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ غالب نے قاطع برہان میں ایک بہاری فرہنگ نگار کی کتاب کشف اللغات کی مذمت کی ہے۔ مگر انھوں نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کس کی تالیف ہے اور نہ مؤلف کے زمانے کے متعلق انھیں صحیح اطلاع ہے۔ ان کا قیاس ہے کہ یہ برہان کے بعد گذرا ہے۔ حالانکہ یہ عہد اکبری کے اوائل یا اس سے بھی قبل کی کتاب ہے۔

امداد امام اثر نے غالب کی شاعری سے بحث کی ہے، شہباز کو سوانح عمری بینظیر میں خواہ مخواہ اس پر اصرار ہے کہ غالب تلمیذ نظیر تھے۔ شوق نیموی نے بعض علمی مباحث میں غالب کے اقوال نقل کئے ہیں۔ عشرت گیاوی غالب کے شاگرد شوخی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے غالب کی ایک (یا زیادہ) غزل کو مخمس کیا ہے۔ عرش گیاوی کے دیوان میں بھی غالب کی ایک غزل کا خمسہ ہے۔ اکبر داناپوری نے عجب نہیں اگر اپنے دیوان میں انھیں یاد کیا ہو۔

زمانۂ حال کے بہاری اہل قلم میں سے بہتوں نے غالب کی طرف کم و بیش توجہ کی ہے۔ جناب کلیم الدین احمد نے ان کی نظم و نثر کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ جناب جمیل مظہری نے ان کے اشعار کی تضمین کی ہے اور غالبیات پر ایک نظم لکھی ہے۔ پروفیسر مختار الدین احمد نے علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر ترتیب دیا تھا اور اس کے بعد احوال غالب اور نقد غالب دو کتابیں مرتب کی تھیں۔ پروفیسر اختر اورینوی کا ایک ناقدانہ مضمون ان سے متعلق شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر سید حسن نے ایک مضمون ایران میں غالب شناسی پر لکھا تھا۔ یاد آتا ہے کہ شاہ ولی الرحمٰن مرحوم ولی نے ایک مضمون میں غالب کا مقابلہ اقبال سے کیا تھا۔ سنا گیا ہے کہ ہاشم عظیم آبادی نے دیوان غالب کے جواب میں ایک ظریفانہ دیوان تیار کیا ہے جو زیر طبع ہے۔ شاید رفیع الدین بلخی مرحوم نے ایک کتاب غالب پر لکھی تھی۔ جناب عطا کاکوی نے نذر غالب لکھی ہے۔ جناب مظفر حسین نے جمالیات سے متعلق اپنی کتاب میں کلام غالب سے بحث کی ہے۔ جناب ذاکر حسین کی گورنری کے زمانے میں حکومت بہار نے ایک معتد بہ رقم تصانیف غالب کی صد سالہ اشاعت کے ابتدائی اخراجات کے لئے دی تھی۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب "قاطع برہان و رسائل متعلقہ" چھپ چکی ہے۔ ایک زیر طبع ہے اور ایک کی کتابت ہو رہی ہے۔ قاضی عبدالودود نے غالب انسائیکلوپیڈیا یا جہان غالب کے نام سے لکھنی شروع کی ہے۔ اس کے کم و بیش ۴۰۰ صفحے مختلف رسائل میں طبع ہو چکے ہیں یا ہونے والے ہیں۔ مجلہ معیار پٹنہ میں ایک مستقل عنوان "غالبیات" تھا۔ قاضی عبدالودود نے غالب سے متعلق بہت سے مضامین لکھے ہیں جن میں سب سے طویل "غالب بحیثیت محقق" ہے۔ یاس یگانہ چنگیزی عظیم آبادی نے بھی غالب

متعلق ایک کتاب "غالب شکن" لکھی تھی۔

شہاب الدین خدابخش مرحوم نے دیوان غالب کے ایک مطبوعہ نسخے میں جو کتب خانہ خدابخش ہی میں ہے اپنے دادا اور غالب کے تعلقات کا ذکر کیا ہے اور ایک قطعہ ان کی زبانی غالب سے منسوب کیا ہے۔ یہ وہی ہے جو نواب عماد الملک کے حوالے سے بعض مطبوعہ نسخوں میں شامل ہوا ہے۔ خدابخش خاں نے اپنی کتاب میں جو اپنے کتب خانے کی کتابوں کے متعلق لکھی ہے، غالب کا ذکر کیا ہے اور اس کتب خانے کی انگریزی فہرست میں نسخۂ کلیات فارسی نوشتۂ ۱۲۵۴ھ کا حال ہے۔ مگر اس کے بارے میں بعض امور غلط لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی یہاں ایک نسخہ کلیات کا ہے جو ۱۲۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ ان دونوں کا تعلق غالب سے رہا ہے۔ یہاں غالب کی ایک تصویر بھی ہے جو کسی زمانے میں کلیات کے ایک نسخے کے ساتھ تھی، جو ریاست حیدرآباد میں تھا۔ صلاح الدین خدابخش مرحوم نے ایک انگریزی مقالے میں غالب اور المانی شاعر Heine کا مقابلہ کیا ہے۔

اس مضمون میں بیدل کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ میں انھیں بہاری نہیں سمجھتا، ہاں ابتداءً وہ برسوں یہاں رہے ہیں اور یہیں سے دہلی گئے ہیں، بہرحال، یہ عام طور پر معلوم ہے کہ غالب کا ابتدائی کلام کس حد تک بیدل سے متاثر ہے۔ یہ مضمون محض ڈاکٹر ممتاز احمد کے اصرار سے لکھا گیا ہے، ورنہ میں اس وقت اس کے لکھنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کے لئے بہت کچھ حافظے پر بھروسہ کرنا پڑا ہے اور ضروری کتابوں کی طرف رجوع نہ ہو سکا۔ نہ یہ دعویٰ ہے کہ یہ جامع ہے، نہ یہ کہ یہ اغلاط سے بری ہے۔

(مطالعہ پٹنہ جنوری-فروری ۱۹۶۹ء)

مجموعہ دہلی اور غالب

ایک مجموعہ فارسی نیشنل آرکائوز دہلی میں ہے ، جس کا علم مجھے جناب اکبر علی ترمذی کی مہربانی سے ہوا - میں نے اسے جا بجا سے دیکھا ہے لیکن مقالہ ہذا اس کے عکس پر مبنی ہے - اس میں پہلے غالب کی تحریریں ہیں ، ان کے بعد ایک صفحہ سادہ اور پھر تین صفحات میں دوسروں کی تحریریں ہیں - کسی صفحے میں ۲۱ ،کسی میں ۲۰ اور کسی میں اس سے بھی کم سطور ہیں - ایک مکمل سطر کی عبارت یہ ہے :

" چہ مایہ بیکسم کہ مرا در عرض مراسم پوزش خود شفیع خویشتن باید بود ، خدارا بر تلخ کامی ھای غالب زھرابہ نوش رحمی بحق خدای کہ ناز "

کم اوراق ہیں جو ناقص نہیں ،کتاب بدون تمہید و خاتمہ ہے ، اس کا امکان ہے کہ اول و آخر اور درمیان کے کچھ ورق ضائع ہو گئے ہوں - صفحہ آخر میں فارسی کی آخری سطر کے بعد تین سطور کی جگہ خالی ہے ، اور پھر انگریزی عبارت جو بجنسہ درج ذیل ہے :

" Writen (کذا) by moonshee Aly Hassan of mowzah Kahra"

قبل اس سے کہ تحریرات غالب سے بحث ہو ، دوسروں کی تحریروں کا ذکر کیا جاتا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی کہ کاتب منشی علی حسن ہے یا نہیں ، اور زمانہ کتابت کی کسی حد تک تعیین ہو سکے گی - پہلے ایک خط ہے جس کا عنوان یہ ہے :

" نقل صحیفہ...مخدومی مولوی سید افضل علی ...... تحصیلدار پرگنہ بدوسا و کالنجر ضلع باندا بوندیل کھنڈ ، موسومہ ابن روشناس زاویہ خمول ..." -

اس خط کے آخر میں منشی محمد نسیم اللہ کو سلام ہے ، دوسرے خط کا عنوان " شرح ایضاً " ہے اور اس کے آخر میں مرقوم ہے :

" شرح لفافہ ...... در باندا بسامی خدمت ...... مخدوم و معظم نیازمندان ...... منشی سید علی حسن خان ... زاد مجدکم العالی - ذریعہ اخلاص افضل علی ... پنجم اگست ۱۸۳۹ء ، باندا " -

تیسرا خط (اور یہ آخری تحریر ہے) غلام امام شہید کا ہے جو پیش کار صدر عدالت دیوانی تھے - یہ دوران اقامت باندا میں ، وقت روانگی الہ آباد منشی محمد نسیم اللہ " سررشتہ دار عدالت فوجداری قسمت جنوبی ملک بوندیل کھنڈ " کو لکھا گیا تھا - " قسمت ... بوندیل کھنڈ " کے متعلق اطلاع ہے کہ " در آن ایام عبارت از ضلع باندا بوده است " -

میرا خیال ہے کہ عبارت فارسی کے منشی سید علی حسن خان ، اور انگریزی عبارت کے منشی علی حسن فرد واحد ہیں - اور یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس مجموعے کے کاتب نہیں - یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحریرات غالب کا زمانۂ کتابت تحریرات افضل وغیرہ کے زمانے سے مختلف ہوسکتا ہے ، اس سے قطع نظر کرلی جائے اور شہید کے خط کا زمانہ کم و بیش وہی تصور کیا جائے تو زمانۂ کتابت ۱۸۳۹ء یا اس کے کچھ بعد معین کیا جاسکتا ہے - یہ متیقن ہے کہ غالب کی کل تحریریں جو اس مجموعے میں ہیں ، اس سے قبل کی ہیں -

---

اس مجموعے کے خطوط کی بڑی اکثریت محمد علی خان کے نام ہے ، خواہ ان کا نام آغاز خط میں ہو یا نہ ہو - باقی خطوط علی اکبر خان طباطبائی کے نام کے ہیں ، اور ان کے ساتھ بھی ان کا نام لازماً نہیں - ان خطوط میں سے چند پنج آہنگ میں بھی ہیں ، بعض میں تو بڑے اختلاف ہیں ، میرا خیال ہے کہ مجموعے میں ، اغلاط کتابت سے قطع نظر ، اصلی خطوں کی نقلیں ہیں ، پنج آہنگ میں مصلحت کارفرما رہی ہے - بعض تحریریں خط نہیں کہی جاسکتیں - خط (۲) و (۰) دراصل ایک ہیں - (...) کے معنی یہ ہیں کہ اس سے قبل کچھ الفاظ ضائع ہوگئے ہیں - اردو خلاصہ تیار کرتے وقت تعظیمی الفاظ عموماً حذف کر دیے گئے ہیں -

مجھے اس کا افسوس ہے میں یہ مقالہ حسب دلخواہ نہیں لکھ سکا ، بیشتر خطوط سے متعلق حواشی تحریر ہی نہ ہو سکے -

[۱]

ابتدا میں بدون اسم مصنف ظہوری کا ایک شعر ، اس کے بعد چند سطور نثر ، اس کے بعد " فرمانروائے کشور آگہی ملاذ و مطاع رہی سلامت " - میرا خیال ہے کہ سطور بالا جزو مکتوب ہیں ، اور قیاس ہے کہ مکتوب الیہ محمد علی خان ہیں اور خط زمانۂ اقامت باندا کا ہے -

میر کرم علی "اغلب اوقات" آپ کی جانب سے " قدم رنجہ " نہ فرمانے کا غدر کیا کرتے ہیں ، اور یہ کہا کرتے ہیں کہ آپ میری تعریف کرتے ہیں - یہی بہت ہے کہ اس " ننگ آفرینش " کو " صدر بزم قبول " میں بٹھاتے ہیں - میرے " دیر دیر " سے آنے کی وجہ شوق کی کمی نہیں ،

'' وفور ناتوانی '' ہے ، دماغ کو فکر سخن سے سر گرانی ہے ۔ '' یاد باد آن روزگاران کاعتباری داشتم الخ '' ۔ ' ہیچ ' کو ' عمدہ ' اور ' بد ' کو ' نیک ' سمجھنا آئین غریب نوازی ہے ۔ دو نثریں جو مختلف مواقع پر لکھی گئی تھیں ، حاضر ہیں ۔ ایک خط ہے جو '' صنعت تعطیل '' میں '' عمو صاحب قبلہ فخرالدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خاں بہادر رستم جنگ '' کی '' جاگیر '' سے '' فخرالعلما مولوی محمد فضل حق '' کو جو میرے دوست ہیں ، اور جن سے بر بنائے عجلت ، دھلی سے روانگی سے قبل ، نہ مل سکا تھا ، بھیجا گیا تھا ۔ دوسری ایک عرض داشت (۱) ہے جو لکھنؤ میں '' بتکلیف دوستان جدید ، سبحان علی خان و میر نیاز حسین خان (۲) و دیگر دوستان جدید (...) '' معتمدالدولہ کے لیے لکھی گئی تھی ، اور اس کی صورت یہی نکلی تھی کہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں ۔ '' اما چوں درباب معانقہ وقت نخستین ملازمت از آن طرف (......) سخنہا رفت آن معاملۂ ذھنی در خارج صورت نگرفت ... ، مستغنیانہ پاس ناموس خاکساری ورزیدم ، و دامن از اختلاط از دولتان بیمدار (۳) بر چیدم '' ۔ اس کی ' ھوس ' سینے سے محو ہو گئی مگر ' رقم ' ' سفینے ' میں باقی ہے ۔ '' مخدوما و مکرما ، من دانم و دل کہ بدین حسن اتفاق چہ قدر شادمانی میکنم ، یعنی دعائے بے اثر از قبول بیگانہ کہ چون نالہ ھای دلہای بیدرد اھل ھوس را بجاے نمیبرد ، اینک در خاتمہ این عبودیت نامہ تشریف قبول یافت ۔ ھم نقش مدعای خاطر مشتاق بکرسی نشست ، و ھم زحمت تفرقۂ نفاق و وفاق از میان برخاست ۔ آمید کہ آن این دعا بری از ریا ، بروزگار خجستہ آثار جناب سامی مدظلہ باد '' ۔

[۲]

خط بنام محمد علی خان ، پنج آہنگ کے مطابق :

'' قبلۂ قبلہ پرستان و کعبۂ حق پژوهان سلامت '' ۔ پنجشنبے کو مودہ (پنج آھنگ خطی ، مؤدہ) پہنچا ، دو شنبے کو روانہ ہوا ، رات ایک گاؤں میں

۱۔ دونوں تحریریں پنج آھنگ کے خاتمۂ گل رعنا میں ہیں ، خاتمے میں جو دوسری تحریر ہے ، اس کے آخری الفاظ مجموعے میں نہیں ۔ جناب مالک رام کی عنایت سے ان کا نسخۂ گل رعنا میری نظر سے گزرا ہے ، مگر یاد نہیں کہ یہ تحریریں اس میں ہیں یا نہیں ۔

۲۔ کمال الدین حیدر کی تاریخ اودھ جلد اول میں میر نیاز حسین (بدون '' خان '') داروغۂ دیوان خانۂ معتمدالدولہ کا ذکر ہے ، قرین قیاس ہے کہ وھی ہوں جو مجموعے میں ہیں ۔

۳۔ مگر یہ بعد کو سبحان علی خان سے استمداد سے مانع نہ آیا پنج آھنگ میں ان کے نام کے خطوط ہیں ۔

گزاری - ''بروز سه شنبه در چله تارا رسید'' (...) بخار غائب ہو گیا - ''امشب (۱) (...) اگر حیات باقیست بسیج راہ فتحپور کردہ خواهد شد''۔

[۳]

خط بنام محمد علی خان، پنج آہنگ کے مطابق - پنج آہنگ کی عبارت ''خلاصہ تحریر ... حد ادب'' مجموعے میں نہیں، اور 'قدیر' کے بعد مجموعے کی عبارت ذیل پنج آہنگ سے مخیر حاضر ہے: بخدمت جناب شاہ غلام زکریا صاحب و خان صاحب عمیم الاحسان انعام احمد خان صاحب و جناب محمد صالح علی خان المشتہر بہ مرزائی صاحب سلامہائے نیاز افشان اشتیاق بار پذرفتہ باد۔

[۴]

بنام محمد علی خان، مگر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں - عنوان ''مشتمل برہجو الہ آباد و صفت بنارس''۔ آغاز شعر ذیل سے:

این شکایت نامهٔ آوارگیهائے منست
قصهٔ درد جدائی ها جداخواهم نوشت

دیوانہ ام هر چہ گویم معافم، و درد مندم هر چہ نویسم مرفوع القلم

مغلوب سطوت شرکا غالب حزیں
کاندرتنش زضعف توان گفت جاں نبود

تو بند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است
مارا بایں گیاہ ضعیف ایں گماں نبود

چلہ تارہ کا ماجرا دو عرض داشتوں میں لکھ چکا ہوں - گھاٹ پر کشتی کرایہ لی اور نوکر اور گھوڑے کے ساتھ اس پر سوار ہوا - ''از اوج و تاب ریح معدہ در کشا کش دل حرارت غریبہ حمی بر آتش''۔ ''روز ہفتم بویرانہ (...) ورود افتاد، آہ ازالہ آباد و لعنت خدا بدان خرابہ باد نہ در وی دوائی درخور بیمار و نہ متاعی شایستهٔ مردم (..................) مرد و زنش ناپیدا، و مہر .... از طبع پیر و جوانش کم''۔ اس 'وادی ہولناک' کو شہر کہنا نا انصافی ہے، اور ''آدم زاد'' کا اس ''دامگاہ غول'' میں رہنا ''بے حیائی''۔ جہنم اس نسبت پر کہ اس شہر کا مقابل کہتے ہیں، پر از آتش ہے، اور ہوائے زمہریر اس سے سخت ناخوش ہے کہ اس ''بروتکدے'' کی ہوا سے نسبت دیتے ہیں (۲) - یہ سن کر کہ ''بدان را بنیکان ببخشد'' یہ شہر

۱- امشب در چلہ تارا رسیدہ (کذا) بامداد آن اگر حیات باقیست شد ... زیادہ حد ادب'' (پنج آہنگ، قلمی)

۲- الہ آباد کے متعلق رائے غیر ذمہ دارانہ ہے، قیام اتنا مختصر رہا تھا کہ وہاں کے باشندوں کی نسبت اظہار رائے کا حق ہی نہ تھا - بعض صحاب نے حسب دلخواہ سلوک نہ کیا ہوگا، الہ آباد سے نفرت کی یہی وجہ ہے -

' هزار امیدواری ' بلکہ ' صد هزار خواری ' کے ساتھ بنارس کے پہلو میں مقیم ہے اور گنگا کو بطریق شفاعت اس کی طرف بھیجا ہے۔ اس روسیاہ کی طرف دیکھنا بنارس کی طبع نازک پر گراں ہے، مگر گنگا سفارشی ہے۔ بھلا اگر کلکتے سے واپسی کا انحصار اس پر ہو کہ الہ آباد سے گزرنا لازم ہے، تو ترکِ وطن ' کروں۔ ایک شب و روز فقدان باربرداری کی وجہ سے اس ' دیولاخ ' میں رہا۔ دوسرے دن بہلی ملی اور وقت سحر ساحل گنگا پر پہنچا، دریا سے گزرا، اور " پائے شوق " سے سوئے بنارس " گرم پویہ " ہوا۔ روز ورود بنارس نسیم جانفزا سوئے شرق سے چلی، اس کا اثر یہ ہوا کہ اثر ضعف بالکل لا رہا۔ اگر فرط دلنشینی کی وجہ سے اسے سویدائے عالم کہوں بجا ہے، اور اس کے اطراف میں سبزہ و گل کا جوش دیکھ کر بہشت ارضی کہوں روا ہے۔ کثرت عمارات کا کیا بیان ہو۔ یہ تماشاگاہ اتنا دلفریب ہے کہ غربت کا غم فراموش ہے۔ مقدمہ درپیش نہ ہوتا اور شماتت اعدا کا خوف نہ ہوتا تو بے محابا ترک دین کرتا، سبحہ توڑتا، قشقہ لگاتا، زنار باندھتا اور اس وضع میں تا زندگی گنگا کے کنارے بیٹھتا۔ اس " ارم آباد " میں بغیر دوا عوارض جدید غائب ہوگئے، اور اصل مرض بھی کسی قدر کم ہوا۔ ' مرکبات معمول ' کی فراہمی حزم و احتیاط استقبال کی بنا پر ہے، ورنہ تلافی ماضی یا رعایت حال مدنظر نہیں۔ خاطر اقدس میں یہ نہ گزرے کہ غالب ' خیرہ سری ' سے بنارس میں شہد کی مکھی یا دلدل کا گدھا ہوگیا ہے، حاشا ثم حاشا، مجھ فلک زدہ کو دماغ تماشا کہاں ؟ (۱)' مگر دواؤں کی فراہمی اور رمستان کے لیے رخت سفر کی تیاری میں کم از کم چار هفتے صرف ہوں گے۔ ایک هفتہ جو گزر چکا ہے اسی میں شامل ہے۔ پانچ روز سرائے نورنگ آباد مشہور بہ سرائے نورنگ آباد میں فضول بسر ہوئے، اب مکان اسی سرا کے عقب میں مل گیا ہے۔

۱۔ میرا خیال ہے کہ بنارس میں کسی صورت سے تعلق ہوگیا ہوگا، طول اقامت کی اس کے علاوہ کوئی وجہ قرین قیاس نہیں۔ وہ خود، جیسا کہ خود متعرف ہیں، بڑی مبتذل سی جگہ مقیم تھے۔ مگر اس کے باوجود بنارس کی مدح اتنی کی ہے کہ کسی اور جگہ کی نہیں کی، بنارس اس کا هرگز مستحق نہیں۔ اس خط میں ایک مثنوی کے ۱۲ اشعار ہیں، جن میں سے ۱۱ چراغ دیر سے ہیں، ان ۱۱ اشعار کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ترتیب مطابق مجموعہ: تعالی اللہ، خس و خارش، سروش (صحیح: سوادش)، بنارس را کسے، بخوش پرکاری، بنارس را تو، حسودش، بتانش را، میانہا، تبسم، بلند افتاد۔ ایک شعر جو کلیات ۱۲۵۴ھ میں نہیں، یہ ہے:

فرنگستان حسن بے نقاب است
ز خاکش ذرہ ذرہ آفتاب است

کبھی جی میں آتا ہے کہ عظیم آباد تک خشکی کی راہ سے جاؤں اور وہاں کرائے کی کشتی لوں، کبھی یہ سوچتا ہوں کہ یہیں سے براہ دریا جانا چاہیے - آپ خط ضرور لکھیں، اس کے جواب میں یہاں سے روانگی کی تاریخ وغیرہ لکھوں گا - ہر چند کہ آپ کا خط آنے کی بیش از بیش خواہش ہے، لیکن دل شرم گمنامی و ہیچ کسی سے زخمی ہے - میری اقامت گاہ ایک بڑھیا کا گھر ہے، جو خود روغن چراغ کی محتاج ہے اور اس کا خرابہ برس و جو سے فارغ - اس کے پہلو میں کوئی ایسا مکان بھی نہیں کہ اس کے پتے سے خط منگواؤں - یہی ایک صورت ہے کہ آپ یہ لکھیں "محلہ نورنگ آباد عقب سوائے نورنگ آباد قریب حویلی گوسی خانساماں در حویلی مٹھالی و میاں رمضان بمطالعہ اسداللہ غریب الوطن تازہ وارد برسد" - ممکن ہے کہ "قاصدان ڈاک انگریزی" خط مجھ تک پہنچادیں - شاہ محمد زکریا، خان صاحب (......) اور مرزائی صاحب کو سلام -

[۵]

"قبلہ قبلہ پرستان و کعبہ حق پژوہان" - حامل مکتوب محض اتفاقاً ملا، ...... مودھا پہنچا، اتوار تک وہاں آرام کرتا رہا، دو شنبے کو وہاں سے رخصت ہوا، رات ایک گاؤں میں بسر کی، منگل کو چلہ تارہ پہنچا - شکر ہے کہ درد اور بخار سے نجات ملی - رات یہاں گزار کر علی الصباح عازم فتحپور ہوں گا - اسداللہ -

[۶]

بنام محمد علی خان بموجب پنج آہنگ، جس میں یہ نامکمل ہے:

"جناب فیض مآب قبلہ و کعبہ نشا تین"، بنارس میں "عطوفت نامہ" ملا - منگل ۴ شعبان کو براہ خشکی عظیم آباد روانہ ہوا اور وہاں سے کلکتہ پہنچا - وہاں ایک اچھا مکان چھ روپے (پنج آہنگ میں دس) کرائے کا مل گیا - آپ کا خط لے کر ہگلی گیا - "بدر نواب صاحب (۱) (...) نخست رو بسوی ایوانی کہ ضریح جناب سیدالشہدا علیہ التحیۃ والثنا درو بود، آوردم وز (...) چوں بگوشہ بساط قرب مخدومی رسیدم از فرط عنایت برخاستند - ... (......) در انتظار تو روز ہا گذشت چوں از کیفیت منشأ انتظار پرسیدہ شد ایں معنی گل (......) نواب صاحب رسانیدہ اند، و بے ذریعہ ملاقات صوری روشناس معنوی گردانیدہ - روز ملاقات (..) درمیان نیامد، دو سہ ساعت نشستہ برخاستم و بہ غمکدہ معاودت کردم، بعد دو روز کہ دوبارہ

۱- مراد از علی اکبر خان طبا طبائی، ذکر ملاقات پنج آہنگ کے خط میں بھی "بدر... باید دید" کے مطالب پنج آہنگ میں نہیں، اور اس میں طباطبائی کی جو تعریف ہے، مجموعے کے اس خط میں نہیں -

(.....) بیت افتاد ، دو روز و یک شب صحبتها ماند و پرس و جوها بمیان آمد. حال مقدمه مفصل گفته (......) دل نه داده که بدان خرسند توان گشت و ناامیدی نیز نه بخشیده که از سر این کار توان گذشت (.......) ''۔

'' جهان بے مهر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی مرا بر آرزو هائے ثنائی خنده می آید'' ۔

'' آشفتگی بخت (......) باید دید '' ۔ '' مرگ (۱) نواب احمد بخش خان بهادر به سمع اقدس رسیده باشد '' ... '' هر چند انهدام پیکر عنصری نواب نفس مقدمه را چنانکه سود ندارد زیان هم ندارد ، اما از خود رفته' این دو کیفیت باشم ، یکی آنکه ... دست گدائی پیش برادران دراز کردن ، دیگر آنکه مسرتے که بعد از فتح متصور بود ، باطل شد ، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن و در انجمنها بدان ناز کردن ۔ خطا پوش عیب پوش من سلامت ، بنده' تازه خریده' جناب را ... دو لغزش واقع گشته ، یکے اینکه غزلے که از بنارس فرستاده ام و مطلع آن اینست (۲) :

اے بصدمه' آهی بر دلت ز ما باری
این قدر گران نبود ناله' ز بیماری

'' امید که جناب مطلع مذکور را محو فرموده این مطلع را بدل مابتحمل ان دو مصرع سازند ۔ دوم اینکه قصیده که در مدح آغا میر گفته ام ، خدا میداند که برائے خاندان من طرفه داغ بدنامیست (۳) ، و لطف اینکه بکصد و ده

۱- '' مرگ ...... کردن '' نه یه عبارت پنج آهنگ میں هے ، نه اس کے مطالب ۔ حذف کی وجه ظاهر هے ، انتقام کی مسرت کے متعلق جو کچھ تها ، اسے غالب چھپانا چاهتے هوں گے ۔

۲- مطلع کے متعلق عبارت پنج آهنگ میں نہیں ، عبارت کی خامی عیاں هے ، جو مطلع غالب نے بهیجا تها ، وہ نه تها جو مجموعے میں هے ۔

۳- وجه یه نہیں که خاندان کی بدنامی هوگی ، غالب قصیدے سے دوسرا کام لینا چاهتے تهے ۔ اگر نظم باعث ننگ تهی ، تو مدحیه نثر بهی اس کا سبب هوسکتی تهی ، مگر اس کی نقل محمد علی خان کو خود بهیجی (خط ۱) ، اسے خاتمه' گل رعنا میں شامل کیا ، اور اس پر قناعت نه کر کے پنج آهنگ میں بهی رکها ۔ نواب مرشد آباد کے نام کا کوئی قصیده غالب کا نہیں ، اس لیے یه کہا جا سکتا هے که ان کے نام قصیدے کو شهرت دینے کا اراده قوت سے فعل میں نہیں آیا ۔ غالب کا صرف ایک قصیده هے جس کے بعض اشعار سے واضح هوتا هے که لکھنؤ میں لکھے گئے تهے کلیات میں یه قصیده مدح نصیرالدین حیدر و روشن الدوله وزیر میں هے کلیات

بقیه حاشیه اگلے صفحے پر

شعر را از صفحه حک ساختن نمی توانم (......) نواب مرشد آباد نیز سید زاده است ، این قصیده را بنام وی شهرت دهم ، گو بملازمتش نارسیده (......) لیکن مداح بودن من بر همایون جاه را (کذا) بر من ناگوار نیست ـ توقع که تا زمانی که اشعار موضح اسم ممدوح را (...) آن قصیده را بکس ننمایند ، و عیب خردان را چون بزرگان بپوشند و نوازشنامه که (......) عنوانش باید که چنیں باشد ، شهر کلکته قریب چیت بازار در سملیا (کذا) بازار نزدیک تالاب کرد (کذا) (.........) بمطالعهٔ اسد برسد ، زیاده آرزوی قدمبوس حه (کذا) عرضه دارد ـ محمد اسداللہ '' ـ

[۷]

مکتوب الیہ محمد علی خاں ہوں گے : آغاز '' دو سه روز گذشته باشد که کتابتی از غمکدهٔ راقم رسیده بود '' ـ یہ مرسل ہے اور کچھ حال اس '' داوری گاہ '' کا مرقوم ہے ـ آج سنیچر ہکم رجب ہے ـ ' کار فرما ' کا خط آیا ، ان کا ذکر سابق میں کرچکا ہوں ـ ,, فرستاده آمد '' میرا ,, یار '' چارہ جوئی سے غافل نہ تھا ـ مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان اور مجھ سے زیادہ قاعدہ دان ہے ' خط دیر سے لکھا تو اس لیے کہ کوئی خبر نہ تھی ' اور یہ خاموشی بھی ,, بغرور یکدلی و یگانگی '' تھی ـ محمد اسد۔

[۸]

بنام ایضاً (بدون اسم مکتوب الیہ) : '' حضرت قبلہ گاہی ولینعمی مد ظلہ العالی'' ـ پرسوں منشی عاشق علی خاں بہادر کا خط آیا کہ تمھارے یہاں آرہا ہوں ' اس کے ساتھ آپ کا خط بھی ان کے نام کا تھا جس میں انھیں میری 'خاکساریوں' سے آگاہ کیا گیا تھا ـ میں خود ان کے یہاں گیا ' ہر چند دفترخانے میں تعارف ہو چکا تھا (...) اور علی اکبر خاں کے یہاں اتفاق معانقہ بھی ہوا تھا ' لیکن (...) '' نقش بکرسی ہکرسی نشست '' وہ ,, اہل وحدت وجود '' کے مذاق کی باتیں کرتے ہیں ـ

[یہ خط جس میں اور باتیں بھی ہیں ، پنج آہنگ میں بھی ہے]

[۹]

بنام محمد علی خاں، بدون اسم مکتوب الیہ : '' حضرت قبلہ گاہی'' میں

پچھلے صفحے کا بقیہ :ـ

کے قدیم خطی نسخے میں اس کا جو عنوان ہے ، اس سے صاف ظاہر ہے کہ قصیدہ بادشاہ تک نہ پہنچا ، بعد کو غالب نے مصلحتہً یہ قصہ گڑھا کہ پانچ ہزار روپیے صلہ دیے جانے کا حکم ہوا ـ

منشی عاشق علی خاں کے یہاں گیا تھا ، عنایتیں کیں ، میں ,, ھذا من برکت البرامکہ،،
کہتا ہوا اٹھا اور گھر واپس آیا ۔ چند روز بعد ، اتوار کے دن وہ میری غیرحاضری
میں میرے یہاں آئے ' میں اس کی تلافی کے لیے ان کے پاس گیا ' نواب علی
اکبر خاں بہادر ہوگلی میں ہیں ۔ ,, وعدہ بود کہ ترا خواہم ماند (...)
یاد نکردہ اند ۔گزارش جناب قبلہ گاہی وابستہ بزبان حضور است ، غالب کہ اس
از فراغ امور شادی (...) ،، ولایت حسن صاحب پھر دورے پر گئے ہیں ۔
راجہ بنارس (...) ملازمت گورنرجنرل کی استدعا کی اور دربار عام قرار پایا ،
,, اما (...) میان نماند کس خبر نہافت یعنی بروز آدینہ چہار دھم فروری چوں
وقت برخاستن عملہ (...) صاحب سکرتو کہ من از بندگان اویم ، بنائب
میر منشی کہ در غیبت میر منشی کارروائی میکند (......) اھل بار صلا
باید زد کہ روز دو شنبہ روز بار است (...) شبانہ کتابتی شعر این ماجرا
بمن فرستاد ، فردائے آن شب دو شنبہ بود خود را بملازمت صاحب (...) رسانیدم
و تمنائے ملازمت کردم و پذرفت ... نام مرادر صف اصحاب الیمین (......) دھم
بر کرسی اعتبار نشاند ،، ۔ نمبر (۱) راجہ ھوبت (ھوپ ؟) سنگھ ,,جانشین راجہ
کایان سنگھ عظیم آبادی (...) از بدر اوست (؟) ،، ۔ تیسرا نمبر سفیر شاہ دھلی ،
۴ سفیر شاہ اودھ ، ۵ وکیل ھمایوں جاہ ، ۶ وکیل جودھپور ، ۷ وکیل جیپور ،
۸ وکیل راجہ نیپال ، ۹ اکبر علی خاں ۔ خوش قسمتی کہ ایسے شخص کی
بغل میں جگہ ملی جسے میں نے سب ,, اعیان بنگالہ ،، میں سے چنا ہے ۔
مگر وہ شریک نہ ہو سکے ۔ میں نے ,, منعم ،، کی عنایت دیکھی ، خلعت کی
آرزو کی ، کچھ سوچ کر بولے کہ اتنی تھوڑی مدت میں بھی غنیمت ہے ،
تمہارے چچا کو کبھی خلعت نہیں ملا ، میں یہ نہیں کہتا کہ کبھی نہیں
ملے گا ، مگر اس کے لیے معاملے کو کونسل میں پیش کرنا ہوگا ۔ مطمئن
رہو کہ وقت رخصت خلعت گرانمایہ با ضمیمۂ خطاب بہادری جس کی تمنا کی
ہے [مگر اس سے قبل خطاب کا ذکر نہیں] پیش گاہ لارڈ صاحب سے دلواؤں گا ۔
دوشنبے کو حاضر دربار ہوا ۔ میں نے نواب گورنر کو دو اشرفیاں نذر پیش کیں ،
علی الرسم معاف کی ۔ ,, توقف نمودہ و نیازمند یہای مرا (..) پرورش و عنایت
دار ۔ عطر و پان بدست خود عنایت فرمودند ،، (...) دھلی و سفیر شاہ اودھ
وکیل نواب مرشد آباد نے اپنے موکلوں کا شوق بیان کیا ، کہا کہ میں خود
ان اضلاع میں پہنچتا ہوں ۔ اس سے قبل ,, زبان زد عوام ،، تھا کہ نواب گورنر
(.........) و مجموع افراد عملۂ کونسل ,, ھندوستان ،، جائیں گے ۔ اب
ثابت ہوگیا کہ سفر متیقن ہے ۔ سوال یہ ہے کہ کونسل ساتھ جاتی ہے
یا نہیں ، پہلی صورت میں مجھے بھی جانا پڑے گا ، مولوی فضل حق خط
جو ,, خط خانگی ،، کے ساتھ دھلی سے آیا ہے ، عرضداشت کے ساتھ جاتا ہے ۔
۱۷ فروری مطابق ۱۳ شعبان ۔

[۱۰]

بشرح صدر : '' حضرت قبلہ گاہی ... '' کل ۳ رمضان اور روز دو شنبہ تھا۔ '' زاویہ نشینان وطن '' کا ایک خط ملا کہ ۵ شعبان کو تمھارا مقدمہ '' داخل کواغذ مسل '' ہوا۔ ہر چند کہ یہ بات سمجھ میں نہ آئی ، لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرضداشت پیش ہوئی ۔ غالب کہ اسی ہفتے کارفرما یا وکیل کا خط آئے جس سے حالات معلوم ہوں ۔ نواب سید علی اکبر خاں بہادر کو '' کاروبار شادی '' سے فراغت ہوئی ، دربار میں حاضر نہ تھے ، اس لیے میں نے خط لکھا اور جویائے حال ہوا ، جواب آیا کہ طبیعت ناساز ہے ، میں عیادت کو گیا ، انھیں '' عارضۂ ریگ گردہ '' تھا ، ظاہر 'مادہ' کم تھا ، جلد صحت ہوگئی ۔ کامل پانچ دن وہاں گزار کر کل گھر واپس آیا تو '' پاسبان کاشانہ '' نے مکتوب دہلی دیا جس کا مضمون اوپر درج ہے ۔ (......) مقدمۂ بھگوانداس میں کہ اس سے قبل دریافت کر چکا ہوں کہ روپے اسی قدر (.....) '' بھگوانداس رسانید و...... آن قبلہ سہو در تحریر فرمودہ بودند ۔ اما در باب بیع کتب (.....) رنگی از معاملہ داشت ...... زحمت تحریر بر انامل مخدومی (... ..) روا داشتم چنانچہ رقعۂ مرقوم بدستخط خود شان در نورد عرضداشت بنظر خواہد گذشت ''۔ خبر ہے کہ برسات میں نواب گورنر کونسل اور عملے کے ساتھ ہندوستان جائیں گے اور تین سال ضلع میرٹھ دارالسلطنت قرار پائے گا ۔ اس صورت میں '' وابستگان کونسل '' وکلا ہوں ، یا اہل داد ، سب ہم سفر ہوں گے ۔ مجھے یہاں تاب اقامت نہیں ، مگر سر و برگ سفر کہاں ؟ مقدمے نے کوئی صورت اختیار کی ہوتی تو سرکار سے قرض مانگتا ۔ '' یا خود آن بودی کہ حضرت ...... در پیجناب اجارہ فرونماندہ بودندی تا کار من رونق ...... گرفتی و دریں باب سگالش نرفتی ''۔ مگر یہ شکل ہے ، نہ وہ ، کیا کہوں میری کیا کیفیت ہے ۔ کاش نواب ذوالفقار بہادر کو اس کی توفیق ہو کہ امین کرن سے ہزار روپے اور دلوادیں ۔ جی میں آتا ہے کہ نواب کے نام اس مضمون کی ایک عرضداشت آپ کے پاس بھیجوں کہ آپ پڑھیں اور مرزا اوزبک جان برادر کوچک مرزا مغل بیگ کو کہ میرے بھائی اور قوت بازو ہیں ، اچھی طرح سمجھادیں کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیں ۔ '' قبل از مرگ واویلا '' اس لیے ہے کہ اس رستخیز میں صرف چار ماہ کی دیر ہے اور وہ گروہ جس کا میں حاجت مند ہوں ، سخت بے پروا ہے ۔ تہی دستی کا حال یہ ہے کہ رمضان آگیا ہے اور توشہ ختم ہو گیا ہے ۔ اگر شعبان میں لارڈ صاحب کی ملازمت نہ ہوتی تو رمضان اچھی طرح کٹتا ، لیکن روپے انعام '' عملہ و خدمہ سکرتری و گورنری '' میں صرف ہوئے ، ہر چند کہ اس میں صرف بھی فراخدستی و کشادہ دلی نہ تھی ۔ چار پانچ ماہ کی اقامت کے لیے اسی قدر کافی ہوگا ، جو پہلے عنایت ہوا تھا ۔ امید ہے کہ آپ یہ رقم روانہ فرمائیں گے ۔ '' و در باب آخروی تاملی بسزا فرمودہ شود ''۔ اسداللہ ، ۴ رمضان سہ شنبہ ۔

[۱۱]

رخ صدر: "حضرت قبلہ گاہی ..." دربار وغیرہ کا حال لکھ چکا ہوں، اور یہ بھی کہ رہے کس طرح فراہم ہوں۔ آج پنجشنبہ ۱۳ رمضان ہے، ایک خط "پاشکستگان وطن" کا آیا ہے، ہر چند کہ لکھوانے والوں کا "مذاق آگہی" خام ہے، اور نویسندہ سلیقۂ اظہار مدعا نہیں رکھتا، اتنا معلوم ہوا کہ وہاں کی 'داوری گاہ' میں مقدمہ 'روبکار' ہوا اور 'فرمانده' نے اپنے کار پردازوں کو جستجو (...) پر مامور کیا۔ یقین ہے کہ چند دنوں میں وکیل یا 'کارفرما' کا خط آئے۔ رسیڈنٹ ۲ شعبان کو دہلی پہنچا، ۵ کو 'داد نامہ' 'داد گاہ' میں گزرا، اور یہ خط جو اب جاتا ہے ۲۹ شعبان کا ہے۔ مصلحت ہے کہ آپ منشی محمد حسن کو ایک دوستانہ خط لکھ کر حالات معلوم کریں۔ 'کارفرما' ذرا 'کاہل قلم' ہیں اور یہ "غرور بکدلی" کی وجہ سے ہے، ورنہ ان کی دوستی کا کئی بار امتحان ہو چکا ہے۔ رات ایک غزل کہی ہے "چوں مطلع آن... داشت طراز خاتمۂ عبودیت نامہ" ہوتا ہے:

لذت عشقم بفیض بے نوائی حاصل است
آنچناں تنگست دست من کہ پنداری دل است

۱۳ رمضان پنجشنبہ بھی (عمہ) کا خط جو دہلی سے آیا ہے ملفوف ہے، پڑھنے کے بعد چاک کر کے سپرد آب و آتش ہو۔

[۱۲]

قبلہ گاہا، جان بیلی جو اعظم و ارفع اجزائے کونسل ہیں، برہما گئے تھے، کلکتہ آگئے۔ لارڈ بنٹنک گورنر شکار کو پورب گئے تھے آج واپس ہوں گے۔ ایک 'معتمد' کہتا تھا کہ 'اچانک' واپسی ہوئی۔ راجہ اودت سنگھ بنارس ایک جماعت کے ساتھ جاهسدانہ وارد کلکتہ ہیں، مشتہر یہ کیا ہے کہ جگن ناتھ جاتا ہوں، لیکن دراصل اس لیے آئے ہیں کہ صاحبان نے ان کی عملداری کے لیے جو نیا قانون بنایا ہے، وہ اس پر راضی نہیں، وہ اس کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ اور یہ بجا بھی ہے کہ اس سے ان کی سطوت فرماں روائی کی بربادی ہے، مگر قانون بدلے گا نہیں۔ اگست میں گورنر مع اعیان کونسل و اشخاص دفتر خانہ عازم ہندوستان ہوں گے اور وہاں کے معاملات وہیں طے ہوں گے۔ داد خواہ لکد کوب رسیڈنٹ و ایجنٹ سے بچیں گے۔ اوائل فروری میں ایجنٹ لا محالہ دہلی پہنچ گئے ہوں گے۔ صاحب سکرتر کو مجھ سے التفات تام ہے، بسبیل مطائبہ کہتے تھے کہ اب آپ لوگوں کو رزیڈنٹ سے ایمنی ہے، جناب لارڈ صاحب ہر مقدمے کا خود فیصلہ کریں گے۔ مولوی ولایت حسن خان دورے سے واپس آ کر دو چار دن کے بعد پھر گئے۔ مجھے بعد کو خبر ملی ورنہ ان کے پاس جاتا۔ علی اکبر خان طباطبائی سا صاحب دل بنگالہ میں نہیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ "گرامی گوہر" کس کان کا ہے ۔ ہگلی سے آتے ہیں تو میرے یہاں ضرور آتے ہیں ۔ "(......) ابن دیار از راہ حسد با من در افتادہ بودند" ۔ انہوں نے میری مدد کی ۔ ان کی چھوٹی بیٹی کی شادی درپیش ہے ، مجھ سے فرما گئے ہیں کہ میں طلب کروں تو ایک ہفتے کے لیے میرے یہاں آ کر رہو ۔ اس کا منتظر ہوں ، ظاہرا ابھی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ۔ ان کے دو رقعے ملفوف ہیں کہ آپ ان کی خاکسار نوازی سے آگاہ ہوں ۔

[۱۳]

" قبلہ گاہی ... " ۔ جمعہ ۲۹ ربیع الاول تھی کہ مولوی ولایت حسن کا آدمی ان کا اور آپ کا خط لایا ۔ آپ کی اور آپ کے بھائیوں اور عزیزوں کی خبر معلوم کر کے خدا کا شکر بجالایا ۔ مولوی صاحب کے خط میں ہے کہ دوسو روپوں کے تین قطعہ نوٹ " مطابق زبان این دیار " آپ کے ارشاد کے بموجب مرسل ہیں ۔ حیرت ہے کہ آپ کے خط میں اس کی طرف اشارہ نہیں ، اور یہ بھی بدیہی کہ یہ آپ کے ایما کے بغیر نہیں ۔ ایک صورت یہ کہ آپ نے انہیں میری " پرورش " پر مامور کیا ہے ، یہ ہے تو اس کا ادا کرنا ضرور ہے ، خواہ آپ ادا کریں یا میں خود ۔ دوسری یہ کہ روپے آپ کی طرف سے ہیں ، " کاروبار اجارہ " میں آپ کو جو نقصان ہوا ہے ، اسے دیکھتے ہوئے ، ضمیر پراگندہ ہوتا ہے ، لیکن "چوں حاجت خود را قوی تر و خودرا درماندہ تر می نگرم ، در قبول آن (...)" اگرچہ یہ جانتا ہوں کہ " پیچتاب تقاضائے سرکار " میں روپے بھیجنا آسان نہ تھا ۔ حق یہ ہے کہ یہ رپے نہ آتے تو سخت مشکل کا سامنا ہوتا ۔ اب " بین السفر والا قامت " تردد نہیں ، اس لیے گھوڑا ۱۵۰ میں بیچ دیا ۔ ایک سائیس اور ایک خدمت گار کو برطرف کر دیا ہے ، اور تین خدمت گار اور ایک کہار اس وقت میرے پاس ہے ۔ اور میں خود آدھا آدمی ہوں ، اس لیے کہ اور لوگ دن بھر میں کم از کم دوبار کھاتے ہیں (...) بیع اسپ کے بعد پچاس روپے صرف میں آئے ، سو روپے باقی تھے ، فکر تھی کے جاڑا آ گیا ، کمل وغیرہ کی ضرورت ہے ، آپ کی دستگیری نے اضطرار سے رہائی دی ۔ قیمت اسپ ساز و برگ سرما کی فراہمی اور ربیع الثانی کے چار ہفتوں تک کے کام آئے گی اور دو سو رپے غرہ جمادی الاول سے غرہ رمضان تک وفا کریں گے ۔ اس لیے کہ پچاس رپے ماہوار سے زیادہ خرچ نہ کرنا طے کر لیا ہے ۔ پانچ مہینوں میں اگر مقدمہ انفصال کے قریب آیا تو ممکن ہے کہ سرکار سے قرض مل سکے ۔ خدایگانا آج " کواغذ مقدمہ " دہلی بھیجے ہوئے بیالیسواں دن ہے ۔ اب تک جواب نہیں آیا ۔ اس ڈاک میں خط تلف نہیں ہوتے ، مکتوب الیہ " ہمدمان یکدل " سے ہیں ۔ اس انتظار میں ہوں گے کہ مقدمے کی ہدایت ہو جائے تو خط لکھیں ۔ میر کرم علی کے نام کا خط ملفوف ہے ، انہیں طلب کر کے مطالب سمجھا دیں کہ

انھیں '' دخل فکر الہامی '' کی ضرورت نہ پڑے ، ان کا جواب بھی اپنے خط کے ساتھ روانہ فرمائیں - '' برادران و عزیزان و نور چشمان '' کو ماوجب -

[۱۴]

' قبلہ گاھا ' منگل ۲۷ رجب کو ایک خط بھیجا ھے '' بر (......) یکشنبہ بود کہ بریدی از بریدان ڈاک رسید '' اور ربوبیت نامہ وصول ھوا - '' تا عنوان ... گشودہ شد نظارہ فروز رقمی موسومہ مخدومی (...) دام شوکتہ کہ در نظر جلوہ کرد چوں میدانستم کہ جناب ممدوح تشریف آوردہ بودند و باز رفتند ناگزیر نیاز نامہ (...) جناب میر صفات علی خان صاحب رقم زد ، و آن گرامی نامہ را در وی نوردیدہ بملازمی دادم تا بہ اتالی بخدمت میر صاحب موصوف (...) ھنوز برندہ' آن نامہ معاودت نکردہ بود کہ آدم ... مولوی ولایت حسن صاحب رسید و منشور سرفرازی (...) نوک خامہ' جناب ولینعمی درنورد عنایت نامہ جناب ممدوحی بمن رسانید ... نوازشنامہ' جناب (...) قبلہ مرقومہ' بیست و نہم جنوری کتابتی بود کہ ملفوف مکتوب لالہ کالجی مل سمت ترسیل یافتہ بود ، بندہ خود در تفقد نامہ ازیں عبارت کہ (...) عرضداشت از جانب تو رسید ، یکی را جواب پیش ازیں فرستادہ ام ، حیرتی برداشتہ بودم کہ کدام پاسخ بمن رسیدہ ، اکنون پردہ از روی کار افتاد کہ ایں ھمان عنایت نامہ' موعود است ''۔ بہر حال یہ معلوم ھوا کہ مولوی صاحب دورے سے پھر واپس آ گئے ھیں - '' ناکامی روزگار گذشتہ '' کی تلافی کی اور ان کے پاس گیا ، اس وقت انھیں کے یہاں ھوں اور یہ عرضداشت آپ کے پاس بالذا بھیجنے کے لیے انھیں حوالے کی ھے ۔ نواب علی اکبر خان کے یہاں شادی میں شرکت کے لیے گیا تو آپ کا پیام ان تک پہنچاؤں گا - محمد اسد اللہ ، ۴ فروری چہار شنبہ -

[۱۵]

قبلہ گاھا ، روز ورود کلکتہ سے اس کا خوگر ھوں کہ مہینے میں دو بار آپ کا خط آئے ، لیکن اس بار دو مہینوں سے خط نہیں ملا - صحت کا کیا حال ھے ، اور معاملہ اجارہ دیہائے سرکار کی کیا کیفیت ھے ؟ دھلی سے خط آیا ھے کہ کواغذ مرسلہ پہنچے ، کارفرمائی (...) ھنوز وکالت سے قوت سے فعل میں نہ آئی تھی کہ داور دورے پر چلے گئے ، ان کا انتظار ھے - یہ مجھ پر مجہول ھے کہ وہ جب تھے تو کارروائی کیوں نہ ھوئی - پانچ ماہ سے صاحب سکرتر کے سلام کو نہ گیا تھا لیکن '' یوم عید یوم الاکبر '' آیا تو ناچار جانا پڑا (...) شکایت کی اور وعدہ لیا کہ بعد ھفتہ عشرہ ان کی خدمت میں پہنچا کروں - میں خدا سے چاھتا تھا (...) اور نہ جانا شرم ناواقفیت حال مقدمہ کی وجہ سے تھا - مقدمے کے متعلق گفتگو ھوئی - '' انداز و ادا '' سے معلوم ھوتا ھے کہ '' اھالی کونسل (...) فائدہ سرکار کہ درضمن مشاھرہ' پنجاہ سوار کہ بحساب ھزار روپیہ ماھوار وجہ بیست و چہار سال بہ سہ لک روپیہ میرسد ، .... امید تو ھے کہ کامیابی ھو - منشی ولایت حسن صاحب

دورے پر گئے ہیں - جان بیلی صاحب ''اعظم و ارفع صاحبان کونسل ،، ہیں اور زمانۂ سابق میں گورنر بھی رہ چکے ہیں ، برہما گئے ہیں ، اور بنٹنگ صاحب گورنر شکار کے لیے پورب گئے ہیں ، خبر ہے کہ دو ہفتوں میں واپس ہوں گے ، ایک ہفتہ گزر چکا ہے - مولوی عبدالکریم میر منشی دفتر خانۂ فارسی آٹھ ماہ کی رخصت پر بعبور دریا عازم لکھنؤ ہوئے ہیں ، اور عظیم آباد تک پہنچ چکے ہوں گے - '' از نوادر حالات آنکہ سخن فہمان و نکتہ رسان این دیار پس از ورود این خاکسار بزم سخن ترتیب دادہ بودند کہ در ہر ماہ شمسی ، انگریزی بہ یکشنبۂ نخستین سخن گویان و سخن فہمان در مدرسۂ سرکار کمپنی فراہم شدندی ، و غزلہا خواندندی و شنیدندی - ناگاہ سفیری کہ از طرف پادشاہ ہرات حرسہا اللہ تعالیٰ عن الآفات رسیدہ است ، در آن انجمن حاضر گردید ، اشعار پارسی گویان این گرامی ...... شنید ، مرا بہ بانگ بلند ستود ، و گفت قدر این کلام را در ہندوستان کہ خواہد دانست؟ آنچہ تو میگوئی درخور آنست کہ فصحائے ایران این را بشنوند ، و حظ بردارند - دیگر رو بجماعت کردہ گفت یاران این شخص درمیانۂ شما مغتنم است ، و قطع نظر از شعر و شاعری عالم زبان پارسیست - چون طبائع بالذات مفتون خود نماسیست ، حسد بردند و کلانان انجمن و گرانمایگان (...) اعتراض نادرست برآوردہ آن را بنام بعضی از سفہا شہرت دادند ، جوابہا یافتند ، و پس بزانوای خاموشی نشستند (...) دام اقبالہ دربن داوری بامن ہمزبان بود ، و شوریدگان را بحسن ادا فرونشاندہ چنانچہ فقیر (...) عرض عجز و انکسار خویش رقم کردہ است ، و باوجود اظہار ایاز جوابہای اعتراض نیز موزون ساختہ (...) غالب کہ بقالب طبع نیز ریختہ شود ،، آیندہ جائے گی - میر کرم علی کے نام کا خط جاتا ہے - محمد اسداللہ ، ۴ رجب -

[۱۶]

والا نامے کے جواب میں عبودیت نامہ غرۂ ذی الحجہ کو مرسل ہوا ، آج اس ماہ کی آٹھویں ہے - کل مولوی ولایت حسن آئے تھے - بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ '' حضور لامع النور نواب معلی القاب نواب ذوالفقار بہادر دام شوکتہ ،، کا شقہ میری پانچ عرض داشتوں کے جواب میں موصول ہوا -

[۱۷]

قطعہ ہنڈوی جو بعد تفتیش شاہ جوگ نکلی ، حوالۂ مولوی ولایت حسن ہوئی ، اور دو سو رپے جس میں سے ''وجہ ... چہل روزہ'' (.......) وصول ہوئے - سنیچر ۲۷ شوال کو منشی عاشق علی خان بہادر میرے یہاں آئے - افسوس کہ وہ سفارت سے مستعفی ہو گئے ہیں اور دو ہفتوں سے 'بارگاہ' میں نہیں جاتے ، بطور خود یہاں مقیم ہیں - دوران گفتگو میں بولے کہ منشی محمد حسن دہلی پہنچ گئے ہیں اور اپنے خدمات پر مامور ہیں - ۲۸ شوال کو وکیل کا خط دہلی سے آیا ، اس کے ساتھ نوازش نامۂ مہری رسیڈنٹ بنام

احقر تھا ۔ اس کی ھو بھو نقل یہ ہے : '' خانصاحب مہربان سلامت ۔ بعد شوق ملاقات واضح باد کہ خط آن مہربان در خصوص اظہار مطالبات با دیگر کاغذات مصحوب پنڈت ھیرا لعل وصول نمودہ مندرجہ چہرہ' ایضاح گشود ۔ مہربانا دریں مقدمہ بحضور اھالیان کونسل صدر حسن ترقیم یافت، بعد ورود جوابش بدان مہربان سمت تسطیر خواھد یافت ، مرقومہ ھفدھم اپریل '' ۔ دوشنبے کے دن جو روز بار وکلا ہے ، دفتر خانے گیا ، ریسیڈنٹ کا خط دکھایا ، خداوند بارگاہ نے کہا کہ کوابروگ (کذا) صاحب کو یہاں سے ' جواب با صواب ' گیا ہے ۔ ' با صواب ' خود ان کی زبان کا لفظ ہے ۔ یہ بھی بولے کہ رزیڈنٹ کی نظر عنایت آپ پر ہے اور قریب ہے کہ ان کی تحقیقات کی رپوٹ یہاں آئے ۔ کل کہ روز سہ شنبہ اور ۳۰ شوال تھی خطوط لکھتا رھا ، آج آپ کو لکھتا ھوں (...) ۔

[۱۸]

بیکسان پناھا ، دو ماہ سے زیادہ ھوا کہ خط نہیں آیا ، مولوی ولایت حسن سے ' استشعار ' ھوا تو معلوم ھوا کہ وہ بھی منتظر خط ھیں ۔ عرضی کونسل میں پیش ھوئی ، ابھی جواب نہیں ملا ۔ '' تازہ '' یہ کہ مقدمہ صاحبان کونسل نے قبول کیا ، لیکن یہ کہا کہ قاعدے کے مطابق پہلے رسیڈنٹ دھلی کے پاس پیش ھونا چاھیے ۔ میں نے کہا کہ '' سر و برگ سفر و تاب و توان معاودت '' نہیں ، تو جواب ملا کہ وکیل کے ذریعے سے یہ کام انجام دو ۔ وطن کے ایک دوست سے رجوع کیا ، اس نے '' کارفرما '' ھونا منظور کیا اور ایک وکیل مقرر کیا ، میں نے مختار نامہ مع دیگر کاغذات دوست کو جو مجھ سے زیادہ مجھ پر مہربان اور مجھ سے زیادہ قاعدہ داں ہے ، بھیج دیا ہے ۔ '' تا درمیانہ خواستہ' کرد گار چیست '' کامیابی کی امید تو بندھتی ہے ۔ پسر احمد بخش خان جو ان کا جانشین ہے ، رندانہ زندگی بسر کرتا ہے ، اور اس کی شوریدہ وصفی '' حکام و اھل القوم '' کے نزدیک ناستودہ ہے ، شہری بھی اس کے اختلاط سے نفور ھیں ۔ ایک امیر کلکتہ کی مہربانی سے ایک صاحب عالیشان نے کولبروک صاحب کے نام تو خط لکھ دیا اور وہ دھلی گیا ، لیکن کوئی آدمی جو التفات حسین خان منشی کولبروک کو سفارشی خط لکھ سکے ، یہاں نہ ملا ۔ '' التفات حسین خان (......) مولوی عزیز اللہ نام بزرگیست '' اگر آپ سے اشنائی ھو تو براہ راست انہیں خط لکھ دیں کہ مقدمہ' اسد اللہ خان جو بتوسط ھیرا لعل وکیل دائر ھوا ہے ، '' این جانب '' کا مقدمہ ہے ، اگر آپ سے واقفیت نہ ھو تو حکیم سلامت علی خان سے ان کے نام کا خط لے کر دھلی بھیج دیں ، یہاں ھرگز نہ آئے ، اس میں دیر ھوگی ۔ ایک خط بنام مرزا امیر بیگ خاں نواب ذوالفقار بہادر دام اقبالہ ملفوف ہے ، اسے دیکھ لیں اور مکتوب الیہ تک پہنچا دیں ۔ محمد اسداللہ ۔

[۱۹]

'' حضرت قبلہ گاھی ... '' والا نامے میں القاب ھیں '' قبلہ' مہجوران

سلامت '' یہ مغز جان کے لیے نشتر ہے اور مدت العمر یاد رہے گا ۔ عرض‌داشت جو اخوی مولوی ولایت حسن کے خط کے ساتھ ملفوف ہے ، میرے سوز سینہ کی پردہ کشا ہوگی ۔ '' اگر بفرزندی مہر نمیدارند ، غلامی خریدہ انگارند و خواہی نخواہی بتلافی 'قبلۂ مہجوران سلامت' القابی کہ دست آویز نازش ابن ننگ آفرینش تواند بود رقم فرمایند '' :

گر تو مرا نخواہی من خویش را بسوزم
جائے کہ آب نبود روزی کے باد باشد

'' لختے بنیروی ازو پارہ بسعی نظر ، رپورٹ فرماندہ دہلی با ضمیمہ حکم ... '' حاصل ہو گئی ہے اور اس خط کے ساتھ ملفوف ہے ۔ مکتوب وکیل ابھی دہلی سے نہیں آیا (...) لیکن مضمون صفحۂ راز سے خبر ملتی ہے کہ '' درنگ مکتوب وکیل مبشر است بہ نندر (؟) ہفتۂ گذشتہ (...) ۔

۴۷۵ روپوں کی ہنڈوی اکبر آباد سے آئی ، روپے وصول ہوئے اور جواب اکبر آباد (...) ، ابھی تک آپ کے عطیے میں سے کچھ باقی ہے ، اور قبل '' خرامش کاروان کونسل '' کامیابی کا امیدوار ہوں ۔ خاطر جمع رہے کہ اب ایسا اضطرار نہیں کہ اہالی بزم نواب کے آگے بگدائی ہاتھ پھیلاؤں ۔ امید ہے کہ اس جماعت سے اس معاملے میں گفتگو نہ کریں مگر اسے اس راز کا محرم بھی نہ بنائیں ۔ منشی عاشق علی خان یکم ذی‌الحجہ کو براہ دریا کلکتہ سے روانہ ہوئے ۔ جہت سفر مجھے معلوم نہیں ۔ حکیم ظفر علی خان جو اشراف فیض آباد سے ہیں ، ان کی جگہ عہدۂ سفارت پر لکھنؤ سے آئے ہیں ۔ مولوی عبد الکریم رخصت ہشت ماہ پر لکھنؤ گئے تھے ، واپس آ رہے ہیں اور عظیم آباد تک پہنچ چکے ہیں ۔ غالباً اس مہینے کے آخر تک یہاں آجائیں گے ۔ منشی محمد حسن دہلی پہنچ کر اپنے عہدے پر قائم ہیں ۔ نواب علی اکبر خان بہادر کشاکش حکام سے فارغ ہیں اور '' اغلب واکثر '' آم بھیجتے رہتے ہیں ۔ اسد اللہ

[۲۰]

عنایت نامہ ملا ، حسب الارشاد مزار کثیرالانوار جناب اقضی القضات پر جانا ہوا ، مکتوب اسمی میر کرم علی سے معلوم ہوا ہوگا ۔ خط لکھنے میں دیر تساہل سے نہ تھی ، چاہتا تھا کہ کوئی قابل تحریر امر ہو تو لکھوں ۔ گرامی نامے کے وصول ہونے کے بعد عرض داشت جناب بیگم صاحبہ و قبلہ (...) '' ۔

ایک دوست نے راہنمائی کی اور دولت سرائے مخدومی مرحومی میں ایصالی گیا ۔ پہلے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا ۔ '' بیاد عہد (..) و لختی بر بیکسی خویشتن گریستم '' عریضے کو حرم سرا میں بھجوایا ۔ مولوی غلام

غنا مجھے حرم سرا میں لے گئے اور بیگم صاحبہ نے بے توسط پردے کے پیچھے سے بات کی ۔ آپ کا حال پوچھا ، میری کیفیت دریافت کی ، اور یہ کہا کہ میرے بھانجے مولوی ولایت حسن موجود نہیں ، وہ آئیں گے تو آپ کے پاس جائیں گے اور اس گھر میں آپ کے ٹھہرانے کا انتظام ہوگا ۔ بازار سملا شہر اور بارگاہ حکام سے دور ہے ۔ اس کے بعد جناب ، مخدومہ ممدوحہ کے در دولت پر حاضر نہیں ہوا ، اور میر ولایت حسن ابھی تک دورے سے واپس نہیں ہوئے ۔ ایک " معتمد " صبح کو کہتا تھا کہ آج آئیں ۔ گے آج سہ شنبہ ۱۴ شوال ہے ۔ میں کاغذات کی نقل کی فکر میں رہا ، یہ دشوار نظر آیا تو اس سے در گزرا اور ان کواغذ کو خصوصاً اور دفتر سرکار کو عموماً مقدمے میں بطور ثبوت قرار دیا ۔ ایک عرض داشت مشتمل بر ماجرائے بیست سالہ لکھی ، دو شنبہ ۱۳ تاریخ کو روز دربار ہے اور مجموع سفرا و وکلا و اھل بار اس دن فریزر صاحب سے ملتے ھیں ۔ ان کے پاس پہنچا ۔ یہ ایک صاحب عالیشان ھیں اور اس درگاہ کے " بواب " بلکہ بمنزلۂ باب ھیں ۔ وہ کل اھل حاجات اور صاحبان کونسل کے درمیان واسطہ ھیں ۔ عرائض پہلے انھیں کے پاس پہنچتے ھیں ، اور وہ ان کا انگریزی ترجمہ صاحبان کونسل کو پیش کرتے ھیں ۔ میں مع عرض داشت موسومۂ نواب گورنر بعد اطلاع ان کے پاس پہنچا ۔ اٹھے اور معانقہ کیا ۔ میں نے مجملاً حال بیان کیا ، نصراللہ بیگ خان ، میرے چچا کا نام سنا تو بولے کہ میں انھیں جانتا ھوں ، آپ ان کے کون ھیں ؟ میں نے جواب دیا کہ ان کا حقیقی بھتیجا ھوں ۔ عرضی گریبان قبا سے نکال کر پیش کی ، رزیڈنٹ کی خدمت میں عدم ارجاع کا عذر قبول ہوا ۔ فریزر صاحب کو اختیار ہے کہ اگر کسی مقدمے کو کونسل کے قابل نہ سمجھیں ، خود جواب دیں ۔ وقت رخصت عطر و پان اپنے ھاتھ سے دیا اور تمام قد کرسی سے اٹھ کر میرا سلام لیا ۔ ان امور کے وقوع کو احیائے اموات سمجھتا ھوں ، جو ھوا ھرگز گمان میں نہ تھا ۔ (...)
میرزا یوسف دیوانۂ سرشار تھے ، سراپا برھنہ رھتے اور ماں کو ماں نہ کہتے (...)
۲۷ رمضان کو ان کا خط ملا ، القاب و آداب ھوش مندوں کی طرح لکھتے ھیں ۔ خوشی سے زار زار رونے لگا ۔ اس کے بعد " خط خانگی " دیکھا تو لکھا تھا آپ کے جانے کے بعد ھم سب ڈرتے رھتے تھے ۔ اور دن رات ان کے نالہ و فریاد اور زدوگشت سے بری طرح گزرتے تھے ۔ ایک سرکار شاھی کا فیل بان ایک خادمۂ محل کے ذریعے بہم پہنچا ، وہ کہتا ہے کہ میرزا پر جادو ھوا ہے ۔ اس کے کہنے سے شہر کے باھر ایک درخت کی جڑ کھو دی گئی اور ایک کنواں ڈھونڈا گیا ، اس نے جو کچھ بتایا تھا ، وھاں ملا ۔ اس کے معالجے سے انھیں قدرے افاقہ ہے ، چنانچہ کپڑے پہنتے ھیں ، ستر عورت کو چھپاتے ھیں ، بول و براز سے احتراز کرتے ھیں ، کھانا دسترخوان پر کھاتے ھیں ، اور زن و دختر و مادر کو زن و دختر و مادر سمجھنے لگے ھیں ۔ " باللہ صحت او را گرامی تر از زندہ گشتن پدر مردہ دانستہ ام " ۔ امید ہے کہ

آپ اسے اپنا فرزند سمجھ کر مسرور ہوں گے ۔ میر کرم علی صاحب کو بھی اس کی اطلاع ہو ۔

گر کسے شکر حق فزوں گوید
شکر توفیق شکر چوں گوید

[۲۲]

۲۹ ذیقعدہ روز جمعہ تھا کہ ربوبیت نامہ وارد ہوا ، دل بہت پریشان تھا اور میں آپ کی کرامت پر ایمان لایا ۔ ۲۰ رمضان کی دوپہر تھی کہ آپ کا پہلا خط لے کر ایک دوست کی رہنمائی میں فاتحہ خوانی کے بعد ، بیگم صاحب کے یہاں پہنچا ۔ کچھ لوگ جو اس در دولت کے متوسل تھے ، مجھ سے پرس و جو کرنے لگے ، ہر چند میں نے کہا کہ اس سفر میں مولوی محمد علی خان صاحب سے پہلے پہل ملا ہوں ، مگر قبول نہ کرتے تھے ، اور مجھے آپ کا رشتہ دار سمجھ کر اندیشہ کرتے تھے کہ میں خصومت کے لیے آیا ہوں ۔ بعد کو مولوی غلام علی برادر زادۂ بیگم صاحبہ آئے (...) '' ہر چہ گفتند یکی از آن مفہوم کتب (کذا) و تردد در ارسال آن بود بنوعی کہ ما میخواستیم بفرستیم ، و برندہ بہم نمی رسد '' ۔ میں نے جواباً کہا کہ یہ خط کالک مشکیں رقم کی تراوش ہے ، مجھے زحمت کیا ہے ، اگر حصول کتب کا طریقہ بتایا جائے تو میں انہیں اپنے پاس رکھ لوں گا ، اور وقت معاودت حوالے کردوں گا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتابیں '' یکایک '' نہ دیں گے ۔ مولوی ولایت حسن اوائل شعبان میں دورے سے واپس ہوئے ، آپ کا خط بیگم صاحبہ کی خدمت میں پہنچاؤں گا ، اور جو بات پہلے کہی تھی ، پھر کہوں گا ۔ علی اکبر خان ہگلی میں ہیں ، تین بار وہاں گیا ہوں ، اور وہ بھی ایک بار جب کلکتہ آئے تھے تو میرے یہاں تشریف لائے تھے ۔ کافر ہوں اگر دہلی سے کلکتہ تک ایک ، '' معمر امیر '' اس '' لطافت طبع ، نزاکت ادا ، حسن بیان ، فہم درست اور مشرب صاف '' کے ساتھ دیکھا ہو ۔ یہ '' مہذب '' بھی ہیں اور '' مہذب '' بھی ، مگر مولوی محمد علی خان کہاں کہ میرے سے شخص کے کام آئیں ۔ آب و ہوائے کلکتہ مجھے سازگار ہے ، شدت گرما میں ناریل کا تازہ پانی '' باضافۂ قند و نبات '' مفید ثابت ہوا ۔ آج کل برسات کا موسم ہے ، میں نے اس کا استعمال ترک کردیا ہے ۔ عوارض بدنی کی شکایت نہیں ، بلکہ یہاں دہلی سے بہتر ہوں ۔ افضل بیگ '' از یاران و معاشران و ہم صحبتان راقم '' یہاں وکیل اکبر شاہ ہیں ، ان کی اور منشی عبدالکریم کی دوستی ہے ، بلکہ دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہیں ۔ افضل بیگ خواجہ حاجی کے سالے ہیں ، اور یہ وہ شخص ہے جسے احمد بخش خان نے میرے چچا کا رشتہ دار بتا کر میرا شریک قرار دیا تھا ، اور میرے مقدمے میں ایک درخواست یہ بھی ہے کہ اس کی شرکت غلط ہے ۔ افضل بیگ مجھے مجمع اہل تسنن میں رفض و غلو اور

امامیہ میں الحاد و زندقہ (......) لیکن اس سے میرا کچھ نقصان نہیں ہوا۔
'' وقت ملاقات فریزر صاحب چہ رنگینیہا از مولوی عبدالکریم سر زدہ بود ،
اما اعجاز علی ابن ابیطالب را نازم کہ فریزر صاحب با من در ملاقات و مشایعت
بجا آورد ، و معانقہ و عطر و پان را کہ اعم و اضعف ازانست کہ می پرسد''۔ پہلی
ہی صحبت میں عرضداشت لی گئی ، اور مطابق قاعدہ حوالہ' پاٹن صاحب
ہوئی ۔ ان کا کام فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کرنا ہے ، فریزر صاحب ترجمے
کا اصل سے مقابلہ کر کے کونسل میں پیش کرتے ہیں ۔ گذشتہ دو شنبے کو
میں ان سے ملنے گیا تو ادائے تعظیم و پرسش مزاج کے بعد انھوں نے ترجمہ
دکھا کر کہا کہ مقابلہ کر چکا ہوں ، اور اب یہ صاحبان کونسل کے پاس
پہنچے گا ۔ تمہارا حق سرکار پر ثابت ہے ، اور اہالی سرکار کو حق دار کا حق
دلانے میں محابا نہیں ۔ کونسل میں عرائض کی پیشی کے لیے پنجشنبہ اور
جمعہ مقرر ہے ، آج جمعہ ہے ، شاید عرضداشت کونسل میں پیش ہو چکی ہو۔
انڈرو اسٹرلنگ صاحب '' قوس عروجی کونسل '' کے لیے '' نقطہ' ہدایت ''
اور ''قوس نزولی'' کے لیے '' نقطہ' نہایت '' ہیں ۔ سنا ہے کہ سرمایہ' علم و
آگہی رکھتے ہیں ، سخن فہم ہیں اور لطف سخن تک پہنچتے ہیں ۔ میں
نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جس میں کچھ اپنا حال بھی نظم کیا
تھا ، بغیر کسی دوسرے شخص کی سعی کے ان کی ملاقات ''بردلش گزیدہ'' میسر
آئی ۔ '' اعتبار خاکساریہا افزود ، و امید کامیابی (......) '' قصیدہ پیش کیا ،
اور اس کا کچھ حصہ سنایا ، محظوظ ہوئے اور دلجوئی کی ۔ '' وعدہ ہا داد و
کاغذ ہائے مقدمہ مرا (...) '' اس کے بعد پھر ملنا نہیں ہوا ۔ فریزر صاحب ان کے
پیشکار و پیشدست ہیں ۔ کچھ مقدمے رجوع کونسل کے لیے جمع ہو جاتے ہیں
تو '' فریزر صاحب (......) داد خواہان بوی عرضہ میدارند و او بآن مدعیان
فراخور اندازہ و مقدار ہر یک ملاقات میکند'' قابل سماعت اور ناقابل سماعت مقدموں
کو جدا کرتے ہیں ۔ اس وقت '' نوید بر نوید '' ہے ۔ افضل بیگ نے ایک
بات اور کی ، شعرا میں شہرت دی کہ غالب ، قتیل کو ناسزا کہتا ہے ،
اور شعرائے کلکتہ کو نظر میں نہیں لگاتا ۔ '' ہمہ را بر من بشورانید ، و خلقی
را با من معارض گردانید''۔ مولوی عبدالکریم کے ایک رشتہ دار نے خاص طور پر
میری تذلیل و تخریب کی غرض سے '' انجمن بنا نہادہ و مشاعرہ قرار داد''۔
شعرائے ریختہ کو مصرع ریختہ ، شعرائے فارسی کو مصرع فارسی ، اور مجھے
دونوں بھیجے ۔ یکشنبہ' گذشتہ ۸ جون کو میں بھی گیا ، اور دونوں زبانوں
کی طرحی غزلیں پڑھیں ، خاص و عام متلذذ ہوئے ۔ اور منصفین کے ایک گروہ
نے کہا کہ '' ہرکرا این مایہ فصاحت ، قتیل چہ بلاست ؟ بل اگر برگذشتگان
دگر چوں اسیر و بیدل و امثال اینہا ناز کند ، میرسدش و می زیبدش'' خدا کا
شکر کہ جس ہنگامے کی غرض میری رسوائی تھی ، وہی باعث شہرت و اظہار کمال

ہوگیا۔ آب و ہوائے کلکتہ سے خشنود ہوں ، اگر مقدمے کا آغاز اچھا نہ ہوتا تو آج میں حیدرآباد یا ایران میں ہوتا ، ہرگز یہاں نہ رہتا ، اسپ و متاع بیچ کر قلندرانہ آوارگی اختیار کرتا۔ اُمید نے یہاں اقامت کی قوت بخشی۔ " مخفی نخواهد بود که فقیر بچه بے سروسامانی از وطن (......) خانه را پاک رفته ، و ترک وطن و اهل وطن گفته ، چو در بالدا رسیدم دو هزار روپیه از نواب (......) خرابی داده۔ ما خود اندیشیدم که غالب این همه غنیمت است۔ کروبرد (کذا) اگر مقدمه به کلکته نخواهد شد (......) رخت قلندری بر خواهی کرد و سرتاسر آفاق خواهی گردید (......) یک ماه بوده پاره از بایستنیهای زمستان گرد آوردم و ...... کلکته رسیدم روز ورود (......) شش صد بود ، شعبان و رمضان و شوال و ذیقعده گذشت ، اینک ذی‌الحجه رسیده است (......) از فلک نریزد تا دو ماه دیگر از فکر روزی فارغم۔ توقع موهومی بدستگیر یهای نواب داشتم ، اما (......) چه هرگاه نامه بجناب فرستاده ام ، اول مکتوبی بخدمت نواب و دیگر اخوان و احباب خط جدا (......) اگر بخدمت پنج عریضه رسیده اند ، در آن انجمن نیز پنج عریضه رسیده اند ، اما صدای بر نخاسته "۔ حتیٰ که میر کرم علی نے " اتنی کوچک دلی و گرم خونی " کے باوجود جواب نہ دیا۔ خیال تھا کہ ہزار روپے اور قرض مانگوں ، لیکن امید کا وجود موہوم ہوگیا۔ ذرا آپ تنہائی میں میر کرم علی سے دریافت تو کریں کہ نواب اور ان کے مقرب میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ مقدمے کا حال ان سے پنہاں نہیں ، کوہ و کاہ کا مقابلہ ہے۔ اگر نواب کی مدد رہی تو "دود از نہاد احمد بخش خان و ہوا خواہانش برمیآرم۔ ہرگز لطفی نکرد و لانعمی نگفت "۔ آپ تحقیق کر کے ان لوگوں کی خاموشی کی وجہ لکھیں۔ "فرصت دو ماه آن قدرها نیست ، ناچار هم ازینجا ویرانهٔ خود را بکاوم...... هرچند دو ماه را روزان و شبان بسیار است ، اهل توکل (...) اگر همه در وعدهٔ قتل یک شب درمیان باشد نمیترسند ، اما بشریت اقتضای ذاتی دارد که آدمی را گاه در تصور ماضی افگندد و صور مستقبله را بر ضمیرش ارتسام میدهد ورنه درحقیقت ماضی و مستقبل جز حال نیست ، و حال خود نقطه ایست موهوم که از گردش فلک فرض کرده اند و همچنان گردش افلاک نیز کیفیت از عالم وهم و خیال ، لا موجود فی‌الوجود (...) و از موثر فی‌الوجود الاالله "۔

[۲۳]

تین ہفتے گزرے کہ پنج شنبے کے دن مولوی ولایت حسن آئے اور بولے کہ بر سر راہ ہوں اور دورے پر جا رہا ہوں (...) جسر جاوں گا۔ دروازے تک مشایعت کی اور خدا کے سپرد کیا۔ وقت رخصت کہنے لگے کہ میر صفات علی خان (...) میرے دوست (...) " جانشین و وکیل " ہیں ، خط

بھیجنے کا طریقہ وہ بتائیں گے ۔ آپ کو خط کا انتظار تھا ، ان کے پاس آدمی
بھیجا تو معلوم ہوا کہ کل باندا سے خط آیا تھا ، جسر بھیجا گیا ، میرے نام
کا خط اس کے ساتھ ملفوف ہوگا ۔ آج سہ شنبہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ہے ، میر
.... علی خان کا آدمی آیا اور مولوی ولایت حسن کا خط لایا ، کھولا تو آپ
کا خط نکلا ۔ ''پیش نگشتن مقدمہ در دھلی بتازگی دل را شورش کدہ ساخت''۔
'' ارباب اربعہ کونسل '' نے دھلی جانے کا حکم دیا تو میں نے مسٹر اندرو
اسٹرلنگ سے فریاد کی ۔ جواب ملا کہ نہ جانا ہو تو نہ جاؤ، مقدمہ وھاں
بھیج دو ۔ مجھے تامل ہوا تو بولے کہ کیا سوچتے ہو ، مقدمہ قابل سماعت
ہے ، کوئی وجہ نہیں کہ رزیڈنٹ نہ توجہ کریں ۔ اس سے دل کو اطمینان ہوا ۔
گھر آیا تو یہ فکر ہوئی کہ کسے یہ کام سپرد کروں ۔ دشمن '' جاہ مند''
ہے ، کہیں وہ شخص اس سے نہ مل جائے ۔ آخر مولوی فضل حق ابن مولوی
فضل امام کی طرف دھیان گیا جو منشی برکت علی خان مرحوم کے اقربا سے ھیں
اور آج کل ''سررشتہ دار دیوانی و فوجداری ضلع خاص دھلی'' ھیں ۔ خدا انھیں
زندہ رکھے اور پایہ ھائے بلند کو پہنچائے ۔ میں نے انھیں لکھا کہ وہ اس کام
کو اپنے ذمے لیں اور وکیل مقرر کر کے مطلع کریں ۔ '' بالجملہ من کواغذ
مقدمہ با عرضی دستخطی کونسل و خط صاحب سکرتر کونسل کہ محتوی ایمای
شمول رزیڈنٹ در مبادی مقدمہ بود برائے استواری بنائے مقدمہ و چٹھی صاحب
عالیشانے بنام کولبروک صاحب و خط مخدومی نواب علی اکبر خان بہادر موسومہ
منشی التفات حسین خان ، این مجموع کاغذ پارہ ھا را در ورقی نوردیدہ خود بڈاک
کدہ رفتم و صاحب ڈاک و اھالی ڈاک را بر جمیع آن کواغذ گواہ گرفتہ و سرنامہ
را در حضور آنان بلک فروبستہ ، چوں وزن آن لفافہ گرفتہ شد بدہ روپیہ برآمد ،
محصول ڈاک انگریزی برائے روانگی دھلی یک روپیہ سنک (کذا) بیک روپیہ
میر سد ، دہ روپیہ محصول ڈاک سرہسر گزاردہ ، و رسید ڈاک گرفتہ باخود آوردم''۔
یہ سہ شنبہ ۲۰ صفر کی بات ہے ، مولوی فضل حق کا خط آیا ، مضمون یہ کہ مختار
نامہ مہری بے دستخط رجسٹری نہ بھیجا جائے ، اور جو مختار نامہ گیا تھا ، وہ
رجسٹری کا طراز نہ رکھتا تھا ، فوراً اسٹامپ لیا ، مختار نامہ لکھا اور رجسٹری
کراکے روانہ کیا ۔ ''چنانکہ سہ روز وانکی (کذا) این قطعہ چھارم ربیع الاول
روز دو شنبہ است تا امروز کہ ھفدھم یا ھیزدھم جمادی الاول است (...)
نہ خبری ازاں نامہ و اثری ازاں ھنگامہ پدیدنیست '' ۔ چارہ گر کا یہ حال ہے ۔
بھائی دیوانہ ، تین پردہ نشین خواتین ، ان میں سے ایک کا شوھر نہیں ، دوسری
کا شوھر ہے ، مگر وہ سالا ہے خواجہ حاجی کا ۔ ''ھر آیینہ از وی وحشتی دارم (...)
بفتوای خرد (...) نہ بدستوری وھم '' ۔ تیسری کا شوھر سادات دھلی سے ہے ۔
ھر دانشمند (...) اقرار کرے گا کہ یہ شخص اھل جنت سے ہے ۔

آدم از خاک و سید از نور است
آدمیت ز سیداں دور است

اس میں صلاحیت نہیں ، اسے اس پر مامور کیا ہے کہ اخبار مقدمہ سے آگاہ کرتا رہے اور اکثر مولوی فضل حق کے پاس جاتا رہے ، لیکن اس کے جد امجد کے قربان کہ تین ماہ میں صرف ایک خط اس کا آیا ہے ، اور اس میں بھی کسی بات کی نوید نہیں ۔ انگریزی ڈاک کا خط تلف نہیں ہوتا ، خاص طور پر جب صاحب ڈاک کی مہر ہو ۔ سخت پریشان ہوں ، '' منعم'' کے پاس بھی نہیں جاتا ، وجہ یہ کہ وہ مقدمے کا حال دریافت کریں تو میں کچھ نہ کہہ سکوں گا ۔ ' کارفرما ' کے متعلق کچھ شک نہیں ، ان کے تغافل کا البتہ شکوہ ہے ۔ جانتا ہوں کہ وہ اس خیال میں ہوں گے کہ مقدمے کا آغاز ہولے تو خط لکھوں ۔ '' و خط منشی محمد حسن ...... لامحالہ تاریخی یک ماہ پیش از امروز خواهد بود ، اگر بعد تحریر این قطعہ مقدمہ در پیش گردانده باشد عجب نیست '' ۔

[۲۴]

خط بتوسط اخوی مولوی ولایت حسن ملا ۔ ہنڈوی لے کر خود بازار گیا ، بالآخر اسے مولوی ولایت حسن کے سپرد کیا ، اور جیسا کہ عریضۂ سابق میں ہے ، رپے وصول ہوئے ۔ '' سخن اینست کہ مرا (...) گرانمایگی چہار صد [صد کے اوپر ہزار مرقوم] روپیہ در نظر است ... چہ من ناظر آن کیفیت و جدائیم کہ سراپائے دل را فرو گرفتہ و منشاء (...) با آنکہ حق (...) خدمتی ندارم ، سیما در عالمی کہ خود بہ پیچ و تاب خسارۂ اجارہ و رنج و تعب و مطالبۂ عوام پراگندہ خاطر خواهند بود ... منت برمت طالع آوارگی ہائے خویشم کہ مرا در عرض این سفر منعمی و خداوندی دست بہم دادہ کہ مکرمت ہائے او جز رحمت ایزدی مشبہ بہ ندارد ہم ازینجاست کہ فارغ از تب و تاب ادای سپاسم ... مرا در مدت العمر خویشتن دو جا اتفاق نازش پدر خواندگی افتادہ است ، یکی با میر بیر علی خان مغفور و دیگر با حضور مکرمت ظہور ، حقا کہ ہر دوجا آثار عطوفت پدری باستیفا معاینہ کردم ، جناب مغفور نیز پس از روزی چند شیوۂ تحریر گرداندہ و در القاب سہیم و انباز اخوی مخدومی میر وارث علی خان ساختہ بودند ، ایدون از جناب چشم دارم کہ بدین القاب یاد نشدہ باشم و بخطابی کہ برائے مولوی ولایت حسن و دیگر عزیزان موضوعست سرفراز گردم .....

خرسندیٔ غالب نبود زیں ہمہ گفتن
یک بار بفرمای کہ اے ہیچ کس ما

حالت استغنائے برادران ... (...) التفات نواب صاحب بحال این آوارۂ رنج و محن آشکار شد ... فرساندہ دهلی کہ در مکتوب اسمی من اشارہ باطلاع ثانی صدر (...) کہ مقدمہ مرادر نظرش استواری پدید آمد ، و کواغذ عہد جرنیل لیک صاحب آنچہ در دفتر رسیڈنٹی (...) صدر طلبید ، و اجازت تحقیقات این

مقدمہ بتجدید از صاحبان کونسل گرفت چنانکہ نواب گورنر بہادر (..) کونسل فرمان تحقیق و تشخیص وجوہ تظلم سائل باضافہ لفظی کہ آن ترجمہ آن معنی زود و شتاب بر میخیزد (...) و کواغذ عہد جرنیل صاحب فرستادند و این معنی مرا بہ تک و دو بسیار معلوم گشتہ چنانکہ نقل رپورٹ فرماندہ دہلی با حکمی کہ ازینجا صادر گشتہ بجنسہ ''ہ'' بکف آوردہ ام و ... مسٹر انڈرو اسٹرلنگ بہادر ہر آنچہ گفتند ہو بہو بودہ نست (کذا) بلکہ از انداز بیان خدیو حق پژوہ چنان می تراوید کہ گویا زمان رسیدن رپورٹ ثانوی نیز قریبست''۔ حقیقت جو معلوم ہوئی یہ ہے'' بعد رحلت عم مرحوم بیست ہزار روپیہ سالانہ در وجہ پرورش باز ماندگان و نوکری سوارانش بر احمد بخش خان ... گردیدہ ... بالجملہ دو ہزار روپیہ سالانہ در وجہ تنخواہ پنجاہ سوار است، و دہ ہزار روپیہ سالانہ کفاف ...... میراث خوار'' - ۳۰ ہزار رپے جو میں سمجھتا تھا، غلط نکلا - انداز و ادا سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام کو زر نوکری سواران کی طرف التفات نہیں اور میرا اس میں گھاٹا نہیں، میں خود اس سے باز آچکا ہوں - '' گوییا اہالی سرکار سواران منظور دارند خواہی از احمد بخش خان و خواہی از نصراللہ بیگ خان، اما این دہ ہزار روپیہ نقد است در مستقبل و مطابق قوانین سرکار وصول باقیات سنین ماضیہ نیز بدیہیست'' - تحقیقات اب دو باتوں کی ہوگی، ایک میری اور میرے 'شرکا' کی 'بازیافت' جاگیر احمد بخش خان سے میں نے جو کچھ پایا ہے وہی بتایا ہے، اور مدعا علیہ بھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا - دوسری خواجہ حاجی کا معاملہ، دیکھیے اس باب میں رزیڈنٹ کی کیا رائے ہوتی ہے - (...) ''بخواجہ حاجی و پسرانش رسیدہ اگر در وجہ پرورش مجرا نخواہد شد ہفت ہزار روپیہ سالانہ (...) تا امروز میباید، و بالفرض اگر برعایت تحریر سرکار گو ہمہ خلاف نمائی احمد بخش خان (...) نیز محسوب گشت، پنج ہزار روپیہ سالانہ من ابتدائے سنہ ۱۸۰۶ ع لغایت سنہ ۱۸۲۱ ع بذمہ خصم واجب (...) '' امید تو ہے کہ کامیابی ہو - میر کرم علی کے خط کا جواب نہیں آتا '' استخبار رویۂ آن بظہور آمد جواب یا سکوت منافاتی ندارد''۔ آیندہ خط مولوی ولایت حسن کے توسط سے نہیں، اس پتے سے بھیجیں: سملا بازار گول تالاب حویلی میر احمد - مولوی ولایت حسن آج کل یہاں نہیں ہیں - دو تین دن میں ''عدم آباد'' دہلی سے اگر کوئی خبر آئی تو اسی دن پھر خط لکھوں گا، اور اس کے ساتھ میر کرم علی کے نام کا بھی خط ہوگا - جواب نوازشنامہ اس کے ورود کے دن ہی جا رہا ہے - سہ شنبہ ۱۷ یا ۱۸ جمادی الاولیٰ -

[۲۵]

''قبلہ خواہم یا پیمبر یا خدا یا کعبہ ات اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام'' - 'ربوبیت نامہ' ملا - اپنا ایک شعر نذر ہے ''خرسندی غالب الخ''۔ نامہ اسمی مولوی ولایت حسن ان کی '' خدمت رفعات درجت '' میں پہنچا دیا

کیا ۔ نواب علی اکبر خاں کے نام کا خط، وہ آئیں گے تو انہیں دوں گا ۔ ان کا خط آیا تھا کہ بعد عشرہ محرم کلکتہ آؤں گا اور تم سے ملوں گا، آج ۸ محرم ہے ۔ مخدوم واجب التعظیم مولوی عبدالکریم واپس آگئے، مولوی ولایت حسن کہتے تھے کہ بعد عشرہ دورے پر جاؤں گا ۔ " ظاہرا شیوع فتنہ قوانین جدیدہ ہنوز فرصتی میخواہد ۔ صدر نشینی کہ ہنوز فرمانرواست ندانم کہ چہ درد سر دارد و چہا میکند ۔ شنیدہ میشود کہ ہم انجمنان وی از کربزیہائے وی ستوہند و در مخالفتش با یکدیگر گروہ ... گویند اہل سعایت با ارباب درایت بکونسل رسانیدند کہ فرماندہان اطراف بطریق نذر رہ آورد ارمغان کہ از اقسام رشوت است ہزارہا و صد ہزارہا ... میستانند فرمان ... فرستادہ آمد کہ رسم نذر و پیشکش باطل و ارمغان و رہ آوردگو ہمہ سبدی از قوا کہہ و طبقی از نبات باشد موقوف ... بدیں سبب منع رشوت ستانی حکام نتوان کرد ... ہمت بلندان این قوم ... جز تواضع از خلق نخواستندی ... از تلخی این حکم رو در ہم کشیدہ اند ... و باعتقاد فقیر حق بجانب آنانست ۔ چہ این حکم چارہ درد رعیت نکرد و ہیبتی بحال حکام رسانید بالجملہ چوں قہرمان [" فرمان " چاہیے] رسم نذر بر افتاد "۔ اس بارگاہ کی رسم تھی کہ عیدین اور روز بزرگ کے موقع پر کل وکلا اور اہل بار (...) " دادگر ستر اندرو اسٹرلنگ بہادر نذر ہمی میکشیدند اگرچہ پذرفتہ نمیشد اما نغز رسمی و نیکو (...) " عمل میں آئی ۔ غالب نے رباعی لکھ کر گزرانی ... بہت خوش ہوئے اور بولے کہ " زہی نذر مخلصان (......) نہ منع میتوان کرد و نہ معاف " ۔ رباعی، " سرتا بسر دہر باغ و بستان تو باد الخ "۔ حیرت یہ ہے کہ معاملات تنقیح طلب سرف دو ہیں، مگر ابھی تک دہلی میں اس مقدمے کی طرف فرمان دہ دہلی کو توجہ نہیں ۔ اواسط اپریل میں یہاں سے حکم جا چکا ہے، وکیل کی تحریر اس پر مشعر ہے کہ ۱۰ جون = ہفتم ذی الحجہ تک کچھ پرسش نہیں ہوئی ۔ اس کے بعد سے ۸ محرم تک کیا ہوا، مجھے علم نہیں ۔ تہی دستی سے ایمنی ہے، اور کلکتہ کی آب و دوا بھی مقابلۃً دہلی سے سازگار تر ہے، لیکن " ...... رپورٹ فرماندہ دہلی و عیار حکم صدر مقتضی درنگ نیست " ۔ آپ منشی محمد حسن سے دریافت کریں کہ حکم صدر، اور نامہ ریسڈنٹ اسمی غالب کے باوجود اب تک کچھ کیوں نہ ہوا ۔ مدعا یہ کہ اگر وکیل لاابالی ہے تو اسے متوجہ کیا جائے اور حاکم محابا کرتا ہے تو صدر میں اس کی شکایت کی جائے ۔ نواب کا خط آیا ہے، محض شوقیہ، کوئی مطلب کی بات نہیں، اسے جواب ہی سمجھیے ۔ " تاریخ بنائے امام باڑہ در جوار مزار حضرت اقضی القضات " تاریخ مسجد کہ اسی امام باڑے کے صحن میں ہے ۔
۸ محرم روز شنبہ ۔

[۲۶]

"دریا بوجود خویش موجی دارد خس پندارد کہ این کشاکش با اوست"

۱۰ جون مطابق ۷ ذیحجہ تک باز پرس عمل میں نہ آئی تھی۔ اس کی وجہ کہ دشمنوں نے رزیڈنٹ پر تہمتیں لگائی ہیں اور وہ بالفعل امور مرجوعہ کی طرف متوجہ نہیں۔ الزام سے بری ہوگئے تو توجہ کریں گے، ورنہ کوئی دوسرا شخص ان کی جگہ لے گا۔ سنیچر یکم اگست کو لارڈ صاحب کا دربار ہوا، میرا نمبر دسواں، نواب علی اکبر خان کی بغل میں تھا۔ اس کے بعد '' نواب معلی القاب '' کے '' ہندوستان '' جانے کی خبر شائع ہوئی، ستمبر میں دفتر خانہ براہ دریا جائے گا، اور آخر اکتوبر میں لارڈ صاحب ڈاک یا دخانی جہاز سے جائیں گے۔ دخانی جہاز اس ' فرقے ' کے مخترعات سے ہے، اور کئی بار کلکتہ سے الہ آباد تک دو ہفتوں میں پہنچا ہے۔ خیال آیا کہ اس قافلے سے قبل روانہ ہونا چاہیے۔ '' داور '' سے رخصت ہو چکا ہوں، اور باندا تک کے لیے کشتی مل چکی ہے (......) وہاں سے براہ خشکی دہلی جاؤں گا۔ آج جمعہ ہے، کچھ سامان کشتی پر لد چکا ہے، شنبہ ۱۳ صفر مطابق ۸ اگست سے لے کر دو شنبے تک کسی دن روانہ ہو جاؤں گا۔ نواب علی اکبر خان نے آپ کے خط کا جواب دیا ہے۔ ' عرصہ ' دو ماہ ' میں باندا پہنچوں گا۔ آپ کا خط میری روانگی کے بعد یہاں آیا تو موافق قاعدہ آپ کے پاس واپس جائے گا۔ اگر کوئی خط دہلی یا کلکتے سے میرے یا آپ کے نام کا پہنچے تو بعد ملاحظہ محفوظ رکھیں۔ دہلی کا خط اخوی مکرمی مولوی محمد فضل حق کا ہوگا اور کلکتہ کا خط مخدومی مولوی سراج الدین احمد برادر زادہ مولوی عبدالکریم کا ہوگا۔ یہ '' اعیان دفتر خانہ فارسی '' میں خود بھی شامل ہیں۔

[۲۷]

''مربی بے کساں''۔ '' متاعی کہ در بار منت باشد کہ شایستہ قبول دزد نباشد ''۔ نواب صاحب بھی باہر جا رہے ہیں اور سمت مخالف، اس لیے باربردار کا انتظام مشکل ہے۔ آپ شحنہ شہر کو جو مجھ سے نا آشنا ہے (...) کہوادیں کہ بنارس تک نہ ہو تو الہ آباد تک کے لیے اس کا انتظام کردیں۔ مشہور ہے کہ پنجشنبے کا سفر مبارک ہے، اس لیے کل روانگی کا ارادہ ہے، یہ نہ ہو سکا تو جمعے کے دن، علی الصباح حاضر ہوں گا اور شرف باہوسی حاصل کر کے رخصت ہوں گا۔ خطوط آج عنایت ہوں، تاریخ بداونی و رسالہ تصوف واپس ہے۔ محمد اسداللہ۔

[۲۸]

''حضرت قبلہ گاہی''۔ کلکتہ کے لیے خط جاتا ہے۔ کسی نوکر کو حکم ہو کہ '' کدہ ڈاک '' تک پہنچادے، اور '' محصول '' ادا کردے۔ غالباً شب کو حاضر ہوں گا۔

[۲۹]

صبح ہنگامے میں اور نیم روز خامہ فرسائی میں گزرا، آخر روز '' نوید بساط

بوس حضرت نواب ‘‘ ہے ، شب کو دھن الحروع (کذا) نمک آب کے ساتھ پینے کا ارادہ ہے۔ زندگی ہے تو کل صبح حاضر ہوں گا ۔ مکتوب موعود جاتا ہے۔ میرا نوکر ’’ جادہ شناس و قاعدہ دان ڈاک کدہ ‘‘ نہیں ، خط دیکھ کر ، اپنا نوکر اس کے ساتھ کردیں کہ محصول دے کر رسید حسب دستور لے۔ اسداللہ۔

[۳۰]

’’ اعلیٰ حضرت نواب صاحب قبلہ و کعبۂ کونین مدظلہ العالی ‘‘ ۔ یکم جمادی الاول جمعے کو باندا پہنچا ، اور اسی دن (......) آپ کا خط ملا ۔ ’’ بے داور ماندن بزم آں داد کدہ (ریذیڈنٹی) ... عیانست ‘‘۔ ’’ فرانسس ہاکنس بہادر جاھمندی از حکام اربعہ دائر سائر بہ دہلی رسیدہ ... شکار دوست و بے پروا خرام افتادہ است ، بہ‌دادخواہان نمی پردازد ، و سر بسر کارہائے امروز بفردا می اندازد۔ وای اگر (......) بہ دہلی رسیدہ باشم ، مصداق مضمون ’ تاتو بما میرسی مابخدا میرسم ‘ گردیدہ باشم ‘‘۔ خیال تھا کہ بنارس جاؤں اور قافلہ وہاں سے آگے بڑھے تو اس قافلے کی ’ گرد ‘ بنوں ، لیکن عقل نے اس کا فتویٰ نہ دیا۔ ۹ ماہ رواں کو عازم دہلی ہوں گا اور پایان ماہ تک وہاں پہنچوں گا ۔ اگر ممکن ہو تو مسٹر ہاکنس کے نام کا ’ سپارش نامہ ‘ اس ’ قوم ‘ کے عمائد میں سے کسی کا روانہ فرمائیں ۔ ہر چند ’ حکم صدر عیار کامل ‘ ہے ، خط کی غرض یہ کہ ایک ’ داد خواہ گمنام ‘ بے توجہی کا شکار نہ ہو۔ اگر کوئی صاحب جو مسٹر ہاکنس بہادر کا آشنا اور آپ کا یا آپ کے کسی دوست کا دوست ہو ، مل جائے تو ’’ سپارش نامہ ‘‘ باندا مولوی محمد علی خان صاحب کے پاس بھیج دیا جائے۔ ۶ جمادی الاول چہار شنبہ۔

[۳۱]

’’ جوہر جان گرامی فدای خاک پای حضرت قبلہ گاہی ولینعمی باد ، مدظلہ العالی ‘‘۔ سنیچر پہلی جمادی الثانی کو وطن پہنچا ۔ لوگوں کا حال تباہ ہے ۔ ’’ حاکم معزول ‘‘ گوشہ نشین ہے اور فرماں دہ حال لا ابالی ، ایک ’’ اعادۂ جاہ ‘‘ کا امیدوار ، دوسرا ’’ بیم سرعت زوال دولت ‘‘ سے پریشان ۔ خبر ملی ہے کہ قافلہ بنارس تک پہنچ کر حسب الحکم کلکتہ واپس ہوا اور یہاں آنا ملتوی ہوا ۔ میں نے مسٹر ہاکنس کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا ، ’’مطبوع طبع نکتہ داں ‘‘ ہوا ۔ ’’انجمنیان با من حکایت کردند کہ این داور ... تا امروز از ہیچ یک از اعیان دہلی التفات و اختلاط نکردہ ، آری خلاف واقع نیست ، چہ روز نخستین ملازمت تا یک ساعت نجومی ہا (کذا) بخواندن قصیدہ و پرسیدن اخبار کلکتہ و باز جستن وجہ تظلم ملتفت ماند ... بزعم خویشتن سخن فہمست ، چہ خوش بودی اگر لختی معاملہ فہم و ادا شناس نیز بودی ... در ماہ اپریل سنہ ۱۸۲۹ء رپورٹ مقدمۂ من از دہلی بصدر رسید و ہم در آں ماہ جوابش صادر گردید ۔ اتفاق چناں افتاد کہ رسیدن حکم صدر و ہنگامۂ

معزولی حاکم و پریشانی شیرازۂ اوراق دفتر همه در یک جزو زمان واقع شد - رسیدگی بخت من ... خاص همان صفحه را بے نام و نشان ساخت که طراز کامیابی غالب سیه روز است - اهل دفتر ... ورق ها گردانند و آن ورق دست بهم نداد - صاحب سکرتر رسیدنستی دهلی بمن میگفت که حالیا دریں مقدمه بصدر نبشته ام و منتای آن حکم... طلبیده "- بھائی کو جو افاقه تھا ، وہ "رلگے از فنون جنون" تھا - عین الیقین ہے کہ میرزا یوسف جب تک زندہ ہیں ، بیمار رہیں گے - کہا قسمت کہ آتشکدہائے یزد (...) و میخانہ ہائے شیراز تک نہ پہنچ سکا ، جنت البلاد بنگالہ ہی میں رہنا ہوتا ، مگر اس "خارزار" اور "غولستان" میں واپس آنا پڑا - واللہ در قائل : غالب چو ز دام گہہ بدر جستم من الخ - نواب اور دیگر احباب کو کثرت آشوب پریشانی سے خط نہ لکھ سکا ، اس خط کا ذکر نہ ہو ، ورنہ ان لوگوں کو شکایت ہوگی- ۱۰ جمادی الثانی ۱۲۴۵ ھجری -

[۳۲]

" حضرت قبلہ گاہی واینعمی مد ظلہ العالی " - ۲۸ جنوری دو شنبے کو " فرماں دہ دهلی " کا خط بنام جاگیردار فیروز پور روانہ ہوا ، مکتوب الیہ یہیں تھا ، اس لیے دیکھنے میں آیا - " خلاصۂ تحریر " انہیں کے الفاظ میں :

" چوں برائے تحقیقات مقدمہ دعوی محمد اسداللہ خان حکم صدر عالی قدر اصدار یافته ، نقل عرضی خاں مرقوم ... حوالۂ قلم محبت رقم میگردد که بفحوای مضمونش وا رسیده ، جواب شرحوار آن بزودی ارسال دارند" -

ہنوز رسیڈنٹی سے " اجرائے حکم صدر " عمل میں نہیں آیا ، لیکن ' داور ' کی طبیعت میں " حیف و میل " نہیں - " حسن اتفاق اینکه از اهل دفتر هم کسی روشناس من نیست " - " دفتر خانہ " کی بنارس سے واپسی ، اور " مہین داور " " روشناس حقیر " کی آمد کا سال آیندہ پر موقوف ہونا محتاج بیان نہیں - مجھے رنج اس بات کا ہے کہ آپ کا خط نہیں آیا - قصیدہ جو مدح " ناظم الملک مستر فرانسس ہاکنس بہادر ہیبت جنگ " میں ہے ، نقل کیا جاتا ہے -

[اس کے بعد ۲۷ شعر (ایک شعر کی جگہ شعر ہفتم کے بعد خالی ، ممکن ہے کہ عکس میں نہ آیا ہو) شعر اول :

یافت آیینۂ بخت تو ز دولت پرداز
جلوه ها ساز کن اے دهلی و بر خویش مناز

مصرع آخر دیوان میں یوں ہے :

هله کلکته بدیں حسن خداداد بناز

اس کے بعد مجموعہ و دیوان دونوں میں چھ شعر یکساں ، شعر ہفتم دیوان " فرصتت الخ " مجموعے میں ہوگا مگر ضائع ، شعر نہم دیون ، مجموعے میں یوں :

(...) بر خیال چمن کوئے او
بستہ بر دامن نظارہ ز فردوس طراز

دیوان میں مصرع اول اس طرح: "چارلس مٹکف فرخندہ شمائل کہ بدھر"۔ اشعار ۱۰ تا ۲۱ دونوں میں ایک طرح، شعر ۲۲ مجموعے میں یوں ہے:

بندہ ام لیک دریں مرحلہ مہمان توام
کردہ ام طی بامید تو رہ دور و دراز

اس کا مصرع اول دیوان میں اس طرح ہے: "یاد باد آنکہ ازیں مرحلہ تا کلکتہ"۔ شعر ۲۳ مجموعے میں کسی قدر مختلف طور پر:

گر نہ آوازۂ عدالت شدی آہنگ حدی
ناقۂ من ز رہ سعی نگردیدی باز

شعر ۲۶ کا مصرع اول مجموعے میں اس طرح: بیست (دیوان 'ھفت') سالست کہ با یکدگر آویختہ ایم"۔ اس کے بعد تا شعر ۳۲ دونوں یکساں، اور ۲۰ شعر جو دیوان میں ہیں، مجموعے میں نہیں، قرینۂ قوی ہے کہ مجموعے کا ایک ورق یا اس سے بھی زیادہ یہاں سے غائب ہے۔ دیوان میں قصیدہ بنام سرچارلس مٹک بہادر۔]

[۲۳]

نقل رقعہ کہ جناب محمد اسداللہ خان صاحب عرف مرزا نوشہ بجناب نواب سید علی اکبر خان بہادر طباطبائی در خصوص فرمائش انبہ مفوضۂ خامۂ قدرت نگار فرمودہ وھوھذا: "قبلۂ محمدیان آفاق سلامت، ممدوح از ستایش مستغنی و مادح در بیان نارسا، عرض نیاز فضولی و ابرام در اظہار شوق بد نما، چہ باید گفت تا آبروی خموشی نریزد، و چہ توان نوشت تا داغ کوتہ قلمی برخیزد۔ همانا کہ این عبودیت نامہ قماش سلام روستائی دارد، و دائرۂ هر حرفش پرداز کاسۂ گدائی۔ لختی شکم بندہ ام و قدری ناتوان، هم آرایش خوان جویم و هم آسایش جان۔ خرد پژوهان دانند کہ این هر دو صفت بانبہ اندر است، و اهل کلکتہ بر آنند کہ قلمرو انبہ هوگلی بندر است۔ آری انبہ از هوگلی و گل از گلشن ایثار از جناب و سپاس از من۔ شوق میسگالد کہ هر آیینہ تا پایان فصل دوسہ بار بخاطر خداوند خواهم گذشت و آز مینالد کہ حاشا بدین مایہ تمتع خرسند خواهم گشت:

گلویم تشنہ و خون (.............) ہے ساقی
بدہ نوشینہ داروے کہ هم آتش هم آبستی

نخل مراد هم بارور یاد دهم ثمر افشان (...) دامان نگاه و این بفرق درویشان هوا خواه ''۔

[۳۴]

مخفی نہ رہے کہ میں کلکتہ پہنچا تو دہلی کے ایک '' نکوہیدہ سیر '' شخص نے جو یہاں پہلے سے تھا ، اور ''ارباب دیوان داد '' سے واقفیت رکھتا تھا، اس امر کو شہرت دی کہ ایک شخص نے جو دہلی سے ابھی آیا ہے ، اپنا نام و تخلص دونوں بدلا ہے۔ ''اعیان بارگاہ را در اظہار اسم این ھیچمیرز بخداوند دفتر کدہ تامل رو [یہ لفظ نامکمل ، ممکن ہے کہ اس کے بعد ایک اور لفظ ہو جو ضائع ہو گیا] چار دیوان ریختہ کہ گرد آوردن آن را بیش از ہفت سال گذشتہ و معہذا مہری از مواھیر ابی روسیاہ کہ اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ نقش نگین و جلوۂ سال ۱۲۳۱ ھجری طراز دامن و آستینش بود ، بر خاتمۂ اوراق آن سفینہ رقم آخر ' زبان بندی اعدا داشت ' بخدمت سر حلقۂ افراد دفتر کدہ بشہادت فرستادم ، و سوزسینہ را بدستیاری ہرگ گیاہ بر صفحہ بدین رنگ جلوہ دادم '' :

'' قبلۂ سعی ستمرسیدگان '' ۔ '' تفرقۂ اسم و علم '' کی گفتگو آئی تھی ۔ میں دو سو '' فرسنگ '' سے اس دادگاہ میں آیا ہوں ، نہیں چاہتا کہ میری نسبت یہ کہا جائے کہ ایک '' مجہول الاحوال '' شخص یہاں آیا تھا ، جو ہر سال نیا تخلص رکھتا تھا اور ہر ہفتے نام بدلتا تھا ۔ نقش خاتم خاتمۂ دیوان اور مقطع دیرین غزلیات دیدنی ہے ، اور مسکت مدعی ۔ میرا نام اسد اللہ خان ، علم مرزا نوشہ اور تخلص غالب ہے ، لیکن یہ کلمۂ رباعی ہے اور بعض بحور میں اچھی طرح نہیں آتا ، لفظ ' اسد ' کو جو مخفف '' اسم '' اور کلمۂ ثلاثی ہے ، کبھی کبھی بطور تخلص استعمال کرتا ہوں ۔ '' چشم دارم کہ داغ دنائت تبدیل اسم از دامن حال من بشویند و بس ازان ... بہر نامی کہ خوانند از من بسر دویدنست '' ۔ مہر : اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ

'' از واردات جناب سابق الالقاب من لوامع برقہ '' ۔ میں کلکتہ آیا تو بہت لوگ لکتہ چینی پر آمادہ ہوئے ۔ '' جمعیتی خاص از برائے پراگندگی ساختند ... بہم باھم نشستند از ہر سو گرد آمدہ آن بزم را مشاعرہ نام نہادند و از تمہید این صحبت بر من منتی تمام نہادند ''۔ صحبت دوم میں میں نے غزل کے دس بارہ شعر پڑھے ، حکیم ھمام کے مقطع سے اس کی زمین معلوم ہوگی :

درمیان من و دلدار ھمام است حجاب
دارم امید کہ این ہم ز میان برخیزد

ایک ہفتے کے بعد خبر ملی کہ ایک '' بے دانش '' نے شعر ذیل :

جزوی از عالمم و از همه عالم بیشم
همچو موی که بتاں را ز میاں برخیزد

پر یہ اعتراض کیے ہیں : 'همه' لفظ 'عالم' کے ساتھ جو مفرد ہے، درست نہیں۔ ''چار شربت و نهر الفصاحت خبری از آن ندارد''۔ 'بیش' کی جگہ 'بیشتر' چاہیے۔ رستن موی بر کمر معشوق عقلاً [بعض الفاظ ضائع]۔ 'رستن موی و سبزه' کو برخاستن سے تعبیر نہیں کرسکتے۔ اعتراضات و معترض کو میزان نظر میں تولا تو زحمت جواب کی ضرورت نظر نہ آئی، لیکن حق کی پاسداری [چند الفاظ ضائع] ناگوار گزرا اور صحبت سومیں میں اعتراضات کے جواب کا متعہد ہوا۔ اسی زمانے میں ایک 'گرانمایہ' شخص 'اعیان عجم' سے بطور سفیر آیا اور اس مشاعرے میں منتظمین کی استدعا سے شریک ہوا، دوسروں کے اشعار سنے، اور میری نوبت آئی تو باوجود نا آشنائی اپنے کو میرا مشتاق ظاہر کیا۔ ایرانی جو قبل سے کلکتہ میں موجود تھے، میری تعریف اس سے کر چکے تھے۔ اس نے کہا کہ آپ سب پر غالب اور اسم بامسمیٰ ہیں۔ مجلسیوں کو مخاطب کر کے اس نے کہا کہ اس شخص کی قدر کرو، شعر و شاعری سے قطع نظر، زبان پارسی کا عالم ہے۔ ''هم در عرض ان گفتگو اشهب نطقم توسنی کرد، و در میدان داوری گرد فتنه برانگیخت۔ چوں لب بپاسخ اعتراضات گشودم، سفیر ممدوح با من همزبان شد و مرا بیشتر ستودن و بر آناں خندیدن گرفت''۔ اساتذہ کے چند اشعار جو اس نے اس موقع پر پڑھے، ان میں سے حافظ، سعدی، ظہوری اور ایک استاد کا شعر مجھے یاد ہے :

گر من آلوده دامنم چه عجب
همه عالم گواه عصمت اوست (حافظ)

بجهاں خرم از آنم که جهاں خرم ازوست
عاشقم بر همه عالم که همه عالم ازوست (سعدی)

کم ازانم که در معذرتم باید زد
بیش ازانم که دهی خجلت تقصیر مرا (ظهوری)

از رخ خط مشک سود برخاست
آتش بنشست دود برخاست (استاد)

خاتمہ صحبت کے بعد، حاضر مندان (؟) آں بقعه چه شاعر و چه غیر شاعر شوریده ترگشتند و رونق خویش در شکست من دیدند''۔ میرے شعر :

شور اشکی بفشار بن مژگاں دارم
طعنہ بر بے سرو سامانی طوفان زدہ*

پر یہ اعتراض کیا کہ 'زدہ' مضاف الیہ چاہتا ہے، جواب دیا گیا کہ 'زدہ' کا کسرہ اضافی نہیں ''یای وحدت'' (کذا) ہے، تو دوسرا اعتراض کیا کہ، 'زدہ' جز بمعنی مفعول نہیں آتا۔ اس کا جواب مثنوی میں ہے۔ مخالفین میں سے ایک ''بزرگ'' نواب سید علی اکبر خان کے پاس گئے اور میری شکایت کی کہ آپ کا نیازمند اسد اللہ جلسوں میں شوخی کرتا ہے، مغلوب الغضب ہے اور زبان دراز۔ اسی صحبت میں جس کا ذکر آیا ہے، میں نے کہا تھا کہ کوئی مخاطب صحیح اور پارسی‌دان مسلم نہیں کہ فیصلہ کر سکے۔ ان بزرگ نے اس 'کلمہ' درد مندانہ'' کو اس طرح پیش کیا کہ یہ گویا سب کی توہین تھی۔ نواب نے مجھے نصیحت کی اور سرزنش کی کہ یہاں سخن‌پروری اور شعر گوئی کے لیے نہیں آئے، راہ دشوار ہے اور راہزن بہت۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا کروں کہ اس کی تلافی ہو۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ معذرت نامہ لکھو اور مجھے بھیجو کہ میں مخالفین کو دکھاؤں۔ میں نے اسے قبول کیا۔ مثنوی نظم کی۔ اس کا آشتی نامہ نام رکھا اور 'ناصح محسن' کو بھیج دی۔ [اس کے بعد مثنوی کے اشعار میں سے دیوان کا شعر ۱۷ مجموعے میں یوں ہے:

میہماں را نواختن رسم است
کار او نیک ساختن رسم است

دیوان کے شعر ۳۰ کے بعد، شعر ذیل مجموعے میں زائد ہے:

اندہ خویش کردہ زار مرا
با سخن پروری چہ کار مرا

دیوان کا شعر ۴۸ ''تا بشورید ... خیری سری'' مجموعے میں نہیں، اور بعد شعر ۵۹ دیوان، مجموعے میں یہ شعر زائد:

رخ دعوی نہ برفروختمی
بے سخن ہمچو شمع سوختمی

شعر ۷۴ دیوان کا صرف ایک لفظ مجموعے میں ہے۔ اور اس کا امکان ہے کہ اصلاً اس کے بعد ایک شعر رہا ہو، جو اب محو ہے۔ شعر ۷۹ مجموعے میں ذرا مختلف طور پر ہے، مصرع اول کا بہت بڑا حصہ ضائع، مصرع آخر یوں ہے: ''بہ خیال فقیر مقلوبست''۔ اس کے بعد کے دو شعر ۸۰ و ۸۱ مجموعے سے غائب ہیں۔ ''کردہ ام ...... زدہ''، ''مگر ... غلط نبود''، ان دونوں میں سے ایک مجموعے میں اصلاً رہا ہوگا، مگر اب اس کی جگہ عکس میں خالی ہے۔ شعر ۸۹ دیوان ''وعدہ' ...... رفت'' مجموعے میں نہیں۔ یہی حال شعر

۱۱۳ " زله ...... ہاشم " کا ہے - شعر ۱۲۹ دیوان ، کے بعد مجموعے میں یہ شعر زائد :

پردہ سنجان پاستانی (کذا) را
طالب و سعدی و فغانی را

دیوان کا شعر ۱۳۶ " آنکہ ... واقف را " مجموعے میں نہیں ، شعر ۱۳۸ " دل ... احبابست " کی جگہ عکس میں سادہ ، یہ اصلاً رہا ہوگا - شعر ۱۴۹ و شعر ۱۵۰ " پادشاہی ...... شگرف " " خامہ ...... فرمائش " مجموعے میں نہیں - شعر ۱۵۰ کے بعد مجموعے میں یہ شعر زائد :

بوجود چنیں شگرف بیان
شکوہ دارد عجم ز ہندستان

مجموعے میں مثنوی کی وہی روایت کچھ اختلاف کے ساتھ ہے ، جو دیوان فارسی میں ہے - میں نے " باد مخالف کی اولین روایت " میں جس روایت کا ذکر کیا ہے اور جو متفرقات غالب میں بھی ہے ، اس سے بہت مختلف ہے ، اور یقین ہے کہ " ناصح محسن " کو یہی بھیجی گئی ہوگی - سوال یہ ہے کہ مجموعے میں جو روایت ہے وہ مرتب مجموعہ کو ان عبارات کے آخر میں ملی تھی جو بعنوان " از واردات ...... برقہ " درج ہیں ، یا اس نے خود اضافہ کی ہیں ، اور اس صورت میں یہ روایت کہاں پائی - غالب ہے یہ ناممکن نہیں کہ انھوں نے مثنوی دو شکلوں میں کلکتہ ہی میں لکھی ہو ، ایک شکل جسے میں نے 'روایت اولین' کہا ہے ، اہل کلکتہ کے لیے ، اور دوسری باہر والوں کے واسطے] -

(سہ ماہی اردو' غالب نمبر ۱۹۶۹ء)
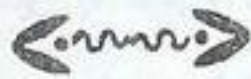
عہد شاہجہاں کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب

تمہید پٹھانوں کا عہد ہندوستان میں فارسی کے زوال کا زمانہ تھا، لیکن، مغلوں کی آمد نے صورت حال بدل دی، اور اس ملک میں فارسی شاعری کی وہ قدر ہونے لگی اور اس سے مادّی فوائد حاصل کرنے کی وہ سامان پیدا ہو گئے کہ اس کے اصلی وطن میں بھی نہ تھے۔ سلیم کی فرد اور فیاض کا قطعہ ہندوستان سے متعلق اس دور کے ایرانی شعرا کے عام خیال کی ترجمانی کرتا ہے:

نیست در ایران زمین سامان تحصیل کمال ۔۔۔ چوں نیامد سوئے ہندستان حنا رنگیں نشد

جنذا ہند کعبۂ حاجات ۔۔۔ خاصہ یاران عافیت جو را

ہر کہ شد مستطیع فضل و ہنر ۔۔۔ رفتن ہند واجب است او را

مگر ہندوستانی بھی فارسی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، اور اساتذۂ ایران کی نظم و نثر کے تتبع ایرانیوں کی ہمنشینی اور کتب لغات کے مطالعے کی بدولت فارسی پر اتنی قدرت حاصل ہو گئی تھی کہ جہاں تک زباندانی کا تعلق ہے، وہ اپنا پایہ ایرانیوں کے برابر نہیں تو ان سے پست بھی نہیں سمجھتے تھے۔ رہی قوت شاعری تو اس کی نسبت ان کا خیال تھا کہ یہ عین جانب اللہ ہے اور اس پر کسی خاص قوم کا اجارہ نہیں، ہندوستانی بادشاہ اور امرا شعرا کی عملی قدر دانی کر سکتے تھے، عام طور پر اس عقیدے کے نہ تھے، اور وہ کلام پر نظر نہ کر کے صرف یہ دیکھتے تھے کہ شاعر کا وطن کہاں ہے۔ عہد شاہجہانی کا مشہور لاہوری شاعر اور انشا پرداز منیر کامیابی کے لیے جن امور کو ضروری قرار دیتا ہے، ان میں سے ایک "ولایت زادی" یعنی ایرانی ہونا ہے:

"چہ اگر فارسی زبان فارسی ہمہ جا فخر کند در سخن او سخن نمی کنند و ہندی نژادے چوں تیغ ہندی جوہر ذاتی آشکار سازد دم از تحسیں نمی زنند۔ درین عہد صاحب سخنے کہ نژادگاہ او ملک بالا نبود کار او بالا نمی گیرد و پایۂ فصاحت او والا نمی گردد ... ناچار خود را ہم زخراساں منسوب باید ساخت اگر گویم نژادگاہ من خاک ہند است ایں سیہ کاراں زمین سخنم را بخاک سیاہ برابر می سازند۔ چندیں روشن رایاں از سواد ہند ... بر آمدہ اند کہ نام ایشان در آفاق روشن است[1]"...
(کارنامہ سال اتمام ۱۰۷۷ھ، ماخوذ از منشورات تمنا عظیم آبادی نسخہ کتبخانہ مشرقیہ پٹنہ یم ورق ۱۳۳۴)۔

باب ۱

(۱) حاجی جان، قدسی مشہدی[2] سنہ ۱۰۴۱ھ میں وارد ہند ہوا (عمل صالح م ۳۷؎) اور ملازمت بادشاہی کی سعادت حاصل کی (شاہجہاں نامہ معتمد خاں وغیرہ م ۲۲۰؎)۔ سرخوش نے اسے "ملک الشعرائے عصر شاہجہاں" لکھا ہے (کلمات الشعرا ——)؛ مگر عمل صالح کی عبارت ذیل سے جو ترجمۂ ابوطالب، کلیم میں ہے، مستفاد ہوتا ہے کہ اس کا مستحق ہونے کے باوجود، اس بنا پر کہ کلیم پہلے ہی سے اس عہدے پر فائز تھا، اسی سے محروم رہا:

"(کلیم) بخطاب ملک الشعرائی امتیاز یافت، اگرچہ استحقاق ایں منصب .. قدسی داشت، اما ازیں رو کہ پیش از رسیدن حاجی او بہ ایں خطاب سرفرازی یافتہ بود، تا دم آخر بر شہجاں ماند، و تغیرے بداں راہ نیافت"[۳۸؎]

تذکرۂ طاہر (نسخۂ دم) کا اقتباس ذیل بھی اس کا مؤید ہے کہ قدسی کو ملک الشعرائی نہ ملی، گو مصنف سے ابوطالب، کلیم کی جگہ طالب آملی لکھنے میں

---

۱ — اس کے بعد ابو نصر حاردنی، مسعود سعد سلمان، خسرو، حسن اور فیضی کا ذکر۔

۲ — قدسی کا قدیم ترین ترجمہ جس کا مجھے علم ہے تذکرۂ تقی اوحدی (نسخۂ دم) میں ہے۔ وفات سنہ ۱۰۵۶ھ

فاحش غلطی کا ارتکاب ہوا ہے، موخر الذکر جو عہد جہانگیری کا ملک الشعراء تھا، قدسی کے ہندوستان آنے سے قبل ہی وفات پا چکا تھا:

"طالبائے آملی کہ بمنصب ملک الشعرائی ممتاز بود، جہت مراعات او (قدسی) نزد دربار پادشاہی پائین دست او ایستاد"۔[129]

قدسی کی موت کلیم سے پہلے ہوئی ہے، اور کلیم نے اس کی وفات پر ایک ترکیب بند (دیوان م ۴۱۲ب) کہا تھا، جس میں اسے خراج عقیدت پیش کیا ہے اور بند آخر کے ایک مصرع سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:

سردفتر شیریں سخناں قدسی ارفت	تلخ در کام جہاں شد شکرستان سخن..
شعر موزوں نتواں کرد کہ از نظم فتاد	کشور معنی از رفتن سلطان سخن..
معنی دُرّ یتیمے کہ نہ سے فہمیدم	یافتم رفت چو قدسی و سخن را دیدم..
گل ز شبنم ہمہ تن اشک مصیبت شد و گفت	دور از آن بلبل قدسی چمن زنداں شد

قدسی کا ایک قصیدہ جو معارضۂ زیر بحث کا باعث ہوا تھا، اس کے دیوان م ۲۱۶ب میں موجود ہے، اس کے ۵ شعر جن سے متعلق شیدا کے اعتراضات کا مجھے علم ہے، درج ذیل ہیں:

عالم از نالۂ من بے تو چناں تنگ فضاست[2]	۱ کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست
ہست شمشیر تو برندہ تر از تیغ اجل	۲ قاف ابیہ قبضہ فرد یک نقطہ از قابے فناست

۲۔ سب نے یہی لکھا ہے کہ قصیدۂ قدسی کا مطلع عالم از نالۂ من الخ ہے، لیکن دیوان م ۲۱۶ب میں ایک مصرع بیت اس سے قبل موجود ہے:

ہر غم روز دلم چند رغم دیگر خاست، اینکہ خوں را نتواں شست بخوں نتم کجاست

اسے ملا کر اس نسخے میں تعداد ابیات ۶۳، مگر م ۲۰۸ میں یہ بیت اور بیت ۴ نیست ناکام الخ نہیں ہے اور اس کے باوجود تعداد ابیات ۶۲ ہے اور ۲۰۸ کی ایک بیت م ۲۱۶ب میں نہیں ہے۔

آنکہ دی زہر در انگور تو می کرد امروز ۳ بعذاب ابدی کام دلش زہر آلاست
نیست ناکام بعہد تو کسے جز اثم ۴ کہ برائے چہ زبان قلم از کام جداست
ہر دمہ نا بخود بے مدد رائے تو نور ۵ نگاہ دگرے دیدۂ عینک بنیاست

(۲) شیدا کو صاحب مرآۃ الخیال نے "شیخ زادہ بلدۂ فتحپور" سے لکھا ہے (ص ۱۹۱) مگر خود شیدا کا بیان تھا کہ میں قبیلہ تکلو سے ہوں (تذکرہ نصر آبادی ص)۔ تقی اوحدی کا یہ قول کہ اس کا مولد قندہار ہے صحیح نہیں، خود شیدا کہتا تھا کہ میرا باپ مشہد کا رہنے والا تھا، لیکن میں ہند میں پیدا ہوا ہوں (ماثر) ۔ شاہجہان نامہ میں مرقوم ہے کہ اس کا مولد و منشا فتحپور سیکری تھا۔ ممکن ہے کہ اس کی ماں ہندی ہو، اور ایرانی اسی بنا پر اسے ہندی نژاد سمجھتے ہوں۔ اوحدی جو سنہ ۱۰۲۰ھ و مجمع النفائس ۴۹۵ ۲۲۸ میں بحوالہ اوحدی سنہ ۱۰۲۵ھ) یا اس کے چند سال بعد شیدا سے ملا تھا، اس کی زبانی اس کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے متجاوز بتاتا ہے۔ اس سے کسی حد تک اس کی عمر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ۴ اس کی وفات سلیم سے قبل ہوئی ہے اور سلیم سنہ ۱۰۵۷ھ میں فوت ہوا ہے ۔

شیدا اپنے زمانے کے ممتاز شاعروں میں تھا، تقی اوحدی کہتا ہے کہ "الحق قدرتے تمام دارد" صائب نے اس کی غزل پر غزل لکھی ہے ۔ (کلیات ص ۱۲۴) جس کا مقطع یہ ہے :

طغرا کے کلیات م ۳۵۶ میں شیدا سے متعلق یہ قطعہ موجود ہے :

بود شیدا شاعرے در ملک ہند — گفتہ اش رنگیں بسان نغمہ تر
از رہ شیریں کلامی خامہ اش — نزد طوطی داشتے طعم نیشکر
لیک ہر مضمون شعر شیدا بجانش — نہ روش سے بستہ با لفظ دگر

۴ نشتر عشق م سال وفات شیدا ابدوں سنہ ۱۰۴۲ھ درج ہے ۔
۵ قطعہ تاریخ وفات دیوان اشرف میں ہے ماڈہ :

خواست بگشاید دکان نظم را | ناگہش پیچید ابلہ بر یکدگر
کہنہ دزد شاعراں یعنی سلیم | یافت چوں از قصہ فوتش خبر
رفت واز طفلان بے عقلش خرید | گنج باد آورد نظمش را بہ زر
شد بخویش رابنام خود نوشت | شہرتش در شاعری شد بیشتر
نظم شیدا گشت تاراج سلیم | طرفہ دزدے خورد برد زدے دگر"

طنز شیدا کی خوش گوئی کا قائل اور سلیم کو اس کے اشعار کا سارق سمجھتا ہے، لیکن، اس کے نزدیک خود شیدا بھی مضامین خسرو کا چور ہے۔ دوسروں کے مضمون چرا لینے کا الزام اس پر اوروں نے بھی لگایا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں مناظرۂ شیدا و فیروز مشہور ہے۔

شیدا کے دامن شہرت پر ایک داغ یہ بھی ہے کہ وہ معاصرین کی ہجو کیا کرتا تھا، چنانچہ طالب واٰلہی وغیرہ کے حق میں جو کچھ اس نے کہا ہے، تذکروں میں ملتا ہے۔ اس سلسلے میں صاحب مراۃ کا قول ہے:

"حق آنست کہ ایں ہمہ طعن و استہزا.. محض از راہ سبک سری و زیادہ گوئی نبود، بلکہ فضل و بلاغت شیدا مقتضی آں شد کہ ہیچیک را از شعرائے عصر در نظر اعتبار نیاورد و واحدے را در پلۂ میزان ہنرمندی با خود نہ سنجد چہ در علم عروض و قوافی ضرب المثل بود و بر داب دستور سخنوری وادائے مراتب آں کمابینغی آگاہی داشت۔ از نیست کہ سخنوران ایران و توران کہ در پایۂ تخت صاحبقران ثانی.. پایۂ امتیاز داشتند باز وے استفادہ اد خود را قابل ہمچشمی وے نیافتہ بہ طعن و ہجایش نہ پیچیدند داگر زور طبع او سدّ راہ نے گردید، چہ گنجایش داشت کہ ایں ہمہ خشونت از وے برداشتند وہمیں دلیل بر علو فکر و بلندی طبع وے کافیست" صـ ۹۴

ب مراۃ کا یہ بیان کہ معاصرین نے شیدا کی ہجوؤں کا جواب کہ وہ اس کے مقابلے سے عاجز تھے، صریحاً غلط ہے۔ شیدا

کی ہجویں الٰہی کی متعدد رباعیاں مصطلحات شعرا مؤلفہ وارستہ میں موجود ہیں (نسخۂ مطبوعہ عسہ) اور جلالا و منیر کی ہجویں اس مقالے میں آگے چل کر نقل ہوں گی۔ شیدا کی "فضل و بلاغت" کی نسبت صاحب مراۃ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی مسلمات سے نہیں، صاحب عمل صالح نے صراحتہً لکھا ہے کہ "مراتب علمی" سے "بیگانہ" تھا؛ جستہ معارضے کا آغاز شیدا کے ایک قصیدے سے ہوا ہے جس میں قدسی کے قصیدے "عالم از نالۂ من الخ" پر اعتراض کیے گئے ہیں۔ شیدا نے نکتہ چینیاں صرف اس لیے کی ہیں کہ اسے قصیدے میں عیوب نظر آئے تھے، یا اس کی کوئی ذاتی وجہ تھی، اس کی حقیقت معلوم نہیں، لیکن عمل صالح سے یہ پتا چلتا ہے کہ شیدا قدما کی طرز کا دلدادہ تھا، اور متاخرین کی شاعری کو شاعری ہی نہیں سمجھتا تھا: "در سخن طرز باستاں گزیدہ بر متاخرین زبان بطنز می گشود و یک قلم این جماعت را ۔۔ از خط سخنوری اخراج می نمود" شیدا کا قصیدہ مجھے نہیں ملا، اس کے صرف دس شعر دستیاب ہوئے ہیں، جن کے نقل کرنے سے پیشتر اس معارضے کی نسبت مختلف مصنفین کے اقوال پیش کرنا چاہتا ہوں:[۶]

"از برائے ۔۔ قدسی ۔۔ بہ تیزی تیغ زبان قطع اللسانے گفتہ در قصیدہ مثنوی (کذا) او کہ مطلعش اینست 'عالم از الخ' نکتہ ہائے رنگین گرفتہ، بعضی جا کلکش از دستش ناخن بند کردہ کہ جائے انگشت نہادن نیست، و بعضے جا برطرہ اشعار شانہ وار پیچایہ پیچیدہ" عمل صالح ۳۹ـ

"پیوستہ بعضی توصیفے از اقران و امثال کہ حاجی محمد جان و طالب کلیم است و ہریک بصفات حمیدہ یگانۂ آفاق بے رنجیدہ، قصیدۂ حاجی محمد جان را ۔۔ بے

۶۔ آزاد نے نگارستان فارسی میں لکھا ہے کہ قصیدے کا نام قطع اللسان ہے (اس وقت کتاب پیش نظر نہیں)

۷۔ داد سخن میں ممکن ہے کہ شیدا و منیر کے مکمل قصائد ہوں اس کا نسخہ کلکتہ میں ہے، مگر مجھے اب تک اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

معنی بر آوردہ و قصیدہ بہ ہماں بحر و قافیہ گفتہ تا انصافیے چند کردہ کہ شرح بتواں داد یکے آں کہ حاجی گفتہ "مہر و مہ الخ" او اعتراض کرد کہ دیدۂ عینک سے کے بینا شود، دیدۂ شخص بہ سبب عینک بینا مے شود" طاہر ص ۲۶۴

"بر قصیدۂ ۔ قدسی .. مناظرہ کردہ کہ ہمہ صاحب سخناں پسندیدند"
کلمات ص ۵۵

"بر یک قصیدۂ .. قدسی از اول تا آخر اعتراض کردہ و ہر بیتش را جداگانہ جواب گفتہ و آں در زمرۂ اہل استعداد مشہور است، قدسی گفتہ "عالم از الخ" شیدا در از تمہید فراداں مقدمات در اعتراضات گفتہ (اس کے بعد اشعار آتا ہے)" مرآۃ

"در اکثر ابیات قصیدۂ از قدسی دخل کردہ و بہ ہماں وزن و قافیہ قصیدۂ گفتہ اعتراضات مذکورہ را موزون نمودہ .. منیر ہماں قسم اشعار گفتہ ہی کہ نمود و مردم دیگر نیز بجواب آں پرداختہ اند و مرزا جلالائے طبا طبا جوابے یکے از آں اعتراضات نوشتہ قطعہ در ہجو شیدا گفتہ و او را بہ مہادیو منسوب یا دنمود

"شیدا بر قصیدۂ .. قدسی ایراد ہا کردہ و قطعۂ طولانی در زمین ہماں قصیدۂ گفتہ، بجنسہا جا بیجا آوردہ و ملا منیر .. ہا کہ در سلک نظم کشیدہ، درین جا دو صحبت یکے از دخل بجا و دیگرے از دخل بیجا از ہر سہ استاد نقل کردہ شود (اس کے بعد اشعار شیدا و منیر متعلق اشعار دوم و چہارم قدسی)" انگل رعنا ص ۱۲۴

"بر یک قصیدۂ .. قدسی از اول تا آخر معترض گشتہ و ہر بیتش را جداگانہ جواب گفتہ .. منیر .. درین قضیہ حکم گشتہ، او نیز ہماں قافیہ و ردیف قصیدہ گفتہ، در یک مصرع تعریف .. قدسی نمودہ و در مصرع ثانی .. شیدا را ستودہ ۔ از اول .. تا تا آخر بہ ہمیں طریق قصیدہ گفتہ .. باقی ابیات را بدیں دستور معترض گشتہ ۔ در خاتمۂ شریفہ مشتمل بہ تعریف کشمیر و ہندوستان را یاد .. صاحب فران ثانی بسیر آں حدود نوشتہ است کہ ایرانیاں مرا بہ ہندی نژاد بودن مقدا مے نہ نہند فاضل از اصل کار کہ .. آدم ہند است .. حرف آنست کہ ایرانی و ہندی بودن فخر را سند نکردہ و پایۂ مرد بہ نسبت

ذاتی باشد نہ اگر ایرانیاں زبان طعن کشایند کہ فارسی زبان ماست در زبان ما

بکلام نیایند و اگر زبان بکلام نیاشد بمذاق سخن آشنا نبود و چوں دستگاہ سخن ندارند

ناچارم دست و پائے ہمی زنند۔ ظاہر خیالی کہ از صورت سیمینی منبر دہ اند جز عالم

حال چشم نگار ند یعنی رنگین چو خلقت ایشاں نگاراست و سخناں ایشاں چوں

جامہ من کم بہا و بد قماش۔ ایشاں بر جامہ من چشم بد و زند، من بر ایشاں

معنی رنگین عرضہ کنم۔ آنچہ بہ تکلف گفتہ شدہ ہمہ از روئے راستی است و رنجیدن

از راستی کار اہل دانش نیست" مخزن الغرائب م ۴۲۲۔

اشعار قصیدہ کے شیدا: ۱ تا ۷ متعلق شعرا قلمی، ۸ متعلق شعر ۲ قدسی،

۱۰۹ متعلق شعر ۳ قدسی:

اے سخن از تیغ جوہر منفعل اندیشہ بسیج ۱ نقد ہر حرف بہ میزان خرد بے کم وکاست

نالہ در سینہ ز دلتنگی کہ بشد قطعہ رود ۲ چونکہ از سینہ ہوا گیر شد از جنس ہواست

عالم از وے نشود تنگ و لیکن ز ملال ۳ خلق عالم گر از دل تنگ نشیند بجاست

خود نگو فہم کہ جہاں تنگ شد از نالۂ تو ۴ کہ ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست

نیست ترتیب دو مصراع بہم ربط پذیر ۵ کہ سیاق سخن از ہر دو بہ اندیشہ جداست

تنگی عالم از نالہ بہ کیفیت او ست ۶ کہ جہاں تنگ ز اندوہ شدہ بر دلہاست

تنگی جا ز کجا تنگی اندوہ کجا ۷ بیشتر از تن و جاں تفرقہ ہم پیدا است

قاف ایں قصہ بہ تحقیق ہمہ مے افزاید ۸ قافیہ چوں عالم یک نقطہ فزوں تر ز فناست

چوں قلم ہست زبانے کہ ندارد کامے ۹ کام چوں نیست بگو تا بچہ از کام جداست

باز آں کام کہ ناکامی از وی خواہی ۱۰ ہم یکا یک زباں راست نمے آید راست

شیدا کے اعتراضات سے متعلق امور ذیل قابل توجہ طلب ہیں: (الف)

شفیق شیدا کی نظم کو قطعہ کہتا ہے، لیکن، اور سب اسے قصیدہ کہتے ہیں۔

قصیدے اور قطعے میں جو فرق ہے اس سے شفیق ناواقف نہ ہوگا، اختلاف کی

وجہ سمجھ میں نہیں آتی (ب) اس قول کے مقابلے میں کہ شیدا نے قدسی کی ہزیمت

پہلے اعتراض کیا تھا، میں آرزو کے اس بیان کو ترجیح دیتا ہوں کہ اکثر ابیات کے اسقام دکھائے گئے۔ (ج) شیدا کے اعتراضات جو میری نظر سے گزرے ہیں، انھیں دیکھتے ہوئے شفیق کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اعتراضات بجا بھی ہیں اور بے جا بھی۔

(۳) جلالائے طباطبائی نے خود اپنا نام جلال الدین طباطبائی لکھا ہے۔ (منثورات ص ۲۴۶)۔ صاحب عمل صالح نے اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کوئی معاصر انشا پرداز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ عمل صالح میں اس کے متعلق یہ عبارت بھی ہے:

"در اصفہان استفادۂ سائر علوم نمودہ.. در سال ہزار و چہل و چہار ارادۂ.. ہندوستان.. نمودہ.. در سلک سخن سنجان منتظم گشتہ بہ نگارش احوال خیر مآل بادشاہ دین گر دید بے مبالغہ دقائق نثر بدرجۂ نشرہ رسانیدہ در نگارش تحویر آثار بدیعہ پنجسالہ آنحضرت آں کارنامہ بہ وسے کار آوردہ بود کہ اگر از ناتوانی بینی عزت بہم نخوردہ و صورت تمامیت مے یافت واثبے از دباتی مے ماند آویزۂ سخن تازہ آویزۂ گوش روزگار گشتہ سرمشق نثر نگاران ہند و ایران مے شد۔ دکالائے سخن رواج مے یافت۔ در شتی وا لا تحرفتہ، پایۂ کلام از کرسی عرش ہا می گزشت" ص ۱۷۶

آرزو نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے: "میرزا جلال نصرآبادی گوید از سادات اصفہان است۔ صاحب کمالات صوری و معنی بودہ۔ تحصیل علم جد بسیار نمودہ۔ در ترتیب انشا نہایت مواظبت داشت۔ از عراق بہ ہند آمد حسب الامر سوانح ایام شاہ جہانی بہ تحریر در آوردہ۔ عزیزانیکہ ایں تاریخ دیدہ اند، نقل مے کنند کہ بطریق وصاف نوشتہ۔ فقیر آرزو گوید کہ غالباً ایں ہماں جلال است کہ در ہندوستان بہ جلالائے طباطبا شہرت دارد و کتاب ریاض فیض کلمات منشآت اوست.. بگمان راقم بہ از وصاف تواں گفت

زیرا کہ در رباعی سوائے حرفِ مولویت تازگی معنی بحدّ نیست کہ وصاف آں را بخواب ندیدہ" (۸۰۔۵) اس میں کچھ شک نہیں کہ تذکرۂ طاہر میں جس جلالا کا ترجمہ ہے (۵۹ھ) وہ جلالائے طباطبائی ہی ہے۔

جلالا شاعر بھی ہے، لیکن نثر نگاری کی حیثیت سے وہ شاعری کی بہ نسبت کہیں زیادہ مشہور ہے۔ میرزا غالب کے نزدیک بھی وہ صاحب طرز انشا پردازوں میں ہے، لیکن مصلحت کے تقاضے سے انھوں نے نواب کلب علی خاں کو جلالا پر ترجیح دی ہے (مکاتیب غالب طبع ۱ ص۵۷)۔

جلالا و قدسی میں رابطۂ ہم وطنی تو تھا ہی، گہرے ذاتی تعلقات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ جلالا نے قدسی کے دیوان کا خطبہ لکھا ہے جو دیوان کے کسی نسخے میں تو میری نظر سے نہیں گزرا، مگر منشورات تمنا میں ص ۲۷۰ سے ۲۷۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ قدسی کی اتنی تعریف کی ہے کہ اس سے زیادہ ہو نہیں سکتی۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"فرمانروائیکہ قلمرو اقالیم سبعۂ معانی یک قلمہ بنان بیان اوست و دارالملک کشور سخنوری یکسر در زیر نگین خامۂ سروری او، عزیزائیکہ در محکمۂ مصر تمیز دعوائے تسلیم ثبوت ایں مدعا بہ سرحد اثبات رسانیدہ و می رسدش و در انجمن مباہات سدرہ پردازان حرف عرش پایگی سخن بکرسی رسانیدہ و میزیبدش، بہ تقریبے کہ زبان خامۂ خود کامراش در ہنگامۂ ادعائے صاحبقرانی سخن ندائے "ہنوز در عدم است آنکہ ہم قران من است" بہ بانگ بلند در می دہد و منکرے ندارد، عدیم النظر کہ.. در زمزمۂ انا و لا غیری علم لمن الملک می افرازد و کسے یارائے معارضہ نمی آرد"

جلالا کی کسی تحریر میں جو میری نظر سے گزری ہے، شیدا کی تعریف نہیں ملی، لیکن شیدا کے مکتوب بہ ذیل سے جو جلالا کے نام ہے یہ پتا چلتا ہے کہ قدسی کے قصیدے کے علاوہ اور باتیں بھی تھیں جن کے متقاضی ان میں؛ اختلاف تھا، پہلا

قیاس ہے کہ یہ خط معارضہ زیر بحث سے پہلے کا ہے:

"مرا کمال تو مسعر کند بچہ کار کنم   دلے دایں ہمہ دانش سر کو ایں ہمہ ہوش

قبلہ آگاہا! (قبلہ گاہا؟) از آنجا کہ بندہ را بہ طبع راست " درستی میسر نیست، منزہان در نظر خود دارند، ہر چند خود را از صحبت ایشاں مجبور دار دناچار گاہے اندر دے اتفاق یک دیگر رسیدہ مے شود۔ غرض می دارد صاحب مہربانی کہ بر غربیاں دارند فرمودند کہ لفظ عصفر است بمعنی دانہ و معصفر بمعنی رنگ است۔

دریں جا قبلہ آگاہا را مراد و مطلب رو دادہ: یکے آنکہ عصفر بمعنی دانہ نیست بلکہ نام گیاہ است، و معصفر رنگ نہ۔ چنانچہ بندہ را دریں دعوی دو گواہ عادل حاضر، چنانچہ حکیم نزاری قہستانی در صفت پیری بہ نظم آوردہ:

اعصاب منجمد شد و احساں منخفر (کذا)   رنگت معصفری شد و بالات چنبری

و حکیم فرخی گوید:

سرشکم بخون جگر ارغوانی   رخ من زنندہ برنگ معصفر

و اگر لفظ عصفر را کسے بمعنی دانہ بنظم آوردہ باشد یا در کتاب لغت بہم رسد سلام (اعلام ہی) فرمایند و اگر دریادشاہ نامہ ایں قسم الفاظ نادانستہ بکار رود کار نامہ نخواہد بود!

بحرف من بود انگشت اعتراض چناں   کہ کس بدیدۂ روشن فرو برد انگشت

گستاخی را امید عفو است" صحائف شرائف م۔

جلالؔ نے تنبیہ کے اعتراضات دیکھ کر اس کے نام ایک خط لکھا تھا جو منثورات تمنا اور صحائف شرائف میں موجود ہے۔ جلالؔ کے نزدیک اعتراضات پوچ و پادر ہوا ہیں اور ایک ایک کے سوا جس کا تار و پود بکھیرنے میں اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا، وہ کسی سے بحث نہیں کرتا۔ یہ قارئین کو فریب دینے کی کوشش ہے کہ اعتراضات جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی۔ ذیل میں اس خط کا متن پیش کیا جاتا ہے۔ یہ منثورات کے مطابق ہے، صحائف کے

اختلافات نسخ کی نشان دہی کی یہ صورت نکالی گئی ہے کہ الفاظ کے نیچے نشان دے دیا گیا ہے اور ان کے بعد قوسین کے اندر نشان زدہ الفاظ کی جگہ پر الفاظ بڑھا دیے گئے ہیں۔ قوسین کے اندر اگر علامت × ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے قبل جو نشان زدہ الفاظ ہیں وہ صحائف میں موجود نہیں۔ منثورات و مخالف دونوں کی مدد سے بھی صحیح متن پیش نہیں کیا جا سکتا، قیاسی تصحیح کہیں کہیں ہو سکتی تھی، مگر میں نے اس سے احتراز کیا ہے:

آں کیست کہ پا کردہ سراز روے توجہ — ایں نامہ بداں بے سروپے پا برساند
ایں شعلۂ پیچیدہ کہ سرزد زنے کلک — تا خرمن آں سوختہ کالا برساند
زیں سوختہ صفرا کہ بسر ریخت قلم را — یکسا قطرہ بہ آں مایۂ سودا برساند
از تیر شہاب قلم شعلہ کشش ما — ما دے بہ مہا دیو مقولی برساند
در پردہ سخن چند کنم باد صبا کو — کیں نامۂ سربستہ بہ شیدا برساند

اے بزرگیا (عزیز) ہر کہ اندک مایہ خرد ز دوبیں وادنی درجہ عقل دقیقہ یاب دارد آئینہ (ہر آئینہ آئینہ) تصورش عکس پذیر صورت آں (ایں) حقیقت کہ مقصد اعلیٰ از (وانہ) تصویر عالم و تخمیر آدم مفترست تمہید المبادی و اول الاوائل (الاوائل) است (×) و غرض کلی از ایجاد عرض و جواہر جوہر وابداع روح و (×) پیکر شناخت مبدع (×) جز و وکل و دریافت صنائع (صانع) خار و گلست و ہر کہ ادراک آں (ایں) دقیقہ نماید از مہاوی درکات حیوانیت بجز از مصاعد درجات انسانیت نرساند (برنیاید) و پیداست کہ ہر کہ بہ شناسائی نفس (×) خود پے نبرد (نبردہ) طریق عرفان یزداں چساں تواند پیمود و سلوک شاہراہ وجداں (وجدانی) چگونہ تواند نمود؟ و ایں مسلک روشن اقرب طرق الی اللّٰہی (اللّٰہ) است و بدایں (بریں) دعویٰ بدیہہ عقل شاہد و (×) فحواے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ گواہ و بنا بر قرار داد (اقرار) ایں مقدمہ مقرر شدہ (شد) کہ ہر کہ خدا را شناختہ باید کہ خود را شناختہ باشد و ہر کہ خود را

شناختہ تا مجاز از پایہ خرد اندازہ برداشتہ دپایہ خویش بخوبی دادہ کار خرد شمار

گرفتہ (بر گرفتہ) دبحساب خود وارسیدہ دبیر (در) نخواهی درایاسے (درا یاسے)

نفس خویش کماہی آگاہی یافتہ وتقریر اندازہ وقدر (تقدیر حاد اندازہ قدر د

مقدار) خود کما ینبغی نمودہ، پس پاسے از سر حد گلیم کوتاہ خود درازے (دراز تر)

کشیدن وطبل مزیادہ سری در خارج گلیم سپاہ یہ دگی (رہ بر دگی) نا شناختی (بہ)

زدن وبادہ چرد ہم بصارت خویشتن را چشم دیگر (دیگراں) دیدن دبلد پایہ

خواش در پرتو آفتاب شمریدن (آفتاب جہانتاب نگریستن) یعنی پلہ (پایہ)

پست خود را فراتر از پلہ ساز ی بزرگاں (از پلہ سلسلے بزرگاں بلند نہادن

وپایہ (پلہ) کوتاہ خویشتن را بالاتر از پایہ (پلہ) والا سے بلند قدراں قدر نہ

عمر دادن ز باد سوت بر چارہ عنباں از دست (کلاہ) رخنہ انگشت بدندان تحسین

آفریناں گذاشتن وخود را سخن سنج وحرف گیر ونکتہ شناس پنداشتن بفتوی

خرد انصاف گزیں مستلزم ناشناختن خود است کہ خدا ناشناسی (نشناسی) را

(بہ) خدا نخواستہ لازم دارد۔ باعث مراد (بہ) ازیں ہمہ تصدیع زبان خامہ

دخراش عارض نامہ وکاوکاو خاطر نازک دوات وتشویش اندیشہ وتضییع اوقات

آنست کہ چوں در نیولا بیگانہ (ناگاہ) ترانہ دلکوب وخارج آہنگ نغمہ

ے اسلوب بگوش زد وسامعہ خراش آمد (از وبسامعہ خورد) کہ آں ناحفاظ

بے حجاب پردۂ حفظ (بہ) صورت آدمیت از (در) پیش روبہ داشتہ گرفتہ

چند بارد (دارد) دما ترا فات بے معنی را البتہ نظم بعرصہ (غیر دارد مجبور

نظم بعرصۂ اشتہار) آوردہ قصیدہ نام نہادہ، دبیما دکاغذ ومداد کردہ بزعم

ناقص خویش (بہ) داد کمال سخنوری دادہ و (بہ) چوں بہ الحاح وابرام عزیزے

از عزیزاں کاراں (ابرا نیکے از بزرگاں) روزگار ملاحظہ واستماع ایں (آں)

مزخرفات بے سروپا را گذارہ (نگاہ) تقصیرات چشم وگوش نامیدہ بر سرا پاسے

آں دارد سیدم، بعمر عزیز وجاں (بجان) نازنین معنی سوگند (قسم) تاللہ (واللہ)

تقسیم تو تعلیمون تفہیم کہ پیشتر از آں ثمرۂ ماخولیاے (مالیخولیا) یاد رمعارا مانند
اندیشہ تفہیم ازاں ہمہ سر لیچ (یوچ) مطلق دیدم وایں ہمہ نمود بیہودہ راچہ را
لو ہمی تکلم نامقصود (موزوں تکلم با با مقصود) ہیچ در ہیچ (ہیچ در ہیچ) یافتم۔ لاجرم
بفتوی شریعت مروت و حکم طریقت انصاف بر ذمۂ ہمت واجب و لازم دانستم کہ
از روے نصیحت ایں اندازنامہ بداں (با آں) خویشتن ستاے خود کام (کامہ)
نوشتہ او را از لغزشہاے او بیاگاہانم (بیاگاہم) از جملۂ سہو ہاے سیے او بانہ
او ہمیں یک سخن بس (×) کہ بگمان ارباب تصدیق طوا تصور صورتے ذہنی
دارد، فی الجملہ در خور جواب است آنست (×) کہ زہر آلاے را کہ بظاہر
(×) بمعنی آلایندۂ زہر است یعنی (بمعنی) زہر آلود گشتہ (دانستہ)۔ سبحان اللہ
ہنوز ایں قدر (×) ندانستہ کہ در محاورات (محاورات پارسیاں) ازیں
دست الفاظ بسیار است کہ بمعنی اسم فاعل و اسم مفعول ہر دو آمدہ و بقرینۂ
مقام معنی مراد ظاہر می شود (ظاہر است) و ایں معنی اگرچہ از غایت ظہور بہ
ایراد مثالہا نیاز مند است (نیست) اما دریں مقام بضرورت مثالے آورد
(آورد)، مثلاً کارساز (سازِ عالم) و عالمگیر و جہاں آفریں و دانش آموز و
عالم سوز کہ (×) بمعنی سازندۂ کار است (×) وگیرندۂ عالم است (×)
و آفرینندۂ جہاں و آموزانندۂ (آموزندۂ) دانش و سوزانندۂ (سوزندۂ)
عالم است (×)۔ بمعنی اسم فاعل آمدہ و گاہ بعینہ در بعضے اخبال (احیان) ہمیں
الفاظ در ترکیب دیگر افادہ بمعنی اسم مفعول می کند، چنانچہ گویند (چنانکہ می گویند)
فلاں کار خدا ساز شدہ (است) یعنی ساختۂ خدا شدہ (×) و ہمچنیں خدا گیر شدہ
(×) و ایں گلشن خدا آفریں است و فلاں پیر (کار بہر) آموز است و فلاں
چیز خام سوز شدہ (است)، ہمہ جا (از ہمہ) اسم مفعول مراد است و عبیر آلا
بمعنی عبیر آمیختہ شدہ (عبیر آلود است) دریں بیت است (×) چو آں
غنچہ دہن آمد انگار گشت عبیر آلاے شد بام و در و دشت (شد بام و در و دشت)

وبخصوص لفظ زہر آلا سے در کلام بیکدانہ (×) اکابر زبر (دانشمند) معجزاتِ منقبت
پیغمبر (سرورِ عالم و برگزیدۂ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم) و در بابِ مسموم آمدن
(درآمدن) بزغالۂ مسموم وارد است:

آں پیمبر کہ برۂ بریاں ‌ ‌ گفت از من مخور کہ زہر آلاست

اے مدعی (مدعی فہمیدگی) بارے ایں قدر دریافت خود باید داشت
کہ بر گفتۂ خردمنداں دلیرانہ گرفت کردن بیخردیست و در سخن بزرگاں بے
تامل سخن کردن (نمودن) کودک منشی و خردی سامری گردیدن کلیم (باکلیم)
کلامان سروش سرشت (پرست) کہ ید بیضا از جیب دوات و آستین قلم بر می
آرند، دلیل گوسالگی است و دجال (دخیل) شدن مسیحا نفسے (با مسیحا نفساں)
قدسی انفاس کہ بہ یکدم در کالبد مردۂ صد (صد مردہ) ہزار سالہ جان
می دہد (می دمند) یادے از خری می دہد (برہان خری). بقافیہ بندی
غرہ شدن و آں را قصیدۂ غرہ نام نہادن ناشاعری بل (بلکہ) بے شعوریست:

اے خواجہ فلاں شاعری آساں نبود ‌ ‌ ہنگامۂ ناں مائدۂ جاں نبود
چوں بر کف آبکہ کند باد گذار ‌ ‌ موجے دارد ولیک عماں نبود

(وچشمیکہ نداری از ہمہ پوشیدن و ہمہ را بہ یک چشم دیدن عوریست بلکہ
کوری). اے عزیز (×) ایں نہ دوہرہ و دھرپت (دھرپد) است کہ در
مصارف آں فصیحی (دخیل) بجا و بیجا صرف (بیجا و بجا) توانی کرد ایں زبانِ
(×) سنسکرت در زبان گوالیار است (نیست) کہ باوجود عدم پنڈت (اس کے
بعد ایک لفظ نہیں پڑھا جاتا) (قدرت آں) نیز تصرف توانی نمود. ایں لہجہ
دری از (و) زبان پارسیست، از افواہ پارسی زباناں باید آموخت و چراغ
سخندانی از مشکوٰۃ اندیشۂ ایناں باید افروخت. از مطالعۂ فرہنگہاے تنہا
(فرہنگ نامہا) فارسی (پارسی) زباں نتواں شد و از تتبع دوادین (دیواں)
قدماں از پیش قدما، ایں وادی نتواں گشت (گردید) ظاہرا دریں معنی

پیروی یکے از سیاہ باطناں بوالفضول ایں (×) تیرہ مناک نمودیہ (نمودہ کہ) بزبان دہی دسر بزرگی دنیا با استاداں (استاد) سخن وے (×) امام الائمۂ ایں فن مولانا عرفی شیرازی ہمی گفتہ کہ ملا ما پارسی (فارسی) از انوری وخاقانی (خاقانی وانوری) آموختہ ایم وشمار از پیرہ (پیر) زالاں مسکیں مو (×) ندانستہ کہ انوری وخاقانی نیز ازیناں سخن آموزی کردہ اندے - بالجملہ اے میاں (نابینا) سخن من (×) بشنو و دیگر بارہ (×) بر سر کوبہ (×) گفت و گومیا کہ بحرف (از حرف) وصوت صیت سخنوری بلند نتواں ساخت ورائگ کلاوخت (برگ گلو د) میل کردن سر بہ سروری کشور سخن نتواں افراخت ازبلندی (بلند) آواز آوازہ بلند نشود و بنام نامی وتخلص گرامی کوس لمن الملکی صدا ندہد وے (×) بہ تحسین عامہ از خواص نتواں شد - بہ آفریں بے تمیزاں از عزیزاں امتیاز (اعتبار) نتواں یافت بتا (×) محض قبول عامہ از شہد جانبیہ جاہل (خاصاں) سند گردد - نسخہ قابلیت خاص از بلغ بالغ رضایاں (نضاباں) کامل نصیبیا (انصیب) کمال اعتبار اختصاص یابد - برضائے عوام (علوم) از خود راضی نباید بود از آنکہ حرف نشکار گنگ زباناں نشاید نمود:

چون شکار خرک باشد صید عام   رنج بیجا لقمۂ خوردن حرام (×)

بے (×) ایں ہمہ بوستیاں کو کنار خانہ کہ مغز از پوست بپذ (×) شیدا ازبد ایں ہمہ حساب خود را از اولوالالباب نتواں شمرد و بہ راہ واہ تیرہ درو ماں ہمچو نگاں کہ سیاہ از سفید نمی شناسند بہ ہیچ وجہ رہ شناس تارستان (شہرستان) بہ ہراں دانشنار ہے انجمن عرفاں نتواں گشت (گشتہ و اندما)"

(۴) میر عبد الباقی صہبائی کے متعلق مجمع النفائس میں مرقوم ہے "از کلامش معلوم می شود کہ در عہد شاہجہانی بود و اکثر تعریف .. عالمگیر نمود .. از فرزندان خواجہ مودود چشتی است واز چہار پشت نوکر سلسلۂ علیہ تیموریہ .. جواب اعتراضات شیدا کہ بر اکثر ابیات قصیدہ .. قدسی کردہ بنظم آوردہ

(۵) منیر لاہوری کو جلالا نے اپنے دیباچہ کلیات منیر میں "طوطی شکرین قفس ہند" لکھا ہے (کل ۲۱۸ء) اور اس کے بارے میں صاحب عمل صالح نے لکھا ہے کہ "بعد از شیخ فیضی در سواد اعظم ہندوستان سخنوریکہ در ہر دست سخن اقتدار داشتہ باشد و تتبع سلف بسیار نمودہ... بغیر از و دیگرے برنخاستہ" (عمل صالح)

مجموعہ مثنویات منیر کے دیباچے کی عبارت ذیل سے جو م ۱۸۹۶ میں چھپا، قدسی سے متعلق منیر کی رائے معلوم ہوتی ہے:

"دریں چند زماں در سواد اعظم ہندوستان.. دریں سخن از چار یار قولیست.. اول قدسی کہ ساکنان بیت المقدس فیض انفاس قدسیہ اش را قوت روح می دانند و گفتار پاکش را کلام قدسی می خوانند۔ دوم کلیم کہ.. کلکش چوں نخل ایمن صاحب اعجاز سوم الہی چہارم شیدا.. اگر ایں چار تن را بچار عنصر نسبت دہم بیجا نیست زیرا کہ انتظام عالم سخن بوجود ایشاں متعلق است۔ اول کہ صفت آتش دارد و از فطرت والا سر بہ اوج سے ساید و از سوختگی و برشتگی با ہمہ کس گرم می جوشد۔ سخنش پختہ است و شعرش گلو سوز" ۲۲۴ء

منیر اور جلالا کے تعلقات پر کلیات منیر کے اقتباسات ذیل روشنی ڈالتے ہیں: (الف) "بعد از آں بصحبت مرزا جلال آوردم۔ آں صاف ضمیر از روے انصاف مانند آئینہ شاہدان معانی مرا در انجمن روشن دلاں، روشن شناس گردانید و بر بعضے از اشعار بندہ دیباچہ نوشت و بدیں صورت آں عروسان دل فریب را نمایش داد" (دیباچہ کلیات ۷ء)

(ب) سر مشق خرد ز عقل والا داریم ایں نشاء ز میرزا جلالا داریم ۹۴ء
کیفیت فیض حق تعالیٰ داریم در سخن از عالم بالا داریم

(ج) "قصیدہ گفتہ شدہ۔ انشاء اللہ از فیض اصلاح آں سحاب فضل طراوت تمام خواہد یافت" مکتوب بنام جلالا ۲۲۸ء (د) "سواد آں نظم کہ نظر یافتہ"

اصلاح آں مرحوم دیدہ، عبارتست بریاض بردہ بخدمت فرستادہ شد۔ ایضاً

۲۲۸ (ہ) دیباچہ مجموعۂ مثنویات میں جلالا کو اپنے عہد کے تین بزرگ ترین انشاپردازوں میں شمار کیا ہے: "اول صاحب فطرت والا میرزا جلالا کہ سواد صحنش چوں سرمۂ صفاہاں سرمایۂ بینش دیدہ وراں.. و نظم پیش نثرش پشت دست بر زمین سخن نہادہ" ۲۲۹ اقتباس الف میں تلمذ کا ذکر نہیں، لیکن اقتباسات ج و د سے صریحاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ منیر جلالا سے اصلاح لیتا تھا۔

یہ تو خبر نہیں کہ منیر اور شیدا ذاتی طور پر ایک دوسرے سے واقف تھے یا نہیں، لیکن منیر نے شیدا کو اپنے عہد کے چار بہترین شاعروں میں شمار کیا ہے:

"چہارم شیدا کہ دیوانہ سواد عرصۂ سخن است دیکہ باد میدان معانی پا (کرم خوردہ) سخن کم آشناست، اگر بایں معنی بیگانہ اش خوانند رواست"

(کلیات) منیر نے شیدا کو عناصر اربعۂ سخن میں سے ایک بھی کہا ہے، قدسی کو آتش، کلیم کو باد اور الہی کو آب کہنے کے بعد شیدا کے بارے میں رقمطراز ہے: "چہارم کہ صفت خاک دارد، سرشتش مزرعۂ تخم معیشت و وطنش خلاصۂ زمین سخن۔ در افتادگی خاکساری ہیچ کس بگرد شش نمی رسد، با این ہمہ ہیچ دلے نیست کہ غبار از و نداشتہ باشند، دبایں دلیل کہ من او را بخاک تشبیہ کردہ ام دسرشت آدم از خاکست اگر گوید کہ من مایۂ آدمیت ام گرا یارہے جوابست؟

خدا گواہ کہ اکنوں بملک ہندستاں ز اہل طبع جز ایں چار تن نمے یابم" ۲۴۲

اسکے سوا کہ یہ عبارات جلالا کے ورود ہند کے بعد کی ہیں، ان کے زمانۂ تحریر کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہاں، قیاس یہ ضرور چاہتا ہے کہ سنہ ۱۰۵۰ھ کے پہلے کے ہوں۔ ذیل کی رباعیوں میں سے اول ۲ کلیات اور ۲ تذکرہ ہمیشہ بہار سے ماخوذ ہے:

شیدا کہ بود سہو کلامش پیدا نہ جوہر خبلست زجاہش پیدا
تحقیق بیاں نیست جنونش آرے دیوانگی اوست ز نامش پیدا ۔ ۹۶ھ

شیدا گوید کہ شعر من یک بیت است — ہر نقطہ من بہ جغد بیتک بیت است
یک بیت درست نیست در دیوانش — از جنبت برفت صاحب یک بیت است ٩٦ھ

شیدا بخیال بہ چوں نگارد معنی — (کرم خوردہ) کتابی نگذارد معنی
دیدیم کہ صنعتش ندارد صورت — زانگونہ کہ صورتش ندارد معنی ٩٦ھ

شیدا بردانا بجز رمے آید — در مجلس ابلہان بہ سرمے آید
سازند اگر ز استخوانش بربطے — ہر بار کہ افگنند خر مے آید ١٠٨١ھ

یہ رباعیاں عجب نہیں معارضہ شروع ہونے کے بعد لکھی گئی ہوں۔ شیدا نے بھی منیر کے حق میں کچھ کہا ہے یا نہیں، اس کا پتا نہ چل سکا۔ منیر کا قصیدہ اس کے کلیات م میں نہیں اور مجھے اس کے صرف تین شعر ملے ہیں، جن میں سے شعر ۱ کا تعلق قدسی کے شعر ۲ اور شعر ۲، ۳ کا سروکار قدسی کے شعر ہی سے ہے:

ناخن کلک تو در معنی ایں بیت بلند — گر شود بند بہ اندازۂ یک نقطہ بجاست
کام ناکام نہ شاید بہ سخن پیچیدن — چہ شد ار طبع تو در ملک سخن کامرواست
حسن ایں معنی نازک کہ نہ آگہ از و — بہ ادا بستی ایہام شدہ جلوہ نماست

آرزو کا قول ہے کہ منیر نے محاکمہ کیا ہے؛ یہ محاکمہ منصفانہ ہے، اس میں مجھے شبہہ ہے۔ صاحب مخزن الغرائب کا یہ بیان کہ منیر نے قصیدے کے ایک مصرع میں شیدا اور ایک میں قدسی کی تعریف کی ہے، صریحاً غلط ہے۔ منیر نے خود بھی ایرانی شعرا عرفی، زلالی، ظہوری و طالب پر اعتراض کیے ہیں، اس لیے اس کا مسلک یہ نہیں ہو سکتا کہ ہندیوں کو ایرانیوں پر نکتہ چینی کرنے کا حق نہیں۔ اگر شیدا کے ساتھ اس نے ناانصافی کی ہے، تو اس کی وجہ جلالائے طباطبائی سے اس کے تعلقات ہیں۔

(١٧) آرزو نے ترجمۂ صہبائی میں اپنی نسبت تحریر کیا ہے: "فقیر در محاکمہ ملا منیر کہ درمیان قدسی و شیدا شدہ، فاضل تمن نوشتہ و در سوم بہ داد سخن کردہ"

---

* شیدا انتہا نشین ملحقہ" اس تذکرے میں یہ رباعی بنام میر الہی۔

اگرچہ سرح عوزدن نیست لیکن بدقت وتحقیق تمام نگاشتہ ... قدمہ دفاتمہ آنرا بعضے از مطالب دادہ کہ تا حال ہیچ کس از فارسی گویان ایران آن را فطاہر نشدہ ۱۲۷۹

(۱) غالب ایک جگہ کہتے ہیں کہ عرفی و ابوالفضل میں مباحثہ ہوا اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ گفتگو عرفی و فیضی میں، ابوالفضل کے روبرو ہوئی جلالا کے یہاں دونوں بھائیوں میں سے کسی کا نام نہیں آیا۔ یہ البتہ قرین قیاس ہے کہ ابوالفضل سے ابوالفضل مراد ہو۔ غالب نے یہ بتایا ہے کہ مباحثہ کیوں ہوا؟ جلالا نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ غالب کے پہلے بیان کے بموجب گفتگو اس ترتیب سے ہوئی: ابوالفضل، عرفی، ابوالفضل، عرفی۔ دوسرے کے مطابق یہ ترتیب ہے: عرفی، فیضی، عرفی۔ جلالا نے عرفی، ابوالفضل کا قول نقل کیا ہے، عرفی نے جو کہا اس کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔ آخری قول جسے غالب عرفی کی طرف منسوب کرتے ہیں خود جلالا کی رائے ہے۔

(۲) جلالا سے قبل یا اس کے زمانے کے کسی اور شخص نے جہاں تک مجھے علم ہے اس مباحثے کا ذکر نہیں کیا۔

(۳) غالب نے ظاہرا فیضی کے کلام کا پسندیدہ عجم نہ ہونے کے ثبوت میں عبدالقادر بدایونی کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن منتخب التواریخ میں یہ مرقوم ہے کہ فیضی نے ہزار کوشش کی، قبول عام نصیب نہ ہو سکا۔ غالب کبھی فیضی کے مستند ہونے سے منکر ہیں، اور کبھی اس کا اقرار کرتے ہیں (تفاصیل غالب بحیثیت محقق میں ہیں جو انتقاد غالب میں شامل ہے)۔

(۴) "سیاہی ز تغیر" نہ "سیاہی فاتغیر" نکلتا ہے۔ یہ الفاظ عبدالقادر کے نہیں۔

(۵) اس جگہ غالب نے اپنے کو "پارسی زبان" کہا ہے لیکن قاطع برہان میں اس کے خلاف ہے۔ (تفاصیل غالب بحیثیت محقق)

بزم معاصر

حصہ ۵ "عہد شاہجہاں کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب" میں غالب نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، سہو کاتب سے وہی چھوٹ گیا اور تصحیح کے وقت بھی اس پر نظر نہ پڑی۔ عبارات غالب یہ ہیں: (۱) "جلالا ... نے شیدائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا۔ عبارت .. یاد نہیں۔۔ مگر یہ مضمون ... ہے کہ ایک دن عرفی .. اور ابو الفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بسر حد افراط پہنچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا اس کو کیا کرو گے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا .. اپنے گھر کی بڑھیوں اور لونڈیوں سے جو بات سُنی فارسی میں سُنی۔ شیخ گفت ما فارسی را از انوری و خاقانی گرفتہ ایم و شما از پیرزالاں آموختہ اید۔ عرفی فرمود انوری و خاقانی نیز از پیرزناں آموختہ باشند" (عود طبع ا ص ۲۳) (۲) "شیدا .. نے حاجی محمد جان قدسی .. کے ایک شعر پر اعتراض کیا .. جلالا .. نے شیدا کو .. لکھا .. سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ اور برساند ردیف شعر آخیر کا مصرع ثانی یاد رہ گیا ہے: "یعنی بہا دیلو متقوی برساند" خلاصہ مضمون یہ کہ تو صاحب زبان نہیں .. زباندان ہے یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ، تجھ کو کس نے کہا ہے کہ اس سے لڑ۔ کیا تو نے سنا نہیں (کذا) جو عرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور .. ابو الفضل کے روبرو ہوئی ہے۔ لغات تخاری اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا .. عرفی نے کہا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا

.. اور نلق آشنا ہو گیا ہوں اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہا ہوں، فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے .. گھر کی بڑھیوں سے سیکھا .. ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا .. عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق گھر کی پیرزالوں کا ہے" (عود صـ۱۴۳) آزاد نے ید بیضا (نسخۂ پٹنہ) میں لکھا ہے کہ شیدا نے "قطعۂ طولانی" لکھا تھا، اور "بختہائے جا بجا ایراد کردہ" اس میں ایک اعتراض اور ہے جو دوسرے تذکروں میں نہیں۔

"تیز کا میکہ چو آید بسماع از قدمش   کرۂ خاک چو سیماب جہد از جیب دراست" ق

"تیزی گام بدیں وصف ستودن ستم است   صفت صدمہ ستم گر کنی آخر بر جاست" ش

صحف ابراہیم میں شیدا کے متعلق لکھا ہے: "اعتراضیکہ از روے لاف و گزاف منافی شیوۂ انصاف بر قصیدۂ قدسی در بحر و قافیہ (کذا) بسلک نظم کشیدہ از غایت شہرت محتاج بہ اظہار نیست" ید بیضا میں منیر کی تاریخ وفات ۷ رجب ۱۰۵۴ھ مرقوم ہے۔ خلاصۃ الافکار میں بھی یہی سنہ ہے۔ تاریخ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ معارضہ اس سے قبل ہوا۔ کلیات صائب مطبوعہ میں صـ۱۲۴ شیدا کی غزل کا جواب ہے:

ایں جواب آں غزل صائب کہ شیدا گفتہ است   گر تو جویا طالبی مطلوب بے ہمتا طلب

(معاصر حصہ ۷)